



دارالنعمان پبلیشرز  
DARUN NOMAN PUBLISHERS

معاصر اخبارات حسب سبب رائد مسائل کی روشنی میں

# غائبان ناموں کی رسالت

تحقیق و تالیف  
محمد شاقب رضا قادری





قدیم اخبارات و رسائل سے ماخوذ

# غازیان ناموں رسالت

(۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۷ء)

تحقیق و تالیف

محمد ثاقب رضا قادری



دارالنعمان پبلشرز

DARUN NOMAN PUBLISHERS

کتاب نمبر 7-10-11  
حصہ 4 ع

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۱۶۱۵۷۶  
۵

غازیان ناموس رسالت (معاصر اخبارات کی روشنی میں)  
تحقیق و تالیف، محمد ثاقب رضا قادری (پ: یکم جولائی ۱۹۸۴ء)  
لاہور، دارالنعمان، مئی ۲۰۱۸ء، ۲۳۲ صفحات  
۱- ناموس رسالت، ۲- صحافت  
۳- تاریخ

GHAZIAN-NAMOOS-E-RISALAT

/TAHQEEQ O TALEEF : MUHAMMAD SAQIB RAZA QADRI

, , PP.432

ناشر: دارالنعمان، لاہور، طابع: مقصود احمد، لاہور

قیمت: ..... روپے

دست یابی کا پتا:

دارالنعمان، دکان نمبر 4، ہادیہ حلیمہ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 042-37225075 صوتی رابطہ: +92-333-1206301

برقی پتا: saqib1126@gmail.com

اورینٹل پبلشرز، رائل پارک، لاہور

مکتبہ اعلیٰ حضرت، نزدستا ہوٹل، دربار مارکیٹ، لاہور

مسلم کتابوی، دربار مارکیٹ، لاہور

کتاب سرائے، الحمد مارکیٹ اردو بازار، لاہور

ضیاء القرآن، لاہور/کراچی

مطبع: بی پی ایچ پرنٹرز، لاہور

## اقتساب

ناموس رسالت پر پھرہ دینے والے

ہر ”غازی“ اور ”شہید“

کے نام

## اجمالی فہرست

پیش از کتاب: سرکٹاتے ہیں تیرے نام پہ.....

تقریظ از علامہ خلیل الرحمن قادری

باب اول: غازی عبدالرشید شہید/دہلی

باب دوم: غازی علم الدین شہید/لاہور

باب سوم: غازی امیر احمد شہید، غازی عبداللہ شہید/لاہور

باب چہارم: غازی عبدالقیوم شہید/کراچی

باب پنجم: غازی محمد صدیق شہید/قصور

باب ششم: متفرق واقعات

۱۔ غازی عبدالمنان

۲۔ غازی غلام محمد بٹ شہید/جہلم

۳۔ غازی عبداللہ قصوری/قصور

۴۔ غازی مرید حسین/چکوال

ضمیمہ: غازیان ناموس رسالت کے متعلق کتب و رسائل کی فہرست

## مفصل فہرست

پیش از کتاب - سرکٹاتے ہیں تیرے نام پہ ..... 14  
تقریظ از علامہ خلیل الرحمن قادری 23

### باب اول: غازی عبدالرشید شہید 32-63

تعارف - 32، سوامی شرودھانند گولی سے قتل کر دیے گئے - 34، سوامی شرودھانند کے قتل کا مقدمہ شروع ہو گیا - 34 پہلے گواہ کا بیان - 35، بجواب سوالات جرح - 35، دھرم سنگھ کی شہادت - 35، بجواب سوالات جرح - 36، مہاشہ دھرم پال کی شہادت - 36، جرح - 37، سوامی چیدانند کا بیان - 37، پنڈت شرودھانند کا قتل - 38، مولوی کفایت اللہ صاحب سے ایک سوال - 39، عبدالرشید کی تصاویر الہ آباد میں - 40، مسلمانوں کی خانہ تلاشیاں - 40، موجود شدھی کا قتل اور اس کی ذمہ داری (علامہ نذیر احمد بخندی کیا لکھتے ہیں؟) - 41، عبدالرشید کا بیان - 42، دس ہزار روپے کا انعام - 42، شرودھانند کا قتل اور آریوں کی شرانگیزیوں - 43، عبدالرشید کو پھانسی کی سزا - 46، سات کروڑ مسلمانوں کی اخوت دینی کا مظاہرہ - 46، قاضی عبدالرشید کا مرافعہ - 49، سازش مسلمانوں کی ہے یا ہندوؤں کی - 49، عبدالرشید کا مرافعہ نامنظور - 51، قاضی عبدالرشید کے مرافعہ کا استرداد - 52، قاضی عبدالرشید کے حالات - 52، قاضی عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ - 52، لغش کا عظیم الشان جلوس - 53، شہر میں مکمل ہڑتال - 54، متفرق حملے - 54، ایک ہندو ہلاک اور تین زخمی - 54، ہنگامہ کے متعلق ایسوسی ایٹڈ پریس کا بیان - 55، سرکاری بیان - 55، ایک ہندو ہلاک اور ۴۵ زخمی - 55، پچاس آدمیوں کی گرفتاری - 55، تازہ ترین اطلاع بذریعہ ٹیلی فون - 56، قاضی عبدالرشید مرحوم کی روح کو ایصال ثواب - 56، قاضی عبدالرشید کی قبر پر پولیس کا پہرہ - 56، قاضی عبدالرشید صاحب مرحوم و مغفور - 57، قاضی عبدالرشید کی زندگی کے آخری لمحے - 60، رشتہ داروں سے ملاقات - 61، مرحوم کی آخری نصیحت - 61، مرحوم کا آخری وعظ - 61، مرحوم کا آخری پیغام - 62، بیٹے کو نصیحت - 62، دو گانہ شکر ادا کیا - 62، پھانسی کے تختے پر اللہ کی یاد - 63

### باب دوم: غازی علم الدین شہید 64-228

تعارف - 65، راج پال کی ملعون کتاب - 67، آریہ کی شرانگیز کتاب - 67، انجمن اہل سنت و جماعت مراد آباد کا ایک خاص جلسہ - 68، راج پال پر پہلا حملہ - 69، راج پال پر ناکام قاتلانہ

حملہ-70، بیان کردہ حملہ آور کا حلیہ-70، حکام کی مستعدی-71، زخموں کی حالت-71، ڈپٹی  
 کمشنر کا اعلان-71، محکمہ اطلاعات پنجاب کی اطلاع-72، راج پال پر قاتلانہ حملہ کے مقدمہ کا  
 فیصلہ-72، راج پال کا بیان-72، ملزم سے سوال پوچھنے کے متعلق-73، ملزم کا دوبارہ  
 بیان-73، عدالت کا فیصلہ-74، عبدالعزیز خاں کے خلاف مقدمہ-74، گواہان استغاثہ کے  
 بیانات-74، لالہ ناک چند ناز کی شہادت-74، سید برکت علی شاہ-75، بھگوانا کاشیبل-75،  
 شیخ جان محمد (سب انسپکٹر)-75، ملزم کا بیان-76، فرد جرم لگا دی گئی-78، ملزم کا ارتکاب جرم  
 سے انکار-78، راج پال کی حالت-78، راج پال قتل کر دیا گیا-78، قتل-79، مقتول-79،  
 مسلمانوں کا رنج-80، واقعہ-80، چہرا-80، سنسنی-80، احتیاطی تدابیر-80، راج پال کا  
 آخری دن-81، جلسہ مذمت-81، جلوس بند-81، دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ-81، علم الدین کے  
 حالات-81، قتل راج پال کا مقدمہ-82، میاں علم الدین کا مقدمہ-82، راج پال کے قتل کا  
 مقدمہ-83، ملزم سیشن سپرد کر دیا گیا-83، بیان علم دین-83، راج پال کے قتل کا مقدمہ سیشن  
 میں-84، ڈاکٹر ڈی آر سی کا بیان-85، کدار ناتھ کا بیان-85، بھگت رام کا بیان-87، ناک  
 چند کا بیان-88، پرمانند کا بیان-88، علم الدین پر پہرہ-89، عدالت سیشن میں راج پال کے  
 مقدمہ کی سماعت-90، چہرا بیچنے والا عدالت میں چہرا شناخت نہ کر سکا-90، ودیارتن گواہ-90،  
 دیوان وزیر چند-92، بیان آتمارام-93، بیان رحمت علی کاشیبل-94، بیان تارا چند ہیڈ کاشیبل  
 -95، بیان لالہ ملک راج مجسٹریٹ-95، بیان ہنس راج-96، راج پال کے قتل کا مقدمہ-96،  
 مسٹر سلیم کے زبردست دلائل-96، چودھری جلال الدین سب انسپکٹر-97، لالہ جواہر لال  
 انسپکٹر-98، علم الدین کا بیان-100، سرکاری وکیل کی بحث-100، وکیل ملزم کی بحث-102،  
 ایسروں کی رائے-104، قتل راج پال کے مقدمہ کا فیصلہ ہو گیا-105، میاں علم الدین کو سزائے  
 موت کا حکم-105، عدالت کے باہر کا نظارہ-105، علم الدین کو پھانسی کی سزا-106، قتل راج  
 پال کے مقدمہ کی اپیل-107، سرکاری وکیل کے نام مکتوب احمر-107، میاں علم الدین کا مرافعہ  
 عدالت عالیہ میں داخل ہو گیا-108، عدالت عالیہ میں علم الدین کے مرافعہ کی سماعت-108،  
 میاں علم الدین کا مرافعہ-109، مسٹر محمد علی جناح کی فاضلانہ تقریر-109، پولیس کی شہادت میں  
 قانونی نقص-111، موقع کی شہادتوں میں صریحی اختلاف-111، ایک اہم نقص-112، طبی  
 شہادت سے تردید-112، اقبال جرم ناممکن ہے-112، پولیس کے سامنے کیوں نہیں  
 کہا؟-113، دیگر گواہوں کے بیانات میں اختلاف-113، آتمارام کباڑی بناوٹی گواہ  
 ہے-113، چہریوں کی شناخت میں غلطی-114، شناخت کے طریقہ میں نقص-114، خون کے  
 نشانات کا مغالطہ-114، سیشن جج کا قابل اعتراض استدلال-115، رحم کی استدعا-115،



اپیل خارج کر دی گئی-115، میاں علم الدین کے مقدمہ کا فیصلہ-116، عینی گواہوں کے بیانات-117، ایک اہم نکتہ-117، آتمارام کباڑی کی شہادت-117، خون کے دھبوں کا معاملہ-118، مسلم ایسروں کے خلاف ناواجب رائے-119، مقدمہ کا دوسرا پہلو-119، علم الدین، جناح اور پرتاپ-120، علم دین کا مقدمہ-122، پنجاب ہائی کورٹ اور مسٹر محمد علی جناح-123، میاں علم الدین کا مرافعہ پر یوی کونسل میں، کوئی ولایتی بیرسٹر بحث کے لیے پیش ہو گا-124، جیل میں میاں علم الدین کی حالت-124، میاں علم الدین میانوالی جیل میں-125، ناموس رسول کی شمع کا پروانہ-میاں علم الدین کا مرافعہ مسترد کر دیا گیا-125، میاں علم الدین کو پھانسی کے لیے لاہور لایا جائے-127، میاں علم الدین کے والد کا تار حکومت کے نام-128، علم الدین کی پھانسی کے متعلق اس کے باپ کی درخواست-129، پھانسی کی تاریخ ابھی مقرر نہیں ہوئی-129، میاں علم الدین کا عزم و استقلال-130، والدہ اور عزیزوں کو میاں صاحب کی وصیتیں-131، قبر کے متعلق ہدایات-132، والدہ سے گزارشیں-132، میاں علم الدین قاتل راج پال کا اہم بیان-133، میاں علم الدین کو جمعرات کے دن پھانسی دی جائے گی-135، میاں علم دین کی شہادت کا فیصلہ-136، گورنر اور دیگر حکام کو برقی پیغامات-137، مجلس خلافت پنجاب کا تار-137، ہڑتال کا فیصلہ-137، لاہور میں مسلمانوں کا ہیجان و اضطراب-138، رضا کاروں کی بھرتی شروع-138، پولیس کا مظاہرہ-138، دہلی دروازہ کا جلسہ-138، جلوس-139، عام ہڑتال-139، برکت علی مسلم ہال میں مشورہ-139، علامہ اقبال کی مساعی-140، تاروں پر سنسر-140، گورنر کا پتہ نہ ملا-140، عظیم الشان اجتماع-140، سرتاج کائنات کی شمع حرمت کا پروانہ شہید ہو گیا-141، میانوالی جیل میں نماز کے بغیر میت کی تدفین-141، تختہ دار کا منظر-141، شہید علم الدین کے آخری اوقات-142، والد ماجد شہید کا رقت انگیز بیان-142، جام شہادت-143، پولیس کا تشدد-143، علم دین زندہ باد-144، میاں طالع مند کی تشریف آوری-144، سول نافرمانی کے لیے رضا کاروں کی بھرتی شروع-145، ڈاکٹر اقبال نقض امن کی حفاظت کے ضامن بنتے ہیں-145، میاں طالع مند کا تار-145، میانوالی سے آئے ہوئے آدمی کا بیان-145، کانگریس سے مطالبہ-146، علامہ اقبال کے مکان پر جلسہ-146، شہید علم الدین کی نعرہ کشی کا مطالبہ-147، مسلمانان لاہور کا پُر جوش اجتماع-147، رضا کار بنو!-147، جذبہ قربانی پیدا کرو-147، موت کے لیے تیار ہو جاؤ-148، منظم مظاہرہ کی ضرورت-148، مختلف تقریریں-148، حیرت اور استاد گام کی نظمیں-148، علم الدین شہید ہو گیا-149، علم الدین زندہ باد-149، دو گروہ-150، راج پال، جتندر داس اور علم الدین-150، حکومت کی دل آزار روش-151، شہید علم الدین کی لاش

لانے کے لیے خاموش مقابلہ کی تیاریاں-151، گورنر سے ملاقات کرنے کے لیے وفد-152، پولیس کا زبردست انتظام-152، شان دار جلوس اور جلسہ-152، پہلے دستے کے رضا کار-153، مسلمان تاجروں کی حمیت اسلامی-154، میانوالی کے ڈپٹی کمشنر کی تبدیلی-154، میانوالی میں مسلمانوں کی گرفتاریاں-154، غازی علم الدین کا یوم شہادت-سید کشفی نظامی کی حریت افروز تجویز-155، شہید علم الدین کی قبر پر پولیس کا زبردست پہرہ-156، میانوالی میں گرفتاریوں کی بھرمار-156، شہید کی قبر پر پہرہ اور روشنی-156، بیرون جات کی پولیس-156، بالا خانوں پر پولیس کے مورچے-156، سنگ باری کرنے والوں کی شناخت-156، میاں علم الدین کی شہادت-سمبر یال میں جلسہ ماتم-157، علم الدین شہید کی نعش لینے کی سرگرمیاں-گورنر سے مسلمان اکابر کے وفد کی ملاقات-157، خاموش مقابلہ کرنے والے رضا کاروں کا دستہ-158، رضا کاروں کے جلوس کا گشت-158، رضا کاروں کا ضبط و نظام-159، مولانا ظفر علی خان کی تقریر-159، علم الدین شہید کی لاش-161، میاں علم الدین شہید (نظم) از اصغر حسین نظیر لدھیانوی-162، ملتان میں علم الدین شہید کے لیے جنازہ غائبانہ-163، شہادت علم الدین کا مادہ تاریخ-164، علم الدین شہید کی نعش-164، علم الدین شہید کی نعش واپس لینے کی سرگرمیاں-165، شان دار جلوس اور جلسہ-165، امیر بخش پہلوان کی تقریر-166، مولانا ظفر علی خان کی تقریر-166، ایک ڈاکٹر کی طبی خدمات-167، پہلے دستے کے پانچ اور فداکار-167، مسلمان اکابر کے وفد کی گورنر سے طویل ملاقات-سرفیض اور علامہ اقبال کی مساعی جمیلہ-167، غازی علم الدین کی نعش لاہور سنٹرل جیل میں-168، کل چھ بجے فیصلہ ہوگا-168، مفتی کفایت اللہ کا احتجاج-169، عشق رسول کی برکت دیکھو-170، میاں علم الدین شہید کی نعش-گورنر صاحب نے مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم کر لیا-170، دو فرودگذاشتوں کی تصحیح-171، علم الدین شہید کی نعش مسلمانوں کو مل جائے گی-172، انجمن شباب المسلمین کا اہم سالانہ اجلاس-173، میاں علم الدین کی میت کو لاہور میں دفن کرنے کی اجازت-173، مسلمانوں کا وفد-174، گورنر کا جواب-174، حکومت پنجاب کا فیصلہ-175، شرائط-175، ایک کمیٹی کا قیام-175، حکومت کی توقعات-176، شہید اسلام-میاں علم الدین کا عکس دورنگی فوٹو-176، تاریخ شہادت میاں علم الدین (نظم)-177، علم الدین شہید کے جنازہ کی تیاریاں-178، چوہدری گراؤنڈ میں انتظامات کی درستی-178، قاضی عبدالرشید اور غازی علم الدین شہید-ایک مشترک مرقع-178، علم الدین شہید کی نماز جنازہ پر خلائق و ملائکہ کا بے نظیر ہجوم-179، چار لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کا ٹھانٹھیں مارتا سمندر-179، پولیس اور فوج کے انتظامات-179، علم الدین شہید کی اسپیشل ٹرین-180، شہید کی میت مسلمانوں کے حوالے-180، کلمہ گویان محمد

(علیہ السلام) کا بے نظیر اجتماع-180، مسلمانوں کا حیرت انگیز ضبط و نظام-181، تدفین شہید-181، بیرون جات کے مسلمان-182، میاں علم الدین شہید کی بہترین یادگار-182، علم الدین شہید کی تدفین کی تفصیلات-183، رضا کاروں کا حسن انتظام-183، تقریریں-183، جنازہ-184، لوگوں کا تانتا-184، مستورات-184، میاں طالح مند-184، جنازہ میانی صاحب میں-184، قبر میں پھول-185، رضا کاروں کا انتظام-185، مولانا ظفر علی خان کے ارشادات-185، واپسی-186، اکابرین کی مساعی-186، حکیم احمد حسن کا ایثار-186، شہر میں ہڑتال-186، غازی علم الدین کی میت لاہور میں-187، غلامان رسول کے جوش عقیدت کا موج سمندر-187، اجتماع کا نظارہ-188، میت کی کیفیت-188، شہادت اسے کہتے ہیں-189، اندیشہ مرگ سے پاک زندگی-189، مقام شہادت کی بلندی-190، ارمغان تشکر و سپاس-190، اعلان جلسہ عام-191، افکار و حوادث-192، شہید علم الدین کی نقش مل جانے پر جلسہ تہنیت-193، میانوالی کے اسیروں کی رہائی کا مطالبہ-193، شکر یہ-193، اتحاد اور زندگی-194، اسیروں کی رہائی کا مطالبہ-194، رضا کاروں کا شکر یہ-195، شہید اعظم علم الدین کی تجہیز و تکفین-196، مسلمانان لاہور کی طرف سے حکومت کا شکر یہ-196، ہدیہ تشکر و سپاس-197، مراسلہ-198، مہاشہ کرشن اور شہید علم الدین-199، ہندو اخبار کی اشتعال انگیزی-201، مسلمانوں متحد ہو جاؤ-202، شہید علم الدین کا بے نظیر مادہ تاریخ-203، شاہ عالمی دروازہ کی مسجد علم الدین کے نام پر موسوم کرنے کی تحریک-203، میاں علم الدین غازی بازار-204، حسابات غازی علم الدین کمیٹی-204، مسجد شہید لاہور کے لیے چندہ-206،

اخبار الفقہیہ، امرتسر کے شماروں سے ::

جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کا جلسہ احتجاج-207، انجمن خدام الصوفیہ راول پنڈی کا جلسہ-208، مسلمانان مویہ ضلع لکھنؤ کا جلسہ-209، راج پال کی کتاب-211، سوامی ستیانند پر مفروضہ حملہ-211، سوامی ستیانند پر حملہ-212، مہاشہ راج پال کے مکان پر پولیس-213، مشہور راج پال کا دن دھاڑے قتل-213، ایک مسلمان قتل کے الزام میں گرفتار-213، حملہ کس طرح ہوا؟-213، قاتل کا کیا نام ہے؟-214، پولیس اور راج پال-214، نو انچ لمبا چھرا-214، چاقو جسم کے آر پار ہو گیا-214، پولیس کا زبردست انتظام-214، راج پال-215، ملزم علم الدین کا ریمانڈ آٹھ روز کے لیے-215، قتل راج پال کا مقدمہ-216، علم الدین کا بیان-216، مقدمہ قتل راج پال کا فیصلہ-216، علم الدین کو پھانسی کی سزا-216، علم الدین کا مرافعہ-217، میاں علم الدین کی سزائے موت بحال رہی-217، میاں علم الدین کی وصیت-218، ماں اور باپ سے استدعا-218، غازی علم الدین شہید کی قبر پر پولیس کا زبردست

پہرہ-218، بیرون جات سے خلق کی آمد-219، پولیس کا زبردست پہرہ-220، حکومت پنجاب کو متعدد تار-220، شہر میں گرفتاریوں کی بھرمار-220، غازی کی قبر پر پہرہ اور روشنی-221، مزید پولیس کی آمد-221، غیر مسلموں کا افسوس ناک رویہ-221، شیدائے محمد (ﷺ) کا جنازہ دو لاکھ مومنوں نے پڑھا-222، میاں علم الدین شہید کی وصیت-226، کلام غازی علم الدین شہید-227،

### باب سوم: غازی امیر احمد/غازی عبداللہ شہید 229-251

مختصر واقعہ 230، حضور خواجہ دو جہان رحمۃ اللہ علیہ کا فوٹو-237، اسلامیان گڑھی شاہو کا اظہارِ غیظ و غضب، پراچین کہانی کی فوری ضبطی کا مطالبہ-237، پراچین کہانی کے مصنف کا قتل-238، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا نتیجہ-، پراچین کہانی کا مصنف قتل کر دیا گیا-239، دو حملہ آور گرفتار- ایک نے اقبال کر لیا-240، مقتولین کی تعداد تین تک پہنچ گئی-241، میاں عبداللہ شہید و میاں امیر احمد کے حالات-241، کتاب پراچین کہانی کے مصنف کا مقدمہ قتل-245، سیشن جج کا فیصلہ- خان عبداللہ خان اور امیر احمد کو سزائے موت کا حکم-245، عاشقانِ رسول کا آخری وقت آن پہنچا-247، عاشقانِ رسول کریم کی درخواست اجازت منظور-247، شمع نبوت کے پروانوں کا مرافعہ پریوی کونسل میں-248، عاشقانِ رسول کی پھانسی ملتوی کر دی گئی-249، شمع رسالت کے پروانے-249، فدایانِ رسول کریم عبداللہ خان اور امیر احمد-250

### باب چہارم: غازی عبدالقیوم شہید 252-354

تعارف-253، غازی عبدالقیوم کے جلوس جنازہ پر فائرنگ-257، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی کرنے والے کا عبرت ناک انجام-258، رسول کریم کی شان میں گستاخی کرنے والے ہندو کے چاقو گھونپ دیا گیا-258، نھورام کا قتل اور کراچی کے ہندو-259، نھورام کے قتل کا مقدمہ-261، غازی عبدالقیوم کا مجاہدانہ بیان-262، شمع رسالت کے پروانے غازی عبدالقیوم کو پھانسی کی سزائے دی گئی-265، غازی عبدالقیوم سے ان کی والدہ کی ملاقات-266، جنگ بہادر کو دو سال قید اور عبدالقیوم کو پھانسی-268، عبدالقیوم ڈیفنس کمیٹی کا وفد لاہور میں-270، غازی عبدالقیوم کے لیے وائسرائے کے پاس وفد-270، نھورام کی تاریخ اسلام ضبط-270، غازی عبدالقیوم کے اپیل کی سماعت ۲۶ نومبر کو ہوگی-271، حاجی محمد یونس غازی عبدالقیوم کے مقدمہ کی پیروی کے لیے آرہے ہیں-271، وائسرائے کا ملاقات کرنے سے انکار-272، غازی عبدالقیوم کی سزائے موت کا مسئلہ-273، غازی کی اہلیہ کا تار شہزادی میرینہ کے نام-274، حضرت سجادہ نشین سیال شریف کا مکتوب-275، غازی عبدالقیوم ڈیفنس کمیٹی کا کام-276، غازی عبدالقیوم کے وکیل کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے-278، غازی

عبدالقیوم اور محمد صدیق-279، غازی عبدالقیوم کو آج پھانسی نہیں دی گئی-279، جیل کے نزدیک بے پناہ ہجوم-، غازی عبدالقیوم کے متعلق کچھ نہ لکھا جائے۔ مجسٹریٹ کراچی کا حکم-280، غازی عبدالقیوم کو سرحدی جیل میں منتقل کر دیا جائے گا-280، پھانسی کی تاریخ میں التوا کا سبب-280، کراچی میں اسلامی اخباروں کی شامت-281، حضرت غازی عبدالقیوم-282، غازی عبدالقیوم نے جام شہادت نوش کر لیا-283، مسلمانوں کے ایک لاکھ کے ہجوم پر پولیس کا حملہ-283، غازی کی نعش قبر سے نکالی گئی-283، عینی شاہد کا بیان-284، کراچی کے حادثہ خونیں کی فوری اور بے لاگ تحقیقات کی جائے-285، کراچی میں گولی چلانے پر حکومت کی مذمت- اسمبلی میں تحریک التوا منظور ہو گئی-286، سیٹھ عبداللہ ہارون کی طرف سے ایک ہزار روپیہ-289، کراچی کا خونچکاں حادثہ محزنہ، حادثہ کراچی کے متعلق کونسل آف سٹیٹ میں سوالات-291، پولیٹیکل انارکزم اور مذہبی انارکزم-293، دارالعلوم میں حادثہ کراچی کے متعلق سوالات-298، حادثہ کراچی پر گورہ فوج کے افسر کا اظہارِ افسوس-35 شہداء کا خون بہا ایک سو روپیہ-299، ریلیف کمیٹی کا قیام اور فوج کا اظہارِ ندامت-299، زعمائے کراچی کا پیغام-300، غازی عبدالقیوم کا وقت آخر-301، فوج نے انتباہ کے بغیر مسلمانوں پر گولی چلائی-302، وفد کا تقرر-302، متعلقہ مقامی افسروں سے ملاقات-303، طاقت کے استعمال کی دھمکی-304، پھانسی کی تاریخ کا التوا-305، ۴ مارچ کا ہجوم-305، پولیس کا لالچی چارج-306، غازی سے ملاقات کی اجازت منسوخ-307، غازی کے درثاء کی درخواست-308، سٹی مجسٹریٹ کا جواب-309، پھانسی دے دی گئی-309، میت کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا-310، فوج نے گولی چلا دی-311، توجہ طلب مسائل-311، کراچی کے حادثہ خونین کے متعلق پہلا چشم دید بیان-313، مجروحین کراچی کی امداد کی جائے-315، مصیبت زدگان کراچی کی امداد-316، مسلمانانِ کانپور کا خاص جلسہ-316، حکام کو سزا اور شہداء کے درثاء کو خون بہا دیا جائے-317، مسلمانانِ کلکتہ کا مطالبہ-318، کراچی کے مسلمانوں کی بے گناہی ثابت ہو گئی-319، مسلمانانِ لاہور کے اجتماعِ عظیم کی قراردادیں-322، مسلمانانِ سکھر کا عظیم الشان جلسہ-323، آزاد تحقیقات کا مطالبہ- مسلمان ممبروں سے درخواست-324، پس ماندگان سے ہمدردی-324، شہداء کے لیے دعائے مغفرت-324، کراچی کے حادثہ خونیں کے تازہ حالات-325، حکام کی بے تدبیری، بدعہدی اور نالائقی-324، اسلامی پولیس کی بے چارگی-325، کتمان حق-326، پھانسی کا التوا-326، وعدہ خلافی-326، پھانسی اور مابعد کے واقعات-326، قبرستان میں اجتماع-328، غلطی کا احساس-329، مسلمان بالکل پُر امن تھے-329، کراچی کے حکام کی ہولناک مجرمیت-330، طول و عرض ہند میں حادثہ کراچی پر غم و غصہ کی لہر-333، لاء کالج کے

مسلم طلبا کا برقیہ-333، انجمن اسلامیہ امرتسر کا احتجاج-333، جماعت احمدیہ لاہور کی قرارداد-334، انجمن اسلامیہ منڈی بہاء الدین-335، جمعیت اسلام لاہور کا احتجاجی جلسہ-335، واقعہ ہائلہ کراچی کے کشتگان کی تعداد-335، کراچی کا واقعہ ہائلہ-مسلم ارکان اسمبلی کا فیصلہ-336، مسلمانوں نے غازی عبدالقیوم کی قبر کو نہیں کھودا تھا-ایک غلط خبر کی تردید-336، ملتان میں حادثہ کراچی پر احتجاج-337، عبدالقیوم مرحوم-338، گاندھی جی اور انارکزم-338، ہندوؤں کے ایک سیدھے سوال کا جواب-338، کراچی کے حادثہ پر خون کے آنسو-بنارس اور لائل پور میں جلسے-342، کراچی کے حادثہ خونین کی غیر سرکاری تحقیقات-اسمبلی کے مسلم ارکان کا فیصلہ-343، کراچی کے واقعہ خونین کی غیر سرکاری تحقیقات-مسلم ارکان اسمبلی کا درست فیصلہ (اداریہ)-344، کراچی کے خونین حادثہ پر اسلامی ہند میں عالم گیر اضطراب-347، حصار میں جلسہ-347، لاہور میں احتجاجی جلسہ-348، رہنک میں احتجاجی جلسہ-348، مسلمانان کو ہاٹ کا احتجاج-349، غازی پور میں جلسہ-349، حادثہ کراچی پر ہندو سبھا کا اظہار مسرت-349، غازی عبدالقیوم کی پھانسی کا خون آشام دن-350، گوجرخان-353، مظلومین کراچی کی امداد-354

### باب پنجم: غازی محمد صدیق شہید 355-382

پالاشاہ قصوری کا قتل-356، میاں محمد صدیق کے مقدمہ کی مزید تحقیقات-356، غازی محمد صدیق قصوری کے مقدمہ کی سماعت-356، غازی محمد صدیق قصوری کا مقدمہ سیشن سپرد کر دیا گیا-357، غازی مدوح نے حکم سنتے ہی نعرہ تکبیر بلند کیا-357، قصہ عاشق رسول عرف غازی محمد صدیق-گورنمنٹ نے ضبط کر لیا-360، غازی محمد صدیق کا مقدمہ-360، غازی محمد صدیق کو سزائے موت کا حکم سنا دیا گیا-361، شمع نبوت کے شیدائی کا ہنگامہ خیز بیان-361، مقدمہ کا حالات-361، پولیس کی شہادتیں-362، مجسٹریٹ قصور کی شہادت-363، آزریری مجسٹریٹ کی شہادت-363، عباد علی کاشیبل کی شہادت-364، لنچ کے بعد کی کارروائی-364، گواہ پر جرح-363، غازی محمد صدیق قصوری کو سزائے موت-364، عبدالقیوم و محمد صدیق-کسی کے دربار میں جاتے ہیں-366، غازی محمد صدیق کی اپیل-367، غازی محمد صدیق کی درخواست رحم مسترد کر دی گئی-368، ہدیہ عقیدت-369، پروانہ رسالت کو جام شہادت پلا دیا گیا-370، حالات زندگی غازی محمد صدیق شہید قصوری-373، باعث شہادت-374، جیل کی ملاقاتوں کے مختصر حالات-377، جیل کی ملاقاتوں کا دستور العمل-378، فیروز پور جیل میں آخری ملاقاتیں-380، مختصر واقعہ یوم شہادت-380

### باب ششم: متفرق واقعات 383-406

غازی عبدالمنان: عبدالمنان کو سات سال قید سخت کی سزا-384، مولوی عبدالمنان کو سات سال  
قید-385

غازی غلام محمد بٹ: مختصر تعارف-386، جہلم میں شاتم رسول کا قتل-387، غلام محمد کو سزائے موت  
کا حکم- شاتم رسول کو قتل کرنے کا الزام-387

غازی مولوی عبداللہ قصوری: ضلع شیخوپورہ میں چیخل سنگھ سابق نورا کا قتل- وہ مرتد ہونے کے بعد  
توہین رسول کرتا تھا-388، عبداللہ کو سنٹرل جیل لاہور میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا-390

غازی مرید حسین شہید: تعارف-391، شفاخانہ حیوانات پلول کے ڈاکٹر کی حیوانیت-399،  
جماعت احمدیہ لدھیانہ کی ضروری قراردادیں-400، پلول کے احمق وٹرنری افسر-401، پلول

کے وٹرنری ہسپتال کا واقعہ-402، پلول کے شفاخانہ حیوانات کے سپرنٹنڈنٹ پر حملہ کی  
کوشش-402، چکوال ضلع جہلم کے ایک مسلم لڑکے کو چار ماہ قید بامشقت-403، گدھے کو

”احمق“ سے ”بہادر“ بنا دیا گیا-404، زمیندار کا پریس ضبط کر لیا گیا-405، ہائی کورٹ میں اپیل  
دائر کی جائے گی-405، بعد کی اطلاع-405، زمیندار کی ضمانت کی واپسی- ایک غلط فہمی کا

ازالہ-406

ضمیمہ: غازیان ناموس رسالت کے متعلق لٹریچر کا تعارف 407-432



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ.....

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے کیا خوب کہا:

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں  
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب  
(حدائق بخشش)

اس ایک شعر میں امام احمد رضا فاضل بریلوی نے سرکارِ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نعت کے متعدد پہلو جمع کر دیے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن دیکھ کر مصر کی عورتوں کی انگلیاں کٹ گئیں۔ اے اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے نام پر عرب کے مرد اپنے سر کٹوا دیتے ہیں۔

چند نکات پیش خدمت ہیں:

- ۱۔ مصر کی عورتوں نے حسن یوسف دیکھا تو اس میں یوں محو ہو گئیں کہ ان کو خبر ہی نہ رہی اور اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ جب کہ مردانِ عرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن پر نہیں بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر اپنے سر کٹواتے ہیں۔
- ۲۔ کٹ جانا اور کٹوانے میں بہت فرق ہے۔ یعنی مصر کی عورتوں نے انگلیاں ارادی طور پر نہیں کاٹی تھیں بل کہ حسن یوسف کے نظارہ میں ایسی محو ہوئیں کہ ان کو ہوش نہ رہا اور اپنی انگلیاں کاٹ بیٹھیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق آپ کے نام کے تقدس اور ناموس کی خاطر سردھڑکی بازی لگا دیتے ہیں اور ایسا باقائمی ہوش و حواس کرتے ہیں۔



ہر دور میں مسلمانوں کا یہی دستور اور نصب العمل رہا ہے کہ وہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناموس کی حفاظت کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو ناموس رسالت کا معاملہ بہت ہی حساس ہے اور اس معاملہ میں کسی قسم کی غفلت یا سستی ناقابل برداشت ہے۔ اس معاملہ میں کسی قسم کا سمجھوتا بھی ایمان کو زائل کر دیتا ہے۔ مختصراً یوں کہیے کہ یہ مسئلہ اہل اسلام کا روحانی ریڈ زون (Red zone) اور نو گوا ایریا (No go area) ہے۔ بارگاہ رسالت کے آداب خود رب تعالیٰ نے تعلیم فرمائے اور اس باب میں قرآن کریم کی متعدد آیات نازل ہوئیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالِكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ. (الحجرات: ۲/۴۹)

”اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔“  
مزید ارشاد فرمایا:

ان الذين ينادونك من وراء الحجرات اكثرهم لا يعقلون.  
”بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔“ (الحجرات: ۴/۴۹)

بارگاہ رسالت کے لیے ایسے لفظ کا استعمال بھی منع فرما دیا جس میں گستاخی کا شائبہ بھی گزرتا ہو چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ. (البقرة: ۱۰۴/۲)

”اے ایمان والو! ”راعنا“ نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ کے ادب کو ہمہ وقت پیش نظر رکھا اور ہر عبادت سے مقدم جانا۔ اور اس بارگاہ کے گستاخ و بے ادب سے سختی کا معاملہ رکھا۔ اس ضمن میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ قابل غور ہے کہ جب بہ ظاہر مسلمان کہلوانے والے ایک شخص نے یہودی کے ساتھ کسی معاملہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از ملاحظہ واقعات و حقائق معاملہ کا فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا تو اس بہ ظاہر مسلمان حقیقی منافق نے اسی معاملہ کا فیصلہ از سر نو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کروانا چاہا تو جناب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس منافق کا سر قلم کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ سے راضی نہ ہو اس کا میرے پاس یہ فیصلہ ہے۔  
رب تعالیٰ نے آپ کی تائید میں قرآن کریم کی آیات نازل فرمائیں:

الم تر الى الذين يزعمون انهم امنوا بما انزل اليك و ما انزل  
من قبلك يريدون ان يتحاكموا الى الطاغوت و قد امروا ان يكفروا  
به و يريد الشيطان ان يضلهم ضلالا بعيدا. (النساء: ۶۰/۴)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری  
طرف اُترا اور اس پر جو تم سے پہلے اُترا پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا بیچ بنائیں اور  
ان کا تو حکم یہ تھا کہ اسے اصلاً نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انہیں دُور بہکاوے۔  
مزید ارشاد ہوا:

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا  
يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت و يسلموا تسليما.

تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے  
آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں  
اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔ (النساء: ۶۵/۴)



رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سر اپا رحمت عالمین ہیں لیکن گستاخ رسول وہ شخص ہے جو خود اپنے قول و فعل سے اپنی ذات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے محروم کر لیتا ہے اور اس کی سزائے قتل پر امت کا اجماع ہے۔ حتیٰ کہ ایسا شخص اگر کعبہ مشرفہ کے پردوں میں بھی پناہ ڈھونڈے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔ کسی نے حضور سے عرض کی کہ حضور! (آپ کی شان میں توہین کرنے والا) ابن حنظل کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: اقتلوہ، اسے قتل کر دو۔ (صحیح بخاری، جلد ۳، صفحہ ۱۷۱، رقم الحدیث: ۱۸۴۶)

عبداللہ بن حنظل مرتد تھا۔ ارتداد کے بعد اس نے کچھ ناحق قتل کیے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہہ کر حضور کی شان میں توہین و تنقیص کیا کرتا تھا۔ اس نے دوگانے والی لونڈیاں اس لیے رکھی ہوئی تھیں کہ وہ حضور کی ہجو میں اشعار گایا کریں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا تو اسے غلاف کعبہ سے باہر نکال کر باندھا گیا اور مسجد حرام میں مقام ابراہیم اور زم زم کے درمیان اس کی گردن ماری گئی۔



متحدہ ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط کے بعد جہاں مسلمانوں کے جان و مال کو خطرات درپیش ہوئے وہیں دین و ایمان، اعتقاد و نظریات پر بھی بار بار حملوں کا سلسلہ شروع ہوا، اس کے نتیجے میں مختلف فرقوں و گروہوں نے جنم لیا جنہوں نے جمہور اہل اسلام سے منفرد نظریات و عقائد کی تبلیغ شروع کی اور یوں اسلامیان ہند کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا۔ کوئی منکر حدیث ہو تو کسی گروہ نے فقہ و تصوف کا انکار کر دیا۔ کسی نے بدعت و شرک کی رٹ لگائی تو کسی نے نیچریت کا راگ الاپا اور گم راہی و بے دینی کا یہ سلسلہ یہاں تک دراز ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بتدریج نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اپنے آپ کو امت مسلمہ سے الگ کر لیا۔ جب غیر مسلموں نے مسلمانی کا دعویٰ کرنے والوں کے مابین یہ چپقلش دیکھی تو انہوں

نے بھی اسلام و بانی اسلام پر اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا جو کہ بڑھتے بڑھتے سنگھٹن اور تحریک شدہ کی شکل اختیار کر گیا۔ اس تحریک کے وجود پانے کے بعد مسلمانوں پر ہندوستان میں عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا اور طرح طرح سے مسلمانوں کو جسمانی و روحانی اذیت دی گئی۔ تقسیم ہند سے قبل کے اخبارات کا مطالعہ کرنے سے بہ کثرت ایسے واقعات سے آگاہی ہوتی ہے مثلاً مسلمانوں کی مساجد و مزارات پر قبضہ، مساجد میں اذان کی پابندی، دوران اذان و نماز مساجد کے سامنے ہندوؤں کا جمع ہو کر شور و غوغا کرنا، باجا بجانا، دوران نماز مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کو شہید کرنا یا زخمی کرنا، مسلمانوں کی محافل و مجالس و جلوس پر خنزیر چھوڑنا، غریب و کمزور مسلمانوں کو جبری طور پر ہندوؤں کے کفریہ عقائد منوانا یا زبان سے کہلوانا، مسلم عورتوں کی بے حرمتی کرنا، عید بقریا دیگر ایام میں گائے ذبح کرنے والے مسلمانوں کا قتل عام کرنا، نو مسلموں کو دوبارہ جبری طور پر ہندو مذہب میں داخل کرنا وغیرہ وغیرہ۔

ہندو عوام کو انتہا پسندی پر ابھارنے اور جذبات کو برا بیچتے کرنے کے لیے ہندو لیڈروں، ہندو اخباروں اور مصنفوں نے خوب حصہ لیا۔

دوسری طرف انگریز حکومت ان ہندوؤں کی پشت پناہی کرتی رہی اور مسلمانوں کو دبانے اور ہندوؤں کے زیر دست کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا رہی۔ ان حالات میں ہندو انتہا پسندوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی پر مشتمل تحریریں شائع کیں، زبانی بدکلامی بھی کی جس کے نتیجے میں غازیان ناموس رسالت کے غیور و روشن کردار سامنے آئے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ گستاخی کے واقعات کا سلسلہ راج پال کی ملعون کتاب کی اشاعت ۱۹۲۳ء سے شروع ہوا، جب کہ غازی علم الدین شہید نے اس کو ۱۹۲۹ء میں جہنم واصل کیا۔ جب کہ اس سے قبل شدہ تحریک کے بانی کو قاضی عبدالرشید شہید نے ۱۹۲۶ء میں جہنم رسید کیا تھا۔ یوں غازیان ناموس رسالت میں پہلا کردار قاضی عبدالرشید شہید کا ہے اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا اور تقسیم ہند ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔



ناموس رسالت کے محافظوں و جاں نثاروں کو ”غازی“ اور ”شہید“ کے لقب سے یاد جاتا ہے۔ ”غازی“ کا لقب سب سے قبل غازی علم الدین شہید کے لیے غالباً روزنامہ انقلاب، لاہور (مدیران: غلام رسول مہر/عبدالمجید سالک) نے استعمال کیا۔ روزنامہ انقلاب کی فائلوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ اس لقب پر مختلف اخباروں بالخصوص ہندو اخباروں میں بحث مباحثہ بھی ہوتا رہا۔ لیکن وقت کی قلت کے سبب ہم نے اس جانب خاص توجہ نہیں کی۔

تاہم بعد میں یہ جان کر نہایت افسوس بھی ہوا کہ مفت روزہ اخبار اہل حدیث (امر تسر) کے مدیر مولوی ثناء اللہ امرتسری بھی غازی علم الدین شہید کے لیے لفظ ”غازی“ اور ”شہید“ کے استعمال پر معترض رہے۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے راج پال کی کتاب کے جواب میں ”مقدس رسول“ کے نام سے کتاب بھی لکھی اور ہندوستان بھر کے علماء سے داد و تحسین وصول کی لیکن دوسری طرف غازی علم الدین شہید کے فعل سے ان کا بیزاری ظاہر کرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ انہوں نے اس بارے ۱۳ دسمبر ۱۹۲۹ء کو ”علم الدین۔ غازی اور شہید؟“ کے عنوان سے ایک طویل ادارہ اپنے اخبار اہل حدیث میں شائع کیا۔ جب کہ چند سالوں بعد غازی محمد صدیق شہید قصوری کے مقدمہ میں مولوی ثناء اللہ امرتسری کا نام گواہانِ صفائی میں پیش کیا گیا۔ (دیکھیے کتاب ہذا کا صفحہ ۳۵۸)

مولوی صاحب کے اس طرز عمل پر خود ان کے ہم مسلک اخبار خادم کعبہ نے درج ذیل تبصرہ کیا جسے ہم مفت روزہ اخبار الفقہیہ سے نقل کر رہے ہیں:

”جب کسی دشمن وطن آریہ نے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں دریدہ دہنی کی اور راج پال نے اسے چھپوا کر شائع کیا تو مسلمانان ہندوستان کے درمیان غم و غصہ کی زبردست لہر پھیل گئی۔ جا بجا جلسے ہوئے اور احتجاج کے مظاہرے کیے گئے۔ اس نازک موقع پر مولوی ثناء اللہ نے یہ کہہ کر معاملہ ختم کر دینا چاہا کہ اس کتاب کا جواب میں نے ”مقدس رسول“ میں لکھ دیا ہے مسلمان دس آنے میں اس کی کاپیاں خرید لیں۔ بس یہی کافی ہے۔ شمع ناموس رسالت کے پروانے غازی علم

الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کعب بن اشرف والے واقعہ کی یاد تازہ دلا دی تو مولوی ثناء اللہ اپنے اخبار میں جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے سے باز نہ رہ سکے۔ انہوں نے نہ صرف حضرت شہید کے خلاف دل سوز نکتہ چینی کی بل کہ مسلمانوں کو بھی سخت ست کہا۔ مولوی صاحب کا مقصد یقیناً یہی ہوگا کہ ہندو اور آریہ ناراض نہ ہو جائیں اور جنگ زرگری کی اہم غرض کے پیش نظر جو مناظرے آئے دن ہوتے رہتے ہیں ان کا سلسلہ منقطع نہ ہو جائے۔ (خادم کعبہ، ۲۶ اگست ۱۹۳۸ء) (الفقیہ ۱۴ دسمبر ۱۹۳۸ء)



- اس کتاب کی ترتیب میں درج ذیل امور کو پیش نظر رکھا گیا ہے:
- ۱۔ صرف انہی غازیان ناموس رسالت کے واقعات کو لیا گیا ہے جو معاصر اخبارات و رسائل میں رپورٹ ہوئے۔ جو اخبارات و رسائل ہمیں دستیاب ہو سکے ان کے نام یوں ہیں:
  - ۱۔ روزنامہ انقلاب (لاہور)، مدیران: غلام رسول مہر/عبدالحمید سالک
  - ۲۔ ہفت روزہ نیر اسلام (لاہور)، مدیر: غلام نبی انصاری
  - ۳۔ ہفت روزہ الفقیہ (امرتسر)، مدیر: حکیم معراج الدین امرتسری
  - ۴۔ ہفت روزہ نور افشاں (لاہور)، مدیر: پادری ایس ایم پال
  - ۵۔ ماہ نامہ السواد الاعظم (مرادآباد)، مدیر: مفتی محمد عمر نعیمی/مفتی سید نعیم الدین مرادآبادی
  - ۶۔ ماہ نامہ انوار الصوفیہ (لاہور/سیالکوٹ)

ان کے علاوہ اہم معاصر اخبارات مثلاً پیسہ، زمیندار، سیاست، وطن وغیرہ تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔

- ۲۔ کتاب۔ مقدمہ کے علاوہ چھ ابواب اور ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے۔ پہلا باب: غازی عبدالرشید شہید، دوسرا باب: غازی علم الدین شہید، تیسرا باب: غازی امیر احمد/غازی عبداللہ شہید، چوتھا باب: غازی عبدالقیوم شہید، پانچواں باب: غازی محمد صدیق شہید اور باب ششم غازی مرید حسین شہید، غازی عبداللہ انصاری اور غازی غلام محمد بٹ شہید کے واقعات پر مشتمل ہے۔

ضمیمہ کتاب میں غازیان ناموس رسالت کے متعلق قدیم و جدید کتب و رسائل کا مختصر

تعارف دیا گیا ہے نیز رسائل و جرائد کے خصوصی شماروں کی تفصیل بھی درج ہے تاکہ اس موضوع پر مزید تحقیق کرنے والوں کو مواد کی نشان دہی میں سہولت رہے۔

۳۔ تمام مضامین، اداروں اور رپورٹس کو باعتبار تاریخ من و عن نقل کیا گیا ہے۔

۴۔ پروف ریڈنگ پر بھرپور توجہ دی گئی ہے پھر بھی غلطی کا امکان باقی ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین کرام اس بارے ہماری رہنمائی فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

۵۔ پیش نظر کتاب میں تقسیم ہند سے قبل کے واقعات کو ہی لیا گیا ہے۔ تقسیم ہند کے غازیان کے متعلق اخباری ریکارڈ کی تلاش میں بھرپور کوشش کی گئی اور اسی کے سبب یہ کتاب تقریباً ڈیڑھ سال تاخیر کا شکار ہوئی لیکن پھر بھی بعض غازیان ناموس رسالت کا تذکرہ معاصر اخبارات سے دستیاب نہ ہو سکا جن میں غازی میاں محمد شہید شامل ہیں۔ یوں ہی غازی غلام محمد بٹ، غازی مرید حسین اور غازی عبداللہ انصاری کے متعلق زیادہ معلومات دست یاب نہ ہو سکیں۔

۶۔ اس کتاب کا مقصد قدیم و نایاب اخباری رپورٹس، اداروں وغیرہ کو من و عن پیش کرنا ہے تاکہ مستقبل کے محققین کو اصل مصادر کی تلاش میں زیادہ سعی نہ کرنی پڑے۔ تاہم غازیان ناموس رسالت کے متعلق شائع ہونے والے کتب و رسائل میں رائے محمد کمال صاحب کی تحریریں لائق استناد اور قابل داد ہیں۔

۷۔ رپورٹس اور خبروں کو نقل کرتے ہوئے اخبار میں شائع شدہ سرخیوں/عنوانات کو باقی رکھا گیا ہے اور انہی عنوانات پر مشتمل ایک تفصیلی فہرست کتاب کے شروع میں مرتب کی گئی ہے۔

اللہ کریم جل مجدہ کے بے پایاں رحم و کرم اور مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نگاہِ فیض سے یہ کتاب ترتیب و تدوین و اشاعت کے پُر پیچ مراحل سے گزرتی ہوئی قارئین کرام کے افادہ کے لیے منصفہ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ رب کریم اس کتاب کو نافع بنائے اور اس کی ترتیب و اشاعت میں معاون احباب کو جزائے خیر سے نوازے بالخصوص یادگارِ اسلاف علامہ قاری سلیمان سیالوی (لاہور)، محقق و ناشر سلسلہ سہرورد سید اویس علی سہروردی (اورینٹل پبلی کیشنز، لاہور)، محقق و مورخ محترم عابد حسین شاہ (چکوال)، محقق سلسلہ سہرورد حسن نواز شاہ (گوجران)، علامہ خلیل

الرحمن قادری (جامعہ اسلامیہ، لاہور) مفتی ذوالفقار خان نعیمی (انڈیا)، پروفیسر خیال آفاقی (کراچی)، مقصود احمد قادری (دارالنعمان، لاہور)، مفتی سہیل احمد سیالوی (دینہ/جہلم)، جناب فرقان صاحب (فیصل آباد)، رائے محمد کمال صاحب (حافظ آباد)، محترم توفیق احمد جونا گڑھی (کراچی)، جناب محمد متین خالد صاحب (لاہور)، ڈاکٹر خورشید احمد قادری (جی سی یونیورسٹی، لاہور) محترم عقیل اکرم بھٹی (پنجاب) پبلک لائبریری، لاہور، محترم محمد امین صاحب (میوزیم لائبریری، لاہور)، محمد عثمان صاحب (میوزیم لائبریری)۔ جنہوں نے کتاب کی ترتیب و تالیف، کتب و مواد کی فراہمی یا نظر ثانی میں تعاون فرمایا اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ جزا ہم اللہ خیرانی الدارین

راقم ان اختتامی کلمات کو لکھتے وقت مرکز غیرت و حمیت غازی ممتاز حسین قادری کے مزار پر انوار پر حاضر ہے۔ غازی موصوف نے تحفظ ناموس رسالت کے قانون ۲۹۵ سی کو کالا قانون کہنے والے اور گستاخ رسول آسیہ مسیح کی حمایت کرنے والے شخص کو موت کے گھاٹ اتارا اور اصلاحات کے نام پر قانون ناموس رسالت کو بدلنے کی مذموم سازش کو ناکام بنا دیا۔ بلاشبہ تاریخ اسلامیان ہند میں یہ واقعہ اپنی نوعیت کے منفرد واقعات میں سے ایک ہے اور اثر پذیری کے اعتبار سے بے مثل و بے نظیر ہے۔

بنا کردند خوش رسے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

(مرزا مظہر جان جاناں)

ان نیک خصلت عاشقوں پر اللہ کی رحمت ہو جنہوں نے خاک و خون میں

تڑپنے کی اچھی رسم شروع کی۔ (ترجمہ از ڈاکٹر معین نظامی)

محمد ثاقب رضا قادری

مرکز الاولیاء لاہور

۲۶ اپریل ۲۰۱۸ء



۱۶۱۵۴۶



## تقریظ

علامہ محمد خلیل الرحمن قادری

بہت سی قیمتی تحریریں اور معلومات افزا تجزیات اخبارات اور جرائد کی زینت بنتے ہیں لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں بالخصوص جب درمیان میں ایک دو نسلوں کی خلیج حائل ہو جائے تو ان تحریروں تک رسائی بھی کسی معجزے سے کم نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں ضروری ہو جاتا ہے کہ ان قیمتی تحریروں اور بصیرت افروز تجزیات اور حقائق کشا معلومات تک رسائی حاصل کر کے انہیں کتاب کی صورت میں محفوظ کر دیا جائے تاکہ آنے والی کئی نسلیں اپنے اسلاف کے علمی کاموں سے کما حقہ آگاہ ہو سکیں۔

ہمارے جواں سال فاضل و محقق محمد ثاقب رضا قادری نے اس سمت بھرپور توجہ مرکوز کی اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کے رد کے تناظر میں تین جلدوں پر مشتمل ایک مبسوط کتاب ”رود قادیانیت اور سنی صحافت“ کے عنوان سے تالیف کی اور اس کے ذریعے اہل سنت کے جید اور ممتاز علمائے کرام کے علمی شاہ پاروں کو یک جا کر دیا۔ اسی طرح انہوں نے ”تحریک ختم نبوت 1974ء“ کے عنوان سے ایک الگ کتاب تالیف کی جس میں قومی اخبارات و رسائل کے ادارے اور شذرات کو کتابی شکل میں محفوظ کر دیا جن کا مطالعہ کر کے تحریک ختم نبوت 1974ء کی تاریخ پوری آب و تاب سے قارئین کے سامنے آ جاتی ہے۔ تحریک ختم نبوت کے حوالے سے روزنامہ نوائے وقت کا کردار بلاشبہ سب سے نمایاں اور ممتاز تھا چنانچہ انہوں نے ایک الگ کتاب ”تحریک ختم نبوت اور روزنامہ نوائے وقت“ کے حوالے سے مدون کر دی۔ موصوف ابھی بھی تحریک ختم نبوت کے حوالے سے نئی نسل سے اوجھل کئی پوشیدہ گوشوں کو منظر عام پر لانے کے لئے کوشاں ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت انہیں ذارین کی سعادتیں عطا فرمائے۔ آمین

انہوں نے اپنی زیر نظر تالیف ”غازیان ناموس رسالت“ (قدیم اخبارات و رسائل کے شماروں

سے) "میں متحدہ ہندوستان میں ہونے والے گستاخی کے واقعات کو پوری ذمہ داری کے ساتھ جمع کیا ہے۔ کتاب میں چھ ابواب میں بالترتیب غازی عبدالرشید شہید، غازی علم الدین شہید، غازی عبدالقیوم شہید، غازی محمد صدیق شہید اور غازی عبدالمنان، غازی غلام محمد بٹ شہید، غازی عبداللہ قصوری، غازی مرید حسین شہید علیہم الرحمۃ کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

تقسیم ہندوستان سے قبل اور موجودہ حالات میں کئی اعتبارات سے نمایاں فرق نظر آتا ہے:

اولاً: آج دنیا ٹیکنالوجی کی بدولت گلوبل ویج (Global Village) کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ کسی ملک و قوم کی تہذیب و تمدن اور مذہبی روایات و میلانات کو سمجھنا بے حد آسان ہو گیا ہے۔ دنیا میں غالب تہذیبیں کمزور اقوام کو نہ صرف سیاسی و عسکری سطح پر دبانے میں کامیاب نظر آتی ہیں بلکہ وہ انہیں ترغیبات اور تعیشات کی حرص و ہوس میں مبتلا کر کے انہیں اپنی تمدنی اقدار و روایات کا بھی اسیر بنا رہی ہیں۔ ان اقدار و روایات میں ایک ان کا تراشیدہ فلسفہ اظہارِ رائے کی آزادی کا ہے جس کے تحت وہ ہر کسی کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ مقدس ترین ہستیوں کے بارے میں جو اس کے جی میں آئے کہہ سکتا ہے اور اس سے تعرض نہیں کیا جاسکتا۔ ایک وقت تھا خود ان کے ہاں بھی انبیائے علیہم السلام کی توہین پر موت کی سزا دی جاتی تھی لیکن رفتہ رفتہ اظہارِ رائے کی آزادی کا تصور راسخ ہوتا چلا گیا اور مقدس ترین ہستیوں کی اہانت اور گستاخی کو برداشت کیا جانے لگا۔ اظہارِ رائے کی اس بے قید آزادی کے جراثیم ہمارے ہاں بھی کسی نہ کسی درجے میں سرایت کر رہے ہیں۔

ثانیاً: میڈیا بالخصوص سوشل میڈیا کو اہانت رسول کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے، ڈنمارک کے رسوائے زمانہ اخبار میں شائع ہونے والے گستاخانہ خاکوں سے بات بڑھتی بڑھتی فیس بک اور سوشل میڈیا تک آن پہنچی ہے۔ عالم مغرب بدستور اس بات پر قائم ہے کہ اظہارِ رائے کی آزادی پر کوئی قدغن قبول نہیں کی جاسکتی بلکہ اس حوالے سے مغربی ممالک میں مکمل ہم آہنگی اور یک جہتی پائی جاتی ہے۔ ادھر عالم اسلام کے پچپن (۵۵) ممالک اقتصادی اور عسکری اعتبار سے بڑی طرح مغلوب ہیں، امریکہ اور اس کے اتحادی جب چاہتے ہیں وہ کسی کمزور اسلامی ملک پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ عراق، افغانستان اور سوڈان کے حالات ہمارے سامنے ہیں۔ شام، یمن

اور یسایا کی صورت حال بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ اندریں حالات تو ہیں رسالت کی ان دل خراش وارداتوں کی روک تھام بظاہر بے حد مشکل کام ہے لیکن یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ ملت اسلامیہ میں ایسے غیور مسلمان ہر دور میں موجود رہے ہیں جنہوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر ناموس رسالت کا تحفظ کیا ہے اور امام الانبیاء علیہ السلام پر دریدہ دہنی کرنے والوں کو سخت حفاظتی حصار توڑ کر جہنم واصل کیا ہے۔

ثالثاً: یہ بات بہت اہمیت کی حامل ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے تو ہیں مذہب کا ایک غیر موثر سا قانون موجود تھا جس کے تحت تو ہیں مذہب کی سزا دو سال تک قید یا جرمانہ مقرر کی گئی تھی۔ یہ قانون (a) 295 کی صورت میں 1927 میں قانون ساز اسمبلی نے منظور کیا تھا جبکہ برطانوی استعمار کے دور میں اس سے قبل اس کی کوئی سزا مقرر نہ تھی۔ (a) 295 کے تحت دی جانے والی سزا بھی بالکل خفیف تھی اور شریعت اسلامیہ کی مقرر کردہ سزا سے بالکل مختلف اور کم تر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس قانونی انتظام پر اہل اسلام مطمئن نہیں تھے۔ چنانچہ جب بھی تو ہیں رسالت کا ارتکاب کیا گیا تو غازیان ملت نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے ایسے بد بختوں کو جہنم واصل کرنے میں معمولی تاخیر بھی نہ کی۔

زیر نظر کتاب میں انہی غازیان ملت کے تذکرے کیے گئے ہیں۔ پاکستان کے قیام کے بعد بھی اس قانون میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ اس کا ایک سبب یہ تھا کہ اسلامی مملکت وجود میں آنے کے بعد کسی بھی مسلمان سے یہ توقع ہی نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ تو ہیں رسالت کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

1983ء میں ایم راج نامی ایک کمیونٹس نے رسوائے زمانہ کتاب Heavenly communism لکھی جسے ایک سازش کے ذریعے پورے ملک میں مفت تقسیم کیا گیا۔ اس کے دل خراش مندرجات نے پورے ملک میں اضطراب پیدا کر دیا۔ اگرچہ اس کے مؤلف کے خلاف (a) 295 کے تحت مقدمہ قائم ہوا لیکن اس کی سزا بہت ہی خفیف تھی۔ یہ وہ موڑ تھا جب پہلی بار تو ہیں رسالت کو ایک مستقل جرم قرار دلوانے اور اس کی شرعی سزا مقرر کروانے کی طرف کوششیں شروع ہوئیں۔ بالآخر وفاقی شرعی عدالت نے (c) 295 کے تحت موت کی سزا مقرر کرنے کا فیصلہ سنایا اور حکومت کو مہلت دی کہ وہ 30 اپریل 1991ء تک تو ہیں رسالت کی سزا

موت مقرر کرنے کے حوالے سے قانون سازی کرے۔

أصولاً تو اس قدر کڑی سزا مقرر ہونے کے بعد تو ہین رسالت کے جرم کی وارداتوں میں کمی واقع ہونی چاہئے تھی لیکن 1991ء سے تا حال ایک ہزار سے زائد مقدمات 295 (c) کے تحت قائم ہوئے ہیں۔ تقسیم ہند سے قبل پانچ بڑی وارداتوں کا ذکر ملتا ہے جہاں غازیان اسلام نے قانون نہ ہونے یا غیر موثر قانون ہونے کی وجہ سے شاتمین رسول کو از خود اقدام کرتے ہوئے جہنم واصل کیا اور خود تختہ دار کو چوم کر گلے سے لگا لیا۔ دوسری طرف موثر قانون بننے کے بعد ان وارداتوں میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے اگر اس کے اسباب تلاش کیے جائیں تو کچھ کا ذکر ہم نے سطور بالا میں کر دیا ہے یعنی سوشل میڈیا پر کی جانے والی وارداتوں میں اضافے وغیرہ اور بعض دیگر اسباب یہ ہیں کہ ہماری عدالتوں نے آج تک تو ہین رسالت کے کسی مجرم کو سزا نہیں دی۔ آسیہ مسیح کی تازہ ترین مثال ہمارے سامنے ہے اس نے پنچایت اور ایس پی کے روبرو اپنے جرم کا اعتراف کیا۔ ٹرائل کورٹ سے سزا پائی پھر ہائی کورٹ نے اس کی سزا کی توثیق کر دی اب معاملہ سپریم کورٹ میں زیر التواء ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ غازی ملک محمد ممتاز قادری رحمہ اللہ نے سلمان تاثیر کو ٹرائل کورٹ کی طرف سے آسیہ مسیح کو سزا ملنے کے بعد جہنم واصل کیا تھا اور ان پر پھانسی کی سزا نافذ ہوئے دو سال سے زائد عرصہ بیت چکا ہے جبکہ سپریم کورٹ آف پاکستان میں آسیہ ملعونہ کی اپیل کی سماعت میں غیر معمولی تاخیر واقع ہو رہی ہے۔ مغربی ممالک کی طرف سے حکومت پر شدید دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ اسے رہا کیا جائے۔ ایسا پہلی بار نہیں ہو رہا۔ اس سے قبل رحمت مسیح، سلامت مسیح کا معاملہ ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح انہیں ہائی کورٹ سے بری کروا کر راتوں رات بیرون ملک بھیج دیا گیا تھا۔ پھر آئے روز اس قانون کو تبدیل کرنے کی باتیں کی جاتی ہیں حالانکہ اس کے تحت کسی ایک مجرم کو سزا نہیں دی گئی۔ تعزیرات پاکستان میں شاید ہی کوئی اور قانون ہو جس کے تحت ۳۲ سالوں میں کسی ایک بھی مجرم کو سزا نہ ملی ہو۔

ان حالات میں یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ تو ہین رسالت کے مرتکب کے لئے (c) 295 کی صورت میں جو قانون 1991ء میں بنایا گیا تھا اس کا اطلاق و نفاذ انتہائی غیر موثر ہے اور تقسیم ہند سے پہلے کے قانون جس میں خفیف سزائیں اور 1991ء کے بعد کے قانون جس میں مجرم

کے لئے موت کی سزا مقرر ہے عملاً کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔

شاید یہی وجہ ہے کہ (c) 295 کے مروجہ قانون کے باوجود 1991ء سے لے کر اب تک حکمران یا عدالت سے سبقت لے کر شامین رسالت کو از خود اقدام کرتے ہوئے جہنم واصل کرنے کے واقعات کی روک تھام نہیں ہو سکی۔ یہ تبھی ممکن ہے کہ جب قانون کے نفاذ میں کسی داخلی و خارجی دباؤ کو برداشت نہ کرتے ہوئے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ اس سے نہ صرف توہین رسالت کی وارداتوں میں کمی آئے گی بلکہ عوام کا قانون پر اعتماد بڑھے گا، وہ شاتم کو قانون کے ذریعے نمٹنے کو ہی ترجیح دیں گے اور از خود اقدام کرتے ہوئے شامین کے قتل کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔

قانون کے اعتبار سے ان دونوں اَدوار (یعنی تقسیم ہند سے قبل اور مابعد) میں ایک فرق یہ بھی نظر آتا ہے کہ تقسیم ہند سے قبل ملک میں اسلامی قانون رائج نہ تھا اسی لئے شامین رسول کو قتل کرنے کے اقدام پر غازیان اسلام کو قانون کی طرف سے کوئی ریلیف (Relief) نہیں مل سکتا تھا۔ وہ یہ سوچ کر قدم اٹھاتے تھے کہ انہیں سزائے موت کا سامنا کرنا ہوگا لیکن ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آتی اور وہ بخوشی یہ سزا قبول کر لیتے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ غازیان اسلام کو وقتی اشتعال کی کیفیت میں قتل کرنے کے حوالے سے بھی کوئی رعایت نہ دی گئی جس کی گنجائش انگریزی قانون میں واضح طور پر موجود تھی۔ اس سے بڑھ کر افسوس ناک بات یہ ہے کہ اگرچہ تقسیم ہند کے بعد پاکستان ایک اسلامی ریاست کے طور پر عالمی نقشے پر ابھرا جس کے آئین کی رُو سے کتاب و سنت کو ملک کا سپریم لاء قرار دیا گیا اور کتاب و سنت کے منضبط احکام کے مخالف قانون سازی کی اجازت متقنہ کو نہ دی گئی، اس کے باوجود اس اسلامی ریاست میں از خود اقدام کرتے ہوئے شاتم رسول کو قتل کرنے والوں کو سزائے موت دی گئی۔ غازی ملک محمد ممتاز قادری رحمہ اللہ کا فیصلہ شریعت ہی نہیں آئین پاکستان سے بھی متعارض ہے۔ کتاب و سنت کی درجنوں نصوص اور ائمہ اربعہ کی تصریحات شاہد عادل ہیں کہ توہین رسالت کا مرتکب مباح الدم ہو جاتا ہے اور اسے قاضی (عدالت) یا امام (حکمران) سے سبقت لے کر قتل کرنے والے پر نہ قصاص ہے نہ دیت۔ یہ شریعت اسلامیہ کے مسلمات میں سے ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد فیصلے موجود ہیں جن میں آپ نے شاتم کے

خون کو ہدر قرار دیا اور اسے مارنے والے کو کوئی سزا تو درکنار تنبیہ تک نہ فرمائی بلکہ بعض کی تحسین فرمائی۔ مقتنہ کو اس حوالے سے صریح اور موثر قانون سازی کرنی چاہئے تاکہ ہم شریعت کی مخالفت کے وبال سے بچ سکیں۔

غازیان اسلام کے اقدام کے بارے میں بالعموم سیکولر طبقے کی طرف سے یہ اعتراض سامنے آتا ہے کہ کسی کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ قانون کو ہاتھ میں لے کر کسی دوسرے شخص کو قتل کر ڈالے۔ ہمیں بطور اصول اس سے اختلاف نہیں ہے لیکن کئی ایسی استثنائی صورتیں نہ صرف اسلامی قانون بلکہ مغربی قوانین میں بھی موجود ہیں جن میں کسی کی جان لینا قابل سزا قرار نہیں پاتا مثلاً اپنی جان کے دفاع حتیٰ کہ اپنے اہل و عیال بلکہ مال و اسباب کے دفاع کے لئے بھی اگر کوئی شخص جارح کو قتل کر ڈالے تو اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ اسی طرح توہین رسالت کا معاملہ بھی ہے، ہاں البتہ اس صورت میں عدالت میں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ مقتول نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا تھا اور اسے اسی سبب سے قتل کیا گیا تھا۔

اسی طبقے کے بعض لوگ یہ بھی سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر قانون کو ہاتھ میں لے کر خود ہی قتل کرنا تھا تو (c) 295 کی صورت میں قانون بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب ہم درج بالا سطور میں دے چکے ہیں کہ جب قانون داخلی اور خارجی دباؤ کے باعث کسی مجرم کو سزا دینے سے قاصر ہو جائے تو وہاں پر مجرموں کے ساتھ ماورائے عدالت نمٹنے کا رجحان پایا جانا ایک فطرتی عمل ہے۔

اسی طبقے کے بعض لوگ یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ یہ تو لوگوں کے ہاتھوں میں قتل کرنے کا لائسنس تھمانے کے مترادف ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں اگر ایسا ہوتا تو جن ملزموں کے خلاف ہزار سے زائد مقدمات قائم ہوئے انہیں بھی قتل کر دیا جاتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ توہین رسالت پر ہمارا غالب رویہ یہی ہے کہ ملزم کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے البتہ عدالتیں بے لاگ انصاف فراہم نہیں کرتیں تو لوگوں کا قانون اور عدالتی نظام سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

رابعاً: ان دونوں ادوار میں ایک اور فرق واقع ہو چکا ہے جس کی نشان دہی بے حد ضروری ہے، وہ ہے مسلمان سیاسی لیڈروں کا رویہ۔ تقسیم ہند سے قبل مسلمان سیاسی لیڈرز خواہ وہ معروف معنوں میں مذہبی تھے یا نہیں انہوں نے غازیان اسلام کے اقدام کے حوالے سے پوری قوم

کے ساتھ یک جہتی کا مظاہرہ کیا اور تحفظ ناموس رسالت کے مسئلے کو اسی عقیدت اور جذبے سے دیکھا جس سے پوری قوم نے دیکھا۔ آج بد قسمتی سے ہمارے سیاسی لیڈرز کی شناخت واضح طور پر لبرل، سیکولر اور مذہبی حوالوں سے تقسیم ہو چکی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ لبرل اور سیکولر لیڈرز اپنے اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے غازیانِ اسلام کے اقدام کے حوالے سے اپنی قوم کے ساتھ کھڑا ہونے کی بجائے غازیانِ اسلام کے اقدام پر تنقید کرتے ہیں۔

خامساً: اہل صحافت کے رویوں میں بھی خاصی تبدیلی آ چکی ہے۔ اس کا اندازہ زیر نظر کتاب کے مطالعے سے بخوبی ہو جائے گا کہ تقسیم ہند سے قبل اہل صحافت نے غازیانِ اسلام کے اقدام اور ان سے ملحقہ معمولی جزئیات کو کس طرح قلم و قسطاس کے ذریعے محفوظ کیا بلکہ ان کے مقدمات اور دیگر معاملات کو کس طرح اس دور کے میڈیا نے زندہ رکھا۔

آج ہمارے اہل صحافت کہنے کے تو زیادہ آزاد ہیں لیکن عملاً وہ پابجولاں ہی نظر آتے ہیں۔ کئی دید و نادیدہ طاقتیں ان کو قابو میں رکھے ہوئے ہیں۔ غازی ملک محمد ممتاز قادری علیہ الرحمۃ کے معاملے میں میڈیا نے جس بے حسی کا مظاہرہ کیا وہ بے حد شرم ناک ہے۔ ٹاک شوں میں ایسے لوگوں کو بلوایا گیا جنہوں نے ایک طرفہ موقف بیان کر کے قوم کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔ ان کی رہائی کے مطالبات کے لئے نکالی جانے والی ریلیوں کی کورٹج نہ دی گئی، اسی طرح ان کے حق میں دیئے گئے بیانات بھی میڈیا میں جگہ نہ پاسکے۔

غازی صاحب کے اقدام کے جواز میں لکھی گئی تحریریں بھی شائع نہ ہو سکیں جبکہ مخالفین کے مضامین اور کالم بدستور شائع ہوتے رہے۔ اگر ان کے مجہین نے اخبارات میں معاوضہ کی ادائیگی پر ان کی رہائی کے لئے کوئی اپیل شائع کرنا چاہی تو اس سے بھی روک دیا گیا۔ حد تو یہ ہے کہ ملکی تاریخ کے سب سے بڑے جنازے کو بھی میڈیا نے کورٹج نہ دی جبکہ بعض غیر ملکی خبر رساں اداروں نے بھرپور کورٹج دی۔ اسی طرح روزنامہ اوصاف نے غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے غازی صاحب علیہ الرحمۃ پر کئی ایڈیشنز شائع کیے اور فورمز کا بھی انعقاد کیا۔

چینل 92 پر جسٹس (ر) نذیر احمد غازی نے غازی صاحب علیہ الرحمۃ کی شہادت پر پروگرام کیا۔ اسی طرح برطانیہ میں صاحبزادہ سلطان فیاض الحسن قادری کی سربراہی میں چلنے والے تکبیر ٹی وی چینل نے بھی غازی صاحب علیہ الرحمۃ کے حوالے سے بھرپور پروگرام کیے اور

انہیں برطانوی حکومت کی طرف سے قانونی کارروائی اور بھاری جرمانوں کے نوٹس کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ پاک ان تمام حضرات کی کاوشیں قبول و منظور فرمائے۔ آمین۔ یہ تو بھلا ہوسوشل میڈیا کا جس نے پوری قوم کے جذبات کی صحیح ترجمانی کرنے پر کوئی قدغن نہ لگائی۔

یہ رجحان اگرچہ قابل صد افسوس ہے لیکن غازی صاحب علیہ الرحمۃ کے جنازے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کا عملی ثبوت فراہم کر دیا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، پس تو بھی اس سے محبت کر۔ پھر جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں اور آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے، پس تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر آسمان والے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد زمین والوں کے دلوں میں وہ مقبول کر دیا جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی سے ناراض ہوتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں۔ پس تم بھی اس سے بغض رکھو۔ پھر وہ بھی اس سے بغض رکھتے ہیں۔ پھر آسمان والوں میں منادی کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے بغض رکھتا ہے تم بھی اس سے بغض رکھو وہ بھی اس سے بغض رکھتے ہیں اس کے بعد زمین والوں میں اس کی دشمنی جم جاتی ہے (یعنی زمین میں

بھی اللہ کے جو نیک بندے یا فرشتے ہیں وہ بھی اس کے دشمن رہتے ہیں)۔“ (مسلم شریف)

جب اللہ تعالیٰ کا نظام حرکت میں آجائے تو دُنیوی تدبیریں اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں لیکن اہل صحافت کے لئے یہ لمحہ فکر یہ ضرور ہے کہ ان کی ترجیحات کیا ہیں؟ کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدین کی صفوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ان کا ساتھ دینا چاہتے ہیں جو اپنے مغربی آقاؤں کو راضی کرنے کے لئے کوشاں ہیں؟

سادساً: یہ بات دونوں ادوار میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ اُمت نے ہمیشہ غازیان کے اقدام کو پذیرائی دی۔ ان پر دل و جان نچھاور کیے۔ اگر تقسیم ہند سے پہلے غازی علم الدین شہید



رحمہ اللہ کا مقدمہ لڑنے کے لئے قائد اعظم جیسے ذہین اور نامور وکیل اور مسلمانوں کے عظیم راہنما تیار ہوئے تو غازی ملک محمد ممتاز قادری رحمہ اللہ کا مقدمہ لڑنے کے لئے ہائی کورٹ کے تین ریٹائرڈ ججوں نے اپنی خدمات پیش کیں، جن میں درویش صفت جج جسٹس (ر) میان نذیر اختر سب سے نمایاں طور پر شامل تھے۔ ہائی کورٹ لاہور کے سابقہ چیف جسٹس (ر) خواجہ محمد شریف بھی ان کا مقدمہ لڑنے والوں میں پیش پیش تھے۔ جسٹس (ر) نذیر احمد غازی نے بھی اپنی خدمات پیش کیں۔

اگر غازی علم الدین شہید رحمہ اللہ کے جنازے کے موقع پر ذرائع ابلاغ مفقود ہونے کے باوجود پورا لاہور اٹھ آیا تو غازی ملک محمد ممتاز قادری علیہ الرحمۃ کے جنازے پر ان کے عاشقوں نے ایک نئی تاریخ رقم کر دی۔ بعض اطلاعات کے مطابق 60 لاکھ افراد دنیا کے طول و عرض سے ان کے جنازے میں حاضر ہوئے حتیٰ کہ بی بی سی (BBC) جیسے خبر رساں ادارے کو جنازہ کے مناظر دیکھ کر تسلیم کرنا پڑا کہ توہین رسالت کا مسئلہ پاکستان میں واقعتاً بے حد نازک ہے۔

زیر نظر کتاب میں درج تفصیل یقیناً قارئین کے ایمان کی تازگی کا سبب بنیں گی اور ان پر غور و فکر کے کئی درواہ ہونگے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ثاقب رضا قادری کی یہ کاوش بھی اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور ان کی توفیقات میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔ آمین



## باب اول

### قاضی عبدالرشید شہید رحمۃ اللہ علیہ

رائے محمد کمال لکھتے ہیں: قاضی عبدالرشید بگراسی ضلع بلند شہر کے ایک معزز علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے تایا زاد بھائی مولانا قاضی سید محمد بشیر سے حاصل کی اور درس نظامی کے لیے ایک عربی مدرسہ میں داخلہ لے لیا، اس کے بعد آپ اپنے والدین کے ہم راہ بگراسی سے ترک سکونت کر کے دہلی میں آ بسے اور کتابت کا پیشہ اختیار کیا۔

قاضی عبدالرشید پر مذہب کی گہری چھاپ تھی اور عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کا سرمایہ حیات..... دیوان سنگھ مفتون اپنی کتاب ناقابل فراموش میں لکھتے ہیں:

”افغانستان میں کنگ امان اللہ کے حکم سے چند احمدی سنگسار کر دیے گئے جو وہاں اپنے احمدی خیالات کی تبلیغ کرتے تھے چنانچہ میں نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے افغان گورنمنٹ کے خلاف ایک سخت ایڈیٹوریل نوٹ لکھا اور یہ نوٹ اس کاتب عبدالرشید کو کتابت کے لیے دیا۔ عبدالرشید نے ابھی چند سطروں کی کتابت کی تھی کہ وہ میرے پاس آیا، اس کی آنکھیں سرخ تھیں، چہرے پر غصے کے جذبات تھے اور اس نے کہا:

”آپ کو شرعی معاملات میں دخل دینے کا کیا حق ہے؟ اسلام کی تعلیم کے مطابق سنگساری جائز ہے اور احمدیوں کو ضرور سنگسار کیا جانا چاہیے تھا کیوں کہ یہ اپنے مرزا قادیانی کے نبی ہونے کے دعویٰ دار ہیں۔ میں یہ نوٹ نہیں لکھ سکتا۔“

سوامی شرودھانند ایک متعصب آریہ سماجی لیڈر تھا جس نے پورے ہندوستان کے طول و عرض میں بسنے والے کم علم مسلمانوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے لیے تحریک شدھی چلائی اور شدت پسند ہندوؤں کو اس کام کے لیے تیار کیا کہ مسلمانوں کو بزور شمشیر ہندو بنائیں ورنہ قتل کر دیں اس کو ”نظریہ سنگھٹن“ کا نام دیا گیا۔ اس تحریک کا مرکز دہلی تھا۔ مسلمانوں کی دل آزاری، قرآن

کریم کی ضبطی، مشاہیر اسلام پر گستاخانہ تبصرے، اولیائے کرام کی توہین، صحابہ کرام کے متعلق مغالطات و بکواس، شان اہل بیت میں ہرزہ سرائی، امہات المؤمنین کو گالیاں اور سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و تقدیس کو نشانہ سب و شتم بنانا ہی اس کا مقصد حیات تھا، وہ برملا کہا کرتا کہ اگر ہندو بچا چاہتے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کو فنا کریں۔ (ماہ نامہ نعت، جلد ۴، شمارہ ۴ بابت اپریل ۱۹۹۱ء، صفحہ ۳۱۳۲۹ ملخصاً)

دسمبر ۱۹۲۶ء کو سوامی شردھانند کے مکان پر جا کر غازی عبدالرشید نے اسے لٹکارا اور پستول سے فائر کر کے ہلاک کر دیا اور جائے واردات سے فرار ہونے کی بجائے گرفتاری پیش کی۔ مقدمہ چلا اور سزائے موت کا حکم ہوا، آپ کے متعلقین نے پریوی کونسل تک مقدمہ لڑا مگر سزائے موت بحال رہی۔ ۱۳ نومبر ۱۹۲۷ء کے روز آپ کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ جب آپ کو پھانسی کے لیے لایا گیا تو آپ مسکرا رہے تھے۔ آپ نے خصوصی اجازت حاصل کر کے تختہ دار پر ہی دو رکعت نفل پڑھے اور بہ آواز کلمہ طیبہ پڑھا اور فرمایا:

”آپ لوگ شاہد رہیں کہ میں ایمان کے ساتھ اس دنیا سے سفر کر رہا ہوں۔“

پھر دوبارہ کلمہ شریف پڑھا اور اللہ اکبر کہتے ہوئے خالق حقیقی سے جا ملے۔



الفقیہ، امرتسر ۲۸ دسمبر ۱۹۲۶ء

## سوامی شردهانند گولی سے قتل کر دیے گئے

۲۴ دسمبر، دہلی: سوامی شردهانند جو ایک عرصہ سے علییل تھے لیکن اب رُوبہ صحت ہوتے جاتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالرشید نامی ایک شخص اُن سے ملنے کے بہانہ سے آیا اور اس نے سوامی پر پستول سے پانچ (۵) گولیاں چلائیں۔ تین گولیاں سوامی کے سینہ پر اور دو گولیاں گردن پر لگیں جس سے سوامی فوراً مر گئے۔ قاتل گرفتار کر لیا گیا ہے اور پولیس تحقیقات کر رہی ہے۔



نور افشاں، لاہور ۱۴ جنوری ۱۹۲۷ء

## سوامی شردهانند کے قتل کا مقدمہ شروع ہو گیا

دہلی، ۱۱ جنوری: سوامی شردهانند کے قاتل عبدالرشید کا مقدمہ آج مسٹر ایچ ڈی بھنوت کے اجلاس میں پیش ہوا، عدالت کے باہر بے شمار تماشائی جمع تھے لیکن نصف درجن سے زیادہ آدمیوں اور بہت سے رپورٹران اخبارات کے کسی کو اندر جانے نہیں دیا گیا۔ نمائندگان اخبار میں مولانا محمد علی بھی شامل تھے۔ مسٹر عبدالرحمن ملزم کی طرف سے اور مسٹر عزیز الدین کورٹ انسپکٹر سرکار کی جانب سے بیرو تھے۔ پہلی شہادت پیش ہونے سے پہلے مسٹر رحمان نے زیر دفعہ ۴ ضمنی دفعہ ۱۷۳ ضابطہ فوجداری عدالت سے اجازت طلب کی کہ مجھے ملزم سے بات چیت کرنے کا موقع دیا جائے کیوں کہ جب سے وہ حوالات گیا ہے اسے قانونی مشورہ ملنے کا کوئی موقع نہیں ملا۔ عدالت نے اجازت دے دی اور چند منٹ کے بعد مسٹر مہر چند پوری آڈیٹر بہ طور گواہ نمبر ۱ کے پیش ہوئے۔

### پہلے گواہ کا بیان

مسٹر مہر چند نے بیان کیا کہ ۲۳ دسمبر کو ۴ بجے میں آل انڈیا شدھی سبھا کے حساب کی پڑتال کر رہا تھا کہ سوامی شردھانند کا ملازم دھرم سنگھ چلا تا ہوا دفتر میں آیا جو لوگ دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اٹھ کر سوامی جی کے کمرہ میں گئے وہاں پہنچ کر دھرم سنگھ نے کہا کہ عبدالرشید نے سوامی جی پر فائر کیا ہے۔ میں نے سوامی جی کو چار پائی پر پڑے ہوئے دیکھا ان کا منہ نیچے کی طرف تھا اور ان کے نزدیک سوامی جی کے پرائیویٹ سیکرٹری دھرم پال نے عبدالرشید کو قابو کیا ہوا تھا۔ سوامی جی داند جو کمرہ میں ہمارے ساتھ داخل ہوئے تھے انہوں نے مجھے کہا کہ پولیس کو فون کرو کہ کسی ذمہ دار افسر کو بھیجا جائے۔

### بجواب سوالات جرح

گواہ نے بیان کیا کہ فون کرنے کے بعد میں سوامی جی کے کمرہ کے باہر ایک گھنٹہ سے زیادہ عرصہ تک کھڑا رہا۔ جب پہلی دفعہ کمرہ کے اندر گیا تو وہاں اڑھائی یا تین منٹ ٹھہرا تھا۔ اس اثنا میں میں نے کوئی بندوق یا ریوالور یا پستول کمرہ کے اندر نہیں دیکھا جب فون کیا تو دھرم سنگھ کے زخمی ہونے کی بابت کچھ ذکر نہیں کیا تھا۔ سردار چیت سنگھ انسپکٹر پولیس نے میرا بیان وقوعہ کے تقریباً پندرہ روز بعد لکھا تھا۔ میں پولیس میں اپنا بیان دینے خود نہیں گیا۔ اگرچہ پولیس نے میرا نام لکھ لیا تھا۔ میں نے اس وقت تک پولیس سے دھرم سنگھ کے زخمی ہونے کی بابت کوئی بیان نہیں دیا تھا۔ میں سوامی جی سے واقف تھا لیکن ان سے بہت کم موقعوں پر ملا تھا۔ آخری موقع پر انھیں برسات کے موسم میں آریہ سماج میں دیکھا تھا۔ مسٹر عزیز الدین کی جرح ثانی پر گواہ نے کہا کہ جس وقت دھرم پال نے ملزم کو مغلوب کر رکھا تھا میں نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔

### دھرم سنگھ کی شہادت

سوامی جی کا سیوک دھرم سنگھ ابھی کمزور تھا اور اسے اسپتال سے بلایا گیا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ ۲۳ دسمبر کو ۴ بجے عبدالرشید سوامی جی کے مکان میں زینہ کے اوپر چڑھ کر آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کس مطلب سے آئے ہو؟ عبدالرشید نے جواب دیا کہ سوامی جی سے بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب نے سوامی جی کو بات چیت کرنے سے منع کر

دیا ہے۔ اس لیے آپ اندر نہیں جاسکتے لیکن اس نے کہا کہ میں ضرور دَرشن کروں گا۔ پھر میں نے سوامی جی سے اجازت حاصل کی اور ملزم کو اندر لے گیا۔ سوامی نے عبدالرشید سے پوچھا کہ تمہیں کیا کام ہے؟ میں اس وقت بات چیت کرنے کے ناقابل ہوں چند روز کے بعد آنا۔ اس کے بعد اس نے پانی پینے کو مانگا۔ میں اسے کمرہ کے باہر لے گیا۔ پانی پینے کے بعد ملزم کمرہ کے اندر دوڑ گیا اور پستول سے سوامی جی پر فائر کیے۔ میں نے اسے پیچھے سے جا پکڑا جب تک کہ دھر مپال نہ آگئے۔ اس کشمکش میں میری ران میں بھی گولی لگی۔ پھر میں سوامی چاند کے پاس مدد کے لیے گیا اور وہ بھی وہاں آگئے۔ بعد ازاں میں ایک طرف گر گیا۔ پستول دکھانے پر دھرم سنگھ نے شناخت کیا اور کہا کہ یہی پستول عبدالرشید نے استعمال کیا تھا۔

### بجواب سوالات جرح

دھرم سنگھ نے کہا میں پندرہ سولہ سال سے سوامی جی کا ملازم ہوں۔ زخمی ہونے کے بعد میں بے ہوش نہیں ہوا تھا، پولیس جس وقت تفتیش کر رہی تھی تو اس نے پستول مجھے نہیں دکھایا تھا۔ میں نے ۲۳ دسمبر سے پہلے عبدالرشید کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے پولیس کو پورا بیان نہیں دیا تھا، اس کے بعد میرا بیان نہیں لکھا گیا۔ مہر چند گواہ نمبر سوامی جی کے کمرہ میں نہیں آیا تھا، نہ وہ مجھے اسپتال میں دیکھنے آیا جس وقت پہلا فائر کیا گیا تو سوامی جی چار پائی پر تکیہ پر سر ہانہ لگائے بیٹھے تھے، جس وقت فائر کیا گیا عبدالرشید سوامی جی کے سامنے دو ڈھائی قدم کے فاصلے پر تھا۔ میرے خیال میں ملزم نے چار یا پانچ فائر کیے۔ پہلے فائر کے بعد ہی سوامی جی چار پائی پر لیٹ گئے تھے۔ ملزم کے ہاتھ سے پستول پولیس نے چھینا تھا۔ پولیس نے جو بیان لکھا وہ مجھے پڑھ کر نہیں سنایا گیا تھا۔ اسپتال میں ملزم کا فوٹو میں نے دیکھا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کسی پولیس مین نے یا کسی اور نے فوٹو مجھے دکھایا تھا۔

### مہاشہ دھر مپال کی شہادت

سوامی شردھانند جی کے پرائیویٹ سیکرٹری مہاشہ دھر مپال نے بیان کیا کہ ۲۳ دسمبر کو میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا کہ فائروں کی آواز سنائی دی جو سوامی جی کے کمرے سے آتی ہوئی معلوم دیتی تھی۔ میں فوراً کمرہ کے اندر گیا اور دھرم سنگھ کو ملزم کے ساتھ کشمکش کرتے دیکھا۔ بعد ازاں میں نے عبدالرشید کو پکڑ لیا اور اسے مغلوب کر کے فرش پر گرا لیا۔ اس وقت میں نے خیال

نہیں کیا کہ دھرم سنگھ زخمی ہوا ہے یا نہیں۔ میں نے کئی فارروں کی آواز سنی تھی۔ میں نے نہیں دیکھا کہ سوامی جی کس پوزیشن میں پڑے تھے۔ پولیس ۲۰-۲۵ منٹ کے بعد پہنچ گئی۔ پولیس کے آنے اور ملزم کے گرفتار کیے جانے کے بعد میں نے دھرم سنگھ کی ران کو زخمی دیکھا۔ سردار چپت سنگھ انسپکٹر پولیس نے ملزم کو اپنے ریوالور سے دھمکا کر اس کا پستول چھینا۔ اسی شام کو پولیس نے میرا بیان لکھا۔ گواہ نے ملزم کو عدالت میں شناخت کیا۔

### جرح

وکیل صفائی کے سوالات جرح کے جواب میں گواہ نے کہا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ ملزم سوامی جی کے کمرہ میں ۲۳ دسمبر سے پہلے کبھی آیا تھا یا نہیں، جس وقت میں نے ملزم کو نیچے دبار کھا تھا مجھے کوئی زخم نہیں لگا۔ ملزم کا بیان پولیس میں لکھے جانے کے بعد مجھے اس کا نام معلوم ہوا۔ میں نے مہر چند گواہ کو وقوعہ سے دس روز پہلے شدھی سبھا کے دفتر میں دیکھا تھا۔ میں نے ملزم کا فوٹو نہیں دیکھا، لیکن سنا تھا کہ وہ بازار میں فروخت ہو رہے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں پولیس نے ملزم کے جسم پر کوئی زخم یا خراش دیکھی تھی۔

### سوامی چداند کا بیان

سوامی چداند سنیا سی سیکرٹری آل انڈیا شدھی سبھا نے بیان کیا کہ ۲۳ دسمبر کو چار بجے کے قریب میں دفتر میں سبھا کے حسابات کی پڑتال بابو مہر چند سے کر رہا تھا کہ دھرم سنگھ نے آکر کہا کہ سوامی جی پر فائر ہوا ہے۔ میں فوراً سوامی جی کے کمرہ میں گیا اور دیکھا کہ مہاشہ دھرم پال نے ایک آدمی کو دبار کھا ہے اور سوامی جی نیچے کی طرف منہ کیے چار پائی پر لیٹے ہیں۔ دھرم سنگھ نے کہا کہ سوامی جی کی خبر لیجیے، میرے بھی گولی لگی ہے۔ میرے کہنے پر بابو مہر چند نے پولیس کو فون کیا۔ پولیس آ پہنچی اور اس نے ملزم کے ہاتھ سے پستول لے لیا۔ گواہ نے عدالت میں ملزم کو شناخت کیا اور کہا کہ یہ وہی شخص ہے جسے سوامی جی کے کمرہ میں مغلوب کیا گیا تھا۔

### جرح

وکیل ملزم کے سوالات جرح کے جواب میں گواہ نے کہا کہ ہمارا کمرہ سوامی جی کے کمرہ کے متصل ہے۔ بازار سے دو سیڑھیاں میرے اور سوامی جی کے کمرہ کو جاتی ہیں۔ سردار چپت سنگھ انسپکٹر پولیس نے وقوعہ کے بعد فوراً ہی بیانات لینے شروع کر دیے تھے جو کارروائی ۸ یا ۹ بجے تک

جاری رہی۔ میرا بیان بھی لکھا گیا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وقوعہ سے پہلے میں نے کبھی ملزم کو دیکھا تھا یا نہیں۔ (بندے ماترم)



السواد الاعظم ماہ رجب المرجب ۱۳۴۵ھ / جنوری ۱۹۲۷ء

## پنڈت شرودھانند کا قتل

پنڈت شرودھانند کے قتل پر مسلمان اخباروں اور لیڈروں کی طرف سے اتنا زیادہ اظہارِ افسوس و ہمدردی کیا گیا ہے کہ کسی مسلمان کے مرنے پر اس قدر رنج کا اظہار یا نہیں ہوتا۔ پھر اس میں بہت افراط سے کام لیا گیا یعنی افسوس کرنے والوں نے محض اظہارِ افسوس و ہمدردی پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس قتل کو اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی سے تعبیر کیا ہے۔ کیا ان صاحبوں کے نزدیک مسلمانوں کے مشورہ سے یہ قتل وقوع میں آیا۔ جوشِ ہمدردی میں اپنی زبان اور قلم کو بے اختیار نہ ہونے دینا چاہیے پھر جس قوم کے ساتھ آپ اس ہمدردی کا اظہار کر رہے ہیں اس کی اخلاقی حالت اس قدر خراب ہو چکی ہے کہ وہ اظہارِ ہمدردی پر شکر گزار ہونے کی بجائے۔۔۔ کلمات کہتی ہے اور اس ہمدردی کو بناوٹ اور چال بتاتی ہے اور مسلمانوں سے اسلام چھوڑ دینے کا مطالبہ کرتی ہے۔ کہیں مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی دھمکی دیتی ہے۔ جب کسی قوم کی اخلاقی حالت اتنی پست ہو گئی ہو تو اس کے پاس عذر و معذرت لے کر جانا بھی ضرور بے غیرتی ہے۔ قاضی عبدالرشید کا معاملہ ابھی تک تحقیق میں نہیں آیا۔ ان کے قاتل ہونے یا سلیم الحواس ہونے کی نسبت کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ ایسی۔۔۔ میں قبل از وقت اس پر بے انتہا ملامتوں کی بوچھاڑ کر دینا بھی اعتدال سے گزری ہوئی بات ہے۔ ہندوؤں نے جس وحشت کے ساتھ پانچ راہ گیر مسلمانوں پر بے رحمانہ حملہ کر دیا جن میں سے مفتی محبوب علی صاحب جان بر نہ ہو سکے، شہید ہو گئے۔ اس پر نہ ہندو لیڈروں کی طرف سے افسوس کیا گیا (ہندو لیڈروں کی اشتعال انگیز تقریروں کا تو یہ نتیجہ ہی تھا وہ کس دل سے اظہارِ افسوس کرتے) نہ معذرت کی گئی نہ اس طرح ان ظالم وحشیوں پر ملامت کا مینہ برسایا گیا۔ ہندوؤں کی موجودہ روز افزوں شورشوں کے باوجود مسلمان لیڈروں



کا خوشامد میں تیز گام ہوتے جانا ان کی تو بے حمیتی ہے اور ان کا اس سے غصہ ہی تیز ہوتا ہے۔ ہندو اخباروں اور ہندو لیڈر جلسوں میں بے محابا تقریریں کرتے ہیں۔ شر دھانند کا قاتل کوئی بھی ہو اگر اس نے عالم ہوش و حواس میں قتل کیا ہے تو اس کے اشتعال کا باعث کس کی اشتعال انگیزی ہے۔ ہندو اپنے مضامین میں پنڈت شر دھانند کو ”شہید اکبر“ لکھ رہے ہیں۔ ہمیں تعجب ہے کہ انہیں ویدک دھرم سے اس طرح مرنے والے کے لیے کوئی منصب نہ مل سکا جو انہوں نے ایک دوسرے مذہب اسلام کے دیے ہوئے ایک عہدہ کا چربہ اُتارا۔ اس جوشِ محبت میں انہیں یہ بھی نظر نہ آیا کہ آریہ مذہب کے اصول پر ہی پانی پھر گیا۔ شہید تو وہ ہوتا ہے جسے ابدی حیات ملتی ہے، تناخ کے معتقد شہادت کا کس منہ سے دعویٰ کرتے ہیں!!!

### مولوی کفایت اللہ صاحب سے ایک سوال

جمعیتہ العلماء دہلی کے صدر مولوی کفایت اللہ صاحب نے پنڈت شر دھانند کے ملزم قاتل قاضی عبدالرشید کے جنت سے محروم ہونے کا فتویٰ دیا ہے جس کا حوالہ ۸ جنوری ۱۹۲۷ء کے (اخبار) ہمد میں ہے۔ اس میں آپ نے یہ فرمایا ہے کہ کافر معاہد کا قاتل جنت کی یو بھی نہ سونگھے گا۔ حکام گورنمنٹ کے پاس تو ابھی مقدمہ زیر سماعت ہی ہے اور وہ شہادتوں، بیانوں اور بحثوں کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ کر کوئی فیصلہ صادر کریں گے مگر جمعیتہ العلماء کی ہائی کورٹ سے جناب مفتی کفایت اللہ صاحب نے عبدالرشید کو آخری زندگی میں ہمیشہ کے لیے جنت سے محروم کر دیا کہ وہ جنت کی یو بھی نہ سونگھے گا کیوں کہ اگر کیسی ہی بڑی سزا کے بعد بھی جنت میں جائے تو جنت کی خوشبو جب بھی اسے پہنچے گی اور اس معنی کا بھی احتمال نہیں کہ اس کی قوتِ شامہ باطل کر کے اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا کیوں کہ لفظ ”بھی“ اس معنی سے انکار کرتا ہے۔ مولوی صاحب کو یہ تحقیق کرنے کی ہی ضرورت نہیں ہے کہ آیا درحقیقت قاضی عبدالرشید پر الزام ثابت بھی ہے یا نہیں؟ اور اس کے حواس درست بھی ہیں یا نہیں؟ اور عہد کیا چیز ہے؟

میں جناب مولوی کفایت اللہ صاحب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں شر دھانند کے محروم قاتل پر تو جناب نے بے انتظار تحقیق حکم لگا دیا کہ اس کو جنت کی یو بھی نہ ملے گی اب مہربانی کر کے بے گناہ مسلمانوں، علماء، سادات، مشائخ، اطفال، مستورات کے قاتلوں کا حکم بھی بیان فرما دیجیے جو طائف میں، حجاز میں، بلدالائین، میں نجد یوں کے جو رو جفا سے تہ تیغ کیے گئے ہیں۔

کافر کے قاتل کو جنت کی بُو بھی نہ ملے گی تو ان مسلمانوں کے قاتلوں کو کیا سزا ملے گی؟ اور اگر آپ کے نزدیک سزا کافر ہی کے قتل کے ساتھ خاص ہو تو بھی بیان کر دیجیے کہ مسلمانوں کے قتل کرنے والوں کو جنت میں کیا درجہ دیا جائے گا اور مہربانی کر کے یہ بھی بتا دیجیے کہ نجدی اور نجدیوں کو کس قوم پر تلوار چلانے کی وجہ سے ”غازی“ کہا جاتا ہے؟، مسلمانوں پر یا کافروں پر؟ اور جناب نے شردھانند کے (مزعموم) قاتل پر تو نہایت عجلت سے حکم صادر فرما دیا مگر مسلمانوں کے قتل کرنے والے اہل نجد کے متعلق کبھی لب کشائی نہ فرمائی؟

گر مسلمانی ہمیں است کہ مفتی دارد  
وای گراز پس امروز بود فردائے



الفقیہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۷ء

عبدالرشید کی تصاویر الہ آباد میں

الہ آباد کا انگریزی ہم عصر لیڈر (Leader) لکھتا ہے کہ ہم کو اطلاع ملی ہے کہ قاضی عبدالرشید جو سوامی شردھانند کے قتل کے الزام میں پولیس کے زیر حراست ہے۔ کی تصاویر کھلے بندوں الہ آباد میں فروخت ہو رہی ہیں۔

مسلمانوں کی خانہ تلاشیاں۔ چند کاغذات پکڑے گئے

دہلی ۶ جنوری۔ پولیس نے سوامی جی کے قتل کے سلسلہ میں مولانا مظہر الدین صاحب ایڈیٹر الامان اور مولانا زاہد القادری صاحب کے بیانات قلم بند کیے ہیں۔ محمد عبدالنواب مہر کے گھر کی تلاشی لی گئی، پولیس اپنے ساتھ یہاں سے کاغذات لائی ہے جن میں مہر کی اس چٹھی کی نقل لکھی ہے جو خواجہ حسن نظامی کے نام مسلمان بچوں کے آریہ سماج کے قبضہ میں ہونے کے سوال پر لکھی گئی ہے۔ دو پمفلٹ بھی ہیں جن میں سے ایک میں یہ درج ہے کہ ایک انگریز بادشاہ نے اسلام قبول کر لیا۔ دوسرے پمفلٹ میں یہ درج ہے کہ سوامی شردھانند کا خاتمہ اور لیکھ رام کے قتل کے حقیقی حالات پولیس نے عبدالنواب کو بیان کرنے کے لیے بلایا ہے۔



الفقیہ ۲۸ جنوری ۱۹۲۷ء

## موجد شدھی کا قتل اور اس کی ذمہ داری

علامہ مولانا نذیر احمد خندی کیا لکھتے ہیں؟

وہ کون سی قوت ہے جو یہ ثابت کر سکے کہ تحریک شدھی نے ملکانہ راجپوتوں ہی پر نہیں بل کہ عام مسلمانوں پر مظالم و ستم ظریفی کا دروازہ نہیں کھولا؟؟؟  
وہ کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ دو سال کے لیے جیل جانے والے منشی رام صرف شردھانند سنیا سی محض شدھی پر چار کے لیے دو ماہ کچھ دن میں باہر نہیں نکلے؟؟؟  
کیا کوئی واقف حال اس کو جھٹلا سکتا ہے کہ سماجی متوالوں نے مسلمان مرد، عورت، بچے ان کی عزت و آبرو کسی کو بھی گزشتہ چار سال میں محفوظ رہنے کا موقع نہ دیا؟؟؟  
پھر کیا سب کی ذمہ داری عقلاً اور اصولاً شردھانند سنیا سی پر عاید نہیں ہوتی تھی اور ایک دل جلا مسلمان، ایک غیرت اسلامی رکھنے والا مسلمان، ایک حمیت دینی کا شیدا مسلمان، ایک جذبات ایمانی کا فدائی مسلمان۔ ان سفاکانہ مظالم سے مشتعل ہو کر سب کچھ کر گزرے، اپنی جان پر کھیلنے اور دوسرے کی جان لینے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا تھا۔ یقیناً فطرت انسانی ایک وقت اس حرکت کے لیے ”تگ آمد بجنگ آمد“ کی مثل کو پورا کر سکتی ہے اور جذبہ انتقامی کے لیے وہ کسی نقطہ نظر سے قابل ملامت نہیں ہو سکتا۔

آج ہندو شخصیتیں بہت ہوشیاری سے اظہارِ رائے میں مصروف ہیں خواہ وہ مسٹر گاندھی ہوں یا لالہ لاجپت رائے ہو یا مسٹر نائیڈو لیکن غلط رو مسلمان، خوشامدی مسلمان، ناعاقبت اندیش مسلمان، اپنے قتل سے ڈرنے والے مسلمان، ہندو کی خاطر اسلامی ناموس کو قربان کرنے والے مسلمان، وہ مسلمان جنہوں نے مسلمانانِ ہندوستان کا خون ہوتا دیکھا اور ہنود کے خلاف دم نہ مارا بل کہ الٹا مسلمانوں کو ملزم بتایا، مسلمان مرے، مسلمان جیلوں میں بھرے، مسلمانوں کے بچے یتیم ہوئے، مسلمانوں کی عورتیں بیوہ ہوئیں لیکن شوکت علی ہوں یا محمد علی، ابوالکلام ہوں یا

ڈاکٹر انصاری، مولوی حسین احمد ہوں یا خواجہ حسن نظامی کسی نے ان ملزموں کے لیے صدائے احتجاج نہ کی۔

شردھانند سنیا سی کے قتل پر پانچ مسلمان زخمی کیے جاتے ہیں جن میں ایک بے گناہ رستہ چلتا مسلمان جاں بحق تسلیم کرتا ہے لیکن حیف نابردہ مسلمانوں پر جو ہندو کے لیے روتے ہیں اور مسلمان کے قتل کا ذکر بھی نہیں کرتے، ہم اس پالیسی کے بالکل خلاف ہیں اور ہم آزادی سے کہیں گے کہ ان نام نہاد مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ یہ فعل خلاف اسلام ہوا، یہ فعل خلاف انسانیت ہوا، غلط اور محض غلط ہے۔

یہ ہندو پرست نہ اسلام سے واقف، نہ انسانیت سے باخبر۔ انہوں نے ہندوستان میں ہندو کے ہاتھوں اور حجاز میں ابن سعود کے ہاتھوں مسلمانوں کی تباہی کا بیڑا اٹھایا ہے، ان کی ہم نوا انجمنیں ان کے ہم آواز اخبار سب اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

### عبدالرشید کا بیان

جس قدر میدان میں آچکا ہے وہ اس کا مدعی ہے کہ؛ اسلامی جذبات کو سماجی مظالم نے مشتعل کر کے اس کو اس بہانے جنت کا متوالا بنا دیا۔ اس صورت میں اس قتل کی پوری ذمہ دار آریہ سماج کی وہ جماعت ہے جس نے اپنی گونا گوں ستم شعار یوں سے ایک مسلمان سادہ لوح کے جذبات کو بھڑکایا اور اس کو اس زبردست کام پر آمادہ و مجبور کیا۔

ابھی مقدمہ زیر سماعت کچھری میں نہیں آیا اس لیے ہم اس رائے کے اظہار میں آزاد ہیں کہ سماجیوں کا ایک فتنہ پرداز طبقہ اس واقعہ کو جماعتی و سازشی بنوانے پر زور دے رہا ہے۔ اس موقع پر پولیس کو اپنی پوری ذمہ داری سے تحقیقات کرنی چاہیے خواہ مخواہ بے گناہوں کو ملوث کرنے کی ضرورت نہیں۔

[مقدمہ عدالت میں پہنچ کر عبدالرشید پر فرد جرم عاید کر دی گئی

اور عبدالرشید شن سپرد کر دیا گیا۔ ایڈیٹر]

دس ہزار روپے کا انعام

یقیناً فطرتاً انسان کی لالچی طبیعت اس کو غلط بیانیوں پر مائل کر سکتی ہے۔ مرد وہ ہے جو دیانت و امانت کو ہاتھ سے نہ دے۔ اتنا کہہ کر ہم ہندوستان کی ان اسلامی انجمنوں کو توجہ دلاتے

ہیں جو ایمانی جذبات کی شناسا ہیں کہ وہ اپنی آزاد رائے سے اس واقعہ پر اظہار خیال کریں اور دنیا کو یہ بتادیں کہ اس حادثہ کی ذمہ داری صرف آریہ سماجی مظالم جبر و تشدد اور سفاکیوں پر عاید ہوتی ہے۔

(خجندی - مدیر غالب، بمبئی)



الفقیہ ۷/ مارچ ۱۹۲۷ء

## شر دہانند کا قتل اور آریوں کی شرانگیزی

قتل شر دہانند کو حیلہ بنا کر آریہ اخبارات اور انجمنوں اور ان کے عوام و خاص افراد نے جو مسلم آزار و روش اور اسلام و معظمان اسلام پر نہایت درجہ بے باکی اور ذریدہ و ہنی سے سخت ترین گندے اور ناپاک حملوں کی تحریراً و تقریراً بوجھاڑ اور نئے سرے سے زور شور سے آغاز کیا ہے اور اس سلسلہ میں عموماً تمام مسلمانوں اور اسلامی تعلیمات کو سخت ست کہنے اور بدنام کرنے کے لیے صریح کذب بیانیوں اور افترا پردازیوں اور طرح طرح کی ناجائز حرکات کا جس دلیری سے علانیہ ارتکاب کیا جا رہا ہے اور معاذ اللہ اسلام اور مسلمانوں کو جس طرح نہ صرف ہندوستان بل کہ صفحہ ارض سے محو و نابود کر دینے کی جو دھمکیاں دی جا رہی ہیں اور اس کے لیے جو خفیہ اور علانیہ کارروائیاں کی جا رہی ہیں وہ اب ہمارے بتانے کی محتاج نہیں رہی ہیں مگر ان میں سے کسی کا بل کہ اور ان سے بدرجہا اشد شدید دشمنی و عداوت اسلام و مسلمین کا ان سے ظاہر ہونا کچھ عجیب نہیں۔ قرآن شریف مسلمانوں کو آج سے تیرہ سو برس سے بھی زاید پہلے سے نہایت وضاحت و صراحت سے بتا چکا ہے کہ کفار و مشرکین تمہارے نقصان رسائی میں کوئی کمی اٹھا نہیں رکھیں گے۔ دشمنی اور عداوت ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور عداوت و بغض کی جو آگ اسلام و مسلمین کی طرف سے ان کے سینوں میں بھڑک رہی ہے وہ اور بڑھی ہے وہ مسلمانوں کے بارے میں نہ کسی قول و قرار و عہد و حلف کی پابندی کریں گے نہ کسی قرابت و رشتہ داری کا لحاظ، ان کے دلوں کی ٹھنڈک اسی میں ہے کہ مسلمان مصائب و آفات میں گھریں اور وہ مسلمانوں سے

اس وقت تک جھگڑتے رہیں گے جب تک مسلمان بھی معاذ اللہ مرتد ہو کر انھی جیسے کافر و مشرک نہ ہو جائیں۔

یہ وہ اٹل قرآنی ارشادات ہیں جن کی تصدیق پر آج زمانہ ان سرمستان بادۂ اتحاد و دار کفار و مشرکین کو بھی، مجبور کر دیا ہے جو کل تک انھیں اپنا یقینی بھائی اور دلی دوست ہونے پر ایمان لائے ہوئے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہنود کا یہ مکاری کا زبانی دعویٰ اتحاد قطعاً یقیناً سچا ہے اور اس نامراد اتحاد کے بنیاد کے بغیر مسلمانوں کی نجات اور سلطنت اسلامی کی آزادی و مقامات مقدسہ اسلامیہ کی حفاظت محال جانتے تھے اور جو آج بھی اپنے اس جہل مرکب سے پورے طور پر دست بردار اور اس بادۂ شبانہ سے پوری طرح ہوشیار نہیں ہوئے ہیں مگر جو اپنے دوست بنتے تھے وہ دشمن سے سوانکلے۔ آریوں کی تو یہ مسلم آزار و روش کچھ تعجب خیز نہیں نہ ہمیں ان سے کسی شکایت کا موقع۔ کہنا تو یہ ہے کہ یہ مدعیان اسلام کو کیا ہو گیا ہے تو بان دعوائے عقل و ہوش و ایمان اسلام سب کچھ دیکھ سن لینے کے بعد ان خون کے پیا سے دشمنان اسلام کی لٹو پٹو میں اب بھی محو ہو رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح سے یہ ان سے اپنا دلی خلوص اور قلبی محبت و اطاعت و انعقاد جتا کر ان کے سینوں میں بھڑکتی ہوئی اس عداوت اسلام و مسلمین کی آگ کو ٹھنڈا کر سکیں گے جسے کفر و شرک کی بادِ سموم برابر تیز سے تیز تر کرتی جا رہی ہے۔ اسی واقعہ قتل کو لیجیے۔ عبدالرشید کا مقدمہ ابھی کچھری میں پیش ہے۔ ابھی حاکم نے اس کا حکم اخیر نہیں سنایا اور کون جانتا ہے کہ حاکم آخر کس نتیجہ پر پہنچے مگر یہ مسلمانوں کی سربراہی و رہنمائی و خیر خواہی کے بڑے بڑے لمبے چوڑے دعوے للکارنے والے لیڈر اور ان کی کانفرنسیں انجمنیں ہی ہیں جنہوں نے پہلے دن سے ”عبدالرشید قاتل عبدالرشید قاتل“ کا اودھم مچا کر ان پر لعن و نفرین کی موسلا دھار بارش شروع کر دی۔ وہ کون سی ناگفتنی تھی جو نہ کہی گئی۔ یہاں تک کہ ایک بڑے بھاری مفتی صاحب نے تو یہاں تک حکم لگا دیا کہ اس کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی۔ (دیکھو ہدم ۸ جنوری ۱۹۲۷ء میں جمعیتہ العلماء کے صدر کا مضمون کا اقتباس)

یعنی جنت کی حور و قصور اور دیگر نعمتوں سے تو اس کا فیض یاب ہونا بہت دُور رہا۔ وہ تو جنت کی خوشبو تک سے بھی دُور دُور رہے گا۔ مسلمانوں کا تو یہ عقیدہ ہے کہ ایک مسلمان اگرچہ وہ فاسق فاجر مرتکب کبار ہو مگر بالآخر (اگرچہ کچھ سزا بھگتنے کے بعد ہو) اپنے مولیٰ کریم کے فضل عمیم سے

ضرور جنت اور اس کی نعمتوں سے فیض یاب اور کامیاب ہوگا اور صرف کفار و مشرکین ہی جنت اور اس کی نعمتوں سے محروم رہیں گے، مگر جمعیت العلماء (الوہابیہ) کے ان ”مفتی“ صاحب کے فتویٰ سے عبدالرشید جس پر ابھی کچھری سے شردہ ہانند کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی گئی ہے ابھی سے اس سخت تر سزا کا مستحق ہو گیا کہ اسے جنت کی خوشبو تک بھی نصیب نہ ہوگی۔ اس لیے کہ وہ اگرچہ کسی اور کے نزدیک قتل شردہ ہانند کا مجرم نہ ہی سہی مگر ان ”مفتی“ صاحب کے نزدیک تو ضرور ہے اور شردہ ہانند سے اگرچہ خدا اور رسول و اسلام کا عہد و ذمہ بری سہی مگر ان مفتی صاحب اور ان کے پیروؤں کا تو اس سے گہرا عہد مودت اتحاد ہے ایک اور صاحب ”دل“ سے اُمید کرتے ہیں کہ قاتل کو پھانسی دے دی جائے گی۔“ (دیکھو ہدم ۳۱ نومبر ۱۹۲۶ء میں محمد ادریس خان لودھی کا تار)

کون قاتل وہ جسے ان سب کی چیخ و پکار عبدالرشید کی شخصیت میں پیش کر چکی ہے اگرچہ کچھری میں ابھی اس کا مقدمہ زیر تحقیقات ہی ہے مگر نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ انھوں نے جس قدر عبدالرشید پر لعن طعن اور ان سے اپنی انتہاء درجہ کی نفرت و بیزاری اور اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ اپنی دلی محبت و اتحاد اور کامل اطاعت و اتقیاد کا اپنے ہندو بھائیوں کو یقین دلایا۔۔۔ اسی قدر ان کے آقا یان ہنود نے انھیں جھوٹا جانا اور مردود بتایا اور ان کی اس خوشامد درآمد نے بغض و عداوت کی اس آگ پر جو اسلام و مسلمین کی طرف سے کفار و مشرکین کے دلوں میں لگی رہتی ہے اور مٹی کا تیل چھڑکا۔ اور غریب مسلمانوں پر تو جو کچھ انھوں نے آتش فشانہ کی۔ وہ کی ہے خود اسلام اور اس کی پاک مقدس اور سراپا امن و رحمت تعلیمات و احکام کو بھی کوئی جلی کٹی سنانے کو کسر اٹھا نہیں رکھی۔

محمد میاں قادری برکاتی

خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ، ایٹھ



الفقیہ ۲۱ مارچ ۱۹۲۷ء

## عبدالرشید کو پھانسی کی سزا

نئی دہلی، ۱۴ مارچ: آج صبح کو مسٹر جانسن سشن جج نے عبدالرشید والے مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا۔ ملزم پر تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۰۲ کے تحت [سزائے موت کا حکم سنا دیا گیا]



الفقیہ ۲۸ اپریل ۱۹۲۷ء

## سات کروڑ مسلمانوں کی اُخوت دینی کا مظاہرہ

قاضی عبدالرشید صاحب کے متعلق یوم مغفرت یا یوم حسرت منانے کی بر محل تجویز جناب ایڈیٹر صاحب اخبار الفقیہ، امرتسر - تسلیم

بالآخر ۱۴ مارچ ۱۹۲۷ء کو عدالت سشن سے دفعہ ۳۰۲ کے بہ موجب قاضی عبدالرشید صاحب کو قتل کا مجرم قرار دے کر پھانسی کا حکم سنا دیا گیا۔ قاضی صاحب پر الزام لگایا گیا تھا کہ آریوں کے اشتعال انگیز و توہین آمیز حرکات سے مشتعل ہو کر انھوں نے یہ غلط طریقہ کار اختیار کیا جس کو مسلم لیڈران قوم نے اسی طرح کی دوسری متاثر طبیعتوں پر بلند بانگ ہو کر یہ واضح کر دیا تھا کہ یہ فعل مذموم کسی طرح قابل ستائش نہیں لیکن اسی قدر کافی نہ تھا بل کہ ضرورت تھی کہ اسی وقت آریوں کی بدزبانی و زیادتیوں سے پیدا کردہ نازک ترین و خطرناک حالت کا اندازہ کر کے جس سے مسلمانوں کے قلوب بڑی طرح مجروح ہو چکے ہیں تمام مسلم لیڈران اپنے اختلافات کو ترک فرما کر اور دیگر مشاغل کو ملتوی کر کے دہلی ایسے مقام پر جمع ہوتے، تبلیغ و تنظیم کا ایک واحد مرکز قائم کرتے، صحیح و مکمل راہ عمل تجویز فرما کر اس کو کامیاب بنانے کے لیے اپنی ساری قوتیں صرف کر دیتے تاکہ زخم خوردہ طبائع اپنے اُبھرے ہوئے جذبات کو اپنی جگہ استعمال کر کے تسکین حاصل کر سکتے اور اس قسم کی غلط روی کا احتمال بھی نہ رہتا۔



فی الحال کیفیت یہ ہے کہ کثیر التعداد افراد قوم قاضی عبدالرشید صاحب کے اس بیان کو جو انھوں نے عدالت سشن میں اپنی بے گناہی کے متعلق دیا۔ صحیح مانتے ہیں اور ان کو آریہ پروپیگنڈے کا ایک بدنصیب شکار جانتے ہیں اور اس لیے قدرتا ایک عمیق ہمدردی ان کی ذات سے پیدا ہو چکی ہے۔

لیکن اگر ان کو مجرم ہی سمجھ لیا جائے تب بھی کیا قاضی عبدالرشید کی ہستی پاداش جرم کے بعد بہ حیثیت مسلم اس امر کی متقاضی نہیں کہ ان کے ساتھ ہمدردی کی جائے اور پھانسی کے حکم کو بحال رہنے پر ان کے واسطے دعائے مغفرت کا انتظام کیا جائے اور پھانسی کے دن کو ”یوم مغفرت“ کے طور پر منایا جائے۔ ہمارے نزدیک وہی دن بالکل موزوں دن ہے جس میں نہ صرف دعائے مغفرت کر کے اخوت دینی کا مظاہرہ کیا جاسکتا ہے بل کہ مسلمانوں کے واسطے صحیح راہ عمل بھی تیار کیا جاسکتا ہے۔

اگر لیڈران قوم و فدایان اسلام واقعی جو کچھ کرتے دھرتے ہیں وہ صرف اسلام و حلقہ گوشان اسلام کے لیے کرتے ہیں تو وہ سن لیں کہ یہ وہ وقت ہے کہ آسمان کا ہر تارا، ہوا کا ہر جھونکا، زمین کا ہر ذرہ دنیا کا ہر گوشہ مسلمان کو بے تحاشہ تبلیغ و تنظیم کی طرف پکار رہا ہے کیوں کہ تبلیغ و تنظیم ہی تو وہ چیز ہے جو ہر محاذ کے لیے قوم کی ناکارہ ہستیوں کو قوی و تن درست روحانی جسمانی اور ایمانی طاقتوں سے معمور کر کے مجاہد بنا سکتی ہے جس کو ہر مفید کام میں لگایا جاسکتا ہے اور نئے نئے اللہ کے بندوں کو دین الہی میں داخل کر کے حیرت انگیز قوت پیدا کی جاسکتی ہے۔ پس ان پر فرض ہے کہ وہ خدا کے واسطے رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عزت و عظمت و محبت و شفقت کے واسطے مسلم قوم کی تباہ حالی پر رحم کر کے اپنے اپنی خود رانیوں کو اپنے جداگانہ مرکزوں کو چھوڑ کر جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام انبالہ میں بہ حیثیت معمولی مجاہد اسلام کے اپنی پوری قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ داخل ہو کر اس کو ہر پہلو سے مستحکم و مضبوط کر دیں اور سارے ہندوستان میں اس کی شاخ کو پھیلائیں اور اس طرح مل جل کر رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مشعل ہدایت زندگی سے آسان ترین و براہین و کامیاب راہ عمل نکال کر قوم کو اس پر ڈال دیں۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ قوم سو نہیں رہی ہے بل کہ جاگ رہی ہے مگر ایسے وقت میں جب کہ اس پر دوسروں نے دھاوا بول دیا ہے اور اس کے سر پر بم کے گولے لٹوٹ رہے ہیں اس کے سکوت کی اس وقت

اصلی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے سرداروں کی اس طرف سے غفلت و باہمی اختلافات کے انہماک سے انگشت بندناں ششدر و حیران ہے ذرا آپ سب مل کر کوئی صورت تو پیدا کریں پھر اسی قوم کے کارنامے دیکھ لینا۔ ہم بڑی اُمیدوں کے ساتھ ”یوم مغفرت“ کے لیے حسب ذیل پروگرام پیش کر کے درخواست کرتے ہیں کہ اس پر غور کیا جائے اور اس کو کامیاب بنانے کی صورتیں نکالی جائیں:

۱۔ تمام کاروبار اس دن بند کر دیا جائے۔

۲۔ ٹھیک دس بجے ہر مقام کے مسلمان جگہ جگہ جمع ہو کر نماز غائبانہ پڑھیں۔

۳۔ سہ پہر کے بعد ہر جگہ تبلیغی جلسہ منعقد ہوں جس میں آریوں کو فتنہ عظیم و سنگھٹوں کے حملوں کی روک تھام کے واسطے مسلمانوں کو صحیح راہ عمل ذہن نشین کرائی جائے۔

۴۔ شدھی و سنگھٹن کے اضطراب کے دور میں اسلام کی عزت و عظمت پر قربان ہو جانے والے مسلمانوں کو اسلام کی صحیح تعلیم کے ماتحت سبق آموز پند و نصائح سے باخبر کیا جائے۔

۵۔ اس روز سے ایک ہفتہ تک فتنہ آریہ کی مدافعت و قاضی عبدالرشید کے پسماندگان کی امداد کے واسطے چندہ فراہم کیا جائے۔

۶۔ جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام، انبالہ کا (مرکز) دہلی اور اس کی شاخیں صوبہ صوبہ ضلع ضلع تحصیل تحصیل قائم کرنے کے واسطے سربراہ آوردہ حضرات کو سارے ہندوستان کا دورہ شروع کر کے مقامی انجمنیں اور رہنمایان قوم پوسٹر وغیرہ سے مسلمانوں کو ”یوم مغفرت“ کے پروگرام سے آگاہ و آمادہ کریں اور اگر یہ فضل ایزدی سے قاضی صاحب اپیل سے رہائی پا جائیں تو اس کے لیے ”یوم مسرت“ کا انتظام کیا جائے۔ ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں ان شاء اللہ العزیز یہ اجتماع عظیم مسلمانوں میں صحیح اسلامی زندگی پیدا کر دے گا۔

خادمان قوم

چودھری احمد یار خان و چودھری حامد و صوفی بشیر الدین

عہدیداران جمعیت تبلیغ مرکزیہ، ضلع بریلی



الفقیہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۷ء

## قاضی عبدالرشید کا مرافعہ

دہلی-۶ اکتوبر- اخبار 'مبلغ' کو معلوم ہوا ہے کہ قاضی عبدالرشید ملزم قتل سوامی شرودھانند کی اپیل پر یوی کونسل میں ۱۸ اکتوبر کو اڑھائی بجے پیش ہوگی۔



الفقیہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۷ء

## سازش مسلمانوں کی ہے یا ہندوؤں کی؟

ہندو اخبارات بیک آہنگ مسلمانوں پر سازش کا اتہام لگا رہے ہیں اور ان کے ذمہ دار راہنما اس خیال کی تائید کر رہے ہیں اور اس سے غرض محض معاندت و منافرت کے جذبات کو ترقی دینا اور عمال حکومت کی رائے کو متاثر کرنا ہے۔ ان کے اس پروپیگنڈا کے جواب میں مسلم پریس نے بھی آواز بلند کی ہے اور ان کے کذب و افترا کی خوب ہی دھجیاں اڑائی ہیں۔ اس سلسلہ میں معاصر محترم (اخبار) سیاست کی کوشش قابل داد ہے۔ جس نے نہایت محنت و کاوش سے ذیل کی فہرست مرتب کر کے دکھایا ہے کہ شرودھانند کے قتل کے وقت سے لے کر اس وقت تک ہندوؤں نے کہاں کہاں مسلمانوں پر حملے کیے اور کتنے مسلمانوں کی جانیں ہندوؤں کی اس چیرہ دستی کی نذر ہوئیں۔ ان اعداد و شمار سے اور واقعات کی رفتار اور نوعیت سے ہر شخص نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ سازش اگر ہے تو ہندوؤں کی نہ کہ مسلمانوں کی۔ مدیر الفقیہ

☆ شرودھانند-۲۲ ستمبر ۱۹۲۶ء کو بہ قول عدالت عبدالرشید کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اسی روز مفتی محبوب علی صاحب دہلی کے ہندوؤں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور چار دیگر مسلمان زخمی ہو کر ہسپتال کو گئے۔

☆ پونا بالیا کلکتی نزد باریال بنگالہ میں چھ مارچ ۱۹۲۷ء کو مسجد کے قریب سے ہندوؤں کا جلوس نکلا۔ نہتے مسلمانوں نے راستہ روکا، سرکار نے ہندوؤں کی حمایت کی اور مسلمانوں پر گولیاں چلائیں اور ۱۷ مسلمان شہید اور چالیس مجروح ہوئے۔

☆ رٹھالہ نزد دہلی میں ۱۳/۱۳ اپریل ۱۹۲۷ء کو ایک مسلمان دوکان دار پر ہندوؤں نے اچانک حملہ کیا اور دو مسلمان شہید اور تین زخمی کر دیے گئے، صرف تین ہندو قدرے مجروح ہوئے۔

☆ لاہور میں ہولی کے دنوں میں مسلمانوں پر ہندوؤں نے رنگ پھینکا اور ایک کے اینٹ ماری۔

☆ جویلی کابلی مل لاہور-۳ و ۴ مئی ۱۹۲۷ء کی درمیانی شب کو اچانک ہندوؤں اور سکھوں نے سازش کر کے چار مسلمانوں کو شہید کر دیا جو نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہے تھے، مسلمان شہداء کے جنازے پر سنگ باری کی اور جس کی وجہ سے لاہور میں فساد ہوا جس میں ہندو مسلمانوں کے جان و مال کا کافی نقصان ہوا اور جس کی وجہ سے اب تک لاہور کی فضا مکدر ہے۔

☆ سکندر آباد ریاست حیدرآباد دکن میں مسجد کے سامنے سے ہندوؤں کا جلوس نکلا، نماز کا وقت تھا۔ ہندوؤں کو منع کیا گیا۔ انہوں نے مسجد میں گھس کر دو مسلمانوں کو زخمی کیا۔ پانچ مسلمان باہر زخمی ہوئے، دو مسلمان بعد شہید ہو گئے۔

☆ دنیا پور میں ۱۳ جولائی ۱۹۲۷ء کو ایک مسلمان نے اپنے مکان کے اندر گائے قربان کی۔ ہندوؤں نے اچانک دھاوا بول کر ایک بے گناہ مسلمان عورت اور دو مردوں کو شہید کیا اور مسلمانوں پر جبر و تشدد روا رکھا۔

☆ پالیش پورہ-۷ جولائی ۱۹۲۷ء کو ہندوؤں نے حملہ کیا اور مسلمانوں کے بیس (۲۰) گھر جلا دیے۔

☆ کلکتہ میں ۸ جولائی ۱۹۲۷ء کو محرم کے جلوس پر ہندوؤں نے بلاوجہ خشت باری کی اور دو مسلمانوں کو زخمی کیا۔

☆ لاڑکانہ میں ہندو مسلمانوں کی ایک ایسی ہندو عورت کی وجہ سے جنگ ہوئی جو مدت سے مسلمان ہو چکی تھی اور ثابت ہوا کہ اس جنگ کے لیے ہندوؤں نے باہر سے آدمی منگوائے

تھے۔

☆ اناڈ میں ہندو مسلم فساد ہوا۔ محرم کے زمانہ کی بات ہے۔ ۱۲ اشخاص ہلاک اور پندرہ زخمی ہوئے۔ ابتدا ہندوؤں نے کی۔

☆ ملتان ۱۲ جولائی ۱۹۲۷ء کو محرم میں فساد ہوا۔ ایک نہتے مسلمان کو اس وقت جب کہ شہر کے مسلمان تعزیوں کے ساتھ شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ ہندوؤں نے قتل کر کے فساد کی ابتدا کی، شہدا کے جنازوں پر خشت باری کی، بعدہ فساد بڑھ گیا کئی ہندو مسلمان قتل اور زخمی ہوئے۔

☆ بریلی میں محرم پر فساد ہو۔ ہندوؤں نے جلوس تعزیہ پر خشت باری کی اور فساد کی ابتدا پیدا ہوئی۔

☆ اندور میں ۴ فروری کو ہندوؤں نے جلوس نکالا جس کی ضرورت آج تک ثابت نہیں ہو سکی۔ کوئی تہوار وغیرہ نہ تھا۔ انہوں نے مسجد کے سامنے اس طریقہ سے باجا بجایا کہ مسلمان مشتعل ہوئے۔ جب محرم کا زمانہ آیا تو جلوس تعزیہ پر اور شیعہ حضرات کی مسجد پر رنگ پھینکا گیا۔



دہلیہ سکندری مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۷ء

## عبدالرشید کا مرافعہ نامنظور

دہلی کے مسلمانوں کی اطلاعات مظہر ہیں کہ عبدالرشید کی درخواست اپیل بالزام سوامی شردھانند جوہائی کورٹ کے حکم کی سزا کے خلاف پریوی کونسل میں زیر تجویز تھی اس کا فیصلہ ملزم کے خلاف ہوا، اور پریوی کونسل نے اپیل نامنظور کر دی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ عبدالرشید کو دہلی میں پھانسی نہ دی جائے گی بل کہ پنجاب کے علاقہ متصل صوبہ دہلی میں کسی مقام پر پھانسی دی جانے والی ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون



الفقیہ ۷ نومبر ۱۹۲۷ء

## قاضی عبدالرشید کے مرافعہ کا استرداد

پریوی کونسل لندن سے قاضی عبدالرشید قاتل شردہا نند کو ان کے وکیل نے انگلستان سے حسب ذیل مخبری پیغام روانہ کیا ہے:

”افسوس ہے کہ درخواست مسترد ہو گئی۔ وائسرائے کی خدمت میں دیوانگی

کے عذر کی بنا پر عرضداشت پیش کرو۔“

معلوم ہوا کہ دیوانگی کے عذر کی بنا پر وائسرائے کی خدمت میں درخواست کی جائے گی جسے عدالت سشن یا عدالت عالیہ مسترد کر چکی ہے۔ یہ بھی مسترد ہوگی۔ عن قریب پنجاب میں کسی جگہ ۱۰ نومبر سے پہلے پہلے پھانسی دی جائے گی۔

حکام نے فیصلہ کیا ہے کہ عبدالرشید کی نعش کا جلوس نہ نکالا جائے۔ عبدالرشید نے استرداد مرافعہ کی خبر کو نہایت سکون کے ساتھ سنا۔



الفقیہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۷ء

## قاضی عبدالرشید صاحب کے حالات

آپ سے رشتہ دار روزانہ ملاقات کرتے ہیں۔ معزز معاصر ’مبلغ‘ لکھتا ہے کہ اس خبر میں بھی کوئی صداقت نہیں ہے کہ قاضی عبدالرشید صاحب کو پانچ نومبر کو پھانسی دے دی گئی یا ۱۰ نومبر کو دی جائے گی۔ آپ اس وقت تک دہلی جیل میں ہیں اور نہایت خوش اور تن درست ہیں۔ لوگ حسب قاعدہ درخواست دے کر روزانہ ملنے جاتے ہیں۔ انہوں نے خود رحم کی درخواست کرنے سے انکار کر دیا ہے مگر ان کے والد اپنی طرف سے رحم کی درخواست کر رہے ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک پھانسی نہیں دی جاسکتی جب تک کہ وزیر داخلہ مسل کو

ملاحظہ کر کے سزائے موت کا حکم نہ دے اور مسل کو نہایت احتیاط اور غور سے دیکھا جاتا ہے چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ ۲۹ اکتوبر کو سرکاری طور پر رحم کی درخواست کی گئی ہے جب تک پریوی کونسل سے مسل نہ آجائے۔ قاضی عبدالرشید کو پھانسی نہیں دی جاسکتی۔



الفقیہ ۲۱ نومبر ۱۹۲۷ء

## قاضی عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ

بنا کردند خوش رسمے بنحاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

منقول از زمیندار-۱۶ نومبر ۱۹۲۷ء

دہلی-۱۴ نومبر ۱۹۲۷ء۔ آج علی الصباح سنٹرل جیل دہلی میں عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ حوالہ دار ورن کر دیے گئے۔ مسلمانوں کا ایک جم غفیر مرحوم کی نعش کا مطالبہ کر رہا ہے۔ شہر کے بعض حصوں میں ہڑتال ہے اور پولیس شہر کے گلی کوچوں میں تعینات کر دی گئی ہے۔  
زمیندار: قارئین کرام مرحوم کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کریں۔



## نعش کا عظیم الشان جلوس

نئی دہلی-۱۴ نومبر۔ جب عبدالرشید سوامی شردہا نند کے قاتل کو پھانسی دی گئی تو اس کے بعد شہر میں بڑا جوش خروش پھیل گیا۔ مرکزی جیل کے باہر تقریباً پچاس ہزار مسلمان جمع ہو گئے اور انہوں نے مرحوم کی نعش کا مطالبہ کیا۔ حکام چاہتے تھے کہ نعش اس قبرستان میں دفن کی جائے جو جیل کے بالمقابل واقع ہے لیکن مسلمان اس بات کے خواہش مند تھے کہ نعش جامع مسجد پہنچائی جائے اور وہاں اہتمام خاص سے نماز جنازہ ادا کی جائے جیسے نعش مسلمانوں کے حوالے کی گئی وہ

اسے ایک زبردست جلوس کی شکل میں لے کر روانہ ہو گئے اور اس برقی پیغام کی روانگی کے وقت جلوس جامع مسجد کے پاس سے گزر کر چاڈڑی بازار کے قریب پہنچ چکا ہے کہ مسلمان نعش کو صدر دہلی کے قریب حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قبرستان میں دفن کرنا چاہتے ہیں۔

### شہر میں مکمل ہڑتال

شہر میں مکمل ہڑتال ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی دوکانیں بند ہو رہی ہیں۔ سات مسلح موٹریں شہر میں گشت لگا رہی ہیں۔

### متفرق حملے

معلوم ہوا ہے کہ متفرق حملے شروع ہو گئے ہیں اور دوزخی ہندو اسپتال پہنچائے جا چکے ہیں۔

### ایک ہندو ہلاک اور تین زخمی

دہلی ۱۴ نومبر۔ (ذیل کا برقی پیغام رات کو آٹھ بج کر پچاس منٹ پر موصول ہوا۔)

عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ کے سلسلہ میں اطلاع موصول ہوئی ہے کہ ایک ہندو ہلاک ہوا، اور تین آدمی زخمی ہوئے جن میں سے اکثر چوڑی بازار اور کھاری باؤلی کے دکان دار اور ایک کے سوا باقی سب ہندو ہیں۔

حکام نے فوج کا دستہ قطب روڈ پر متعین کر دیا ہے اور مسلح موٹریں متاثرہ علاقہ میں گشت لگا رہی ہیں۔



## ہنگامہ کے متعلق ایسوسی ایٹڈ پریس کا بیان

دہلی ۱۴ نومبر۔ شہر میں جو ہنگامہ ہوا ہے اس کے متعلق معتبر تفصیلات موصول ہو رہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ صبح کے وقت نعش مرحوم کے اقربا کو اس تحریری شرط پر دی گئی کہ وہ اس قبرستان میں دفن کی جائے گی جو مرکزی جیل کے بالمقابل ہی واقع ہے۔ یہ حکم ہجوم کو پڑھ کر سنایا گیا لیکن جوں ہی نعش مرحوم کے اعزہ کے حوالے کی گئی، ہجوم میں سے بعض آدمیوں نے میت چھین لی اور



اس کو لے کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے جب یہ جلوس جامع مسجد چاڈڑی بازار، نان کنواں اور کہاری باؤلی سے گزرنے کے بعد دریہ میں پہنچا تو فوج کے دستہ اور مسٹر مورگن ایڈیشنل سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ہجوم کو روکا اور نعش کو ہجوم سے چھین کر موٹر لاری میں رکھ کر مرکزی جیل میں واپس لے آئے جہاں مرحوم کے اعزہ انتظار میں کھڑے تھے۔ مسلح موٹروں کے علاوہ دارو کشاڑ کی رجمنٹ کا ایک دستہ شہر کا گشت لگا رہا ہے۔

### سرکاری بیان

دہلی ۱۴ نومبر۔ آج کے فساد کے متعلق سرکاری اطلاع مظہر ہے کہ آج صبح عبدالرشید سوامی شر دہاند کے قاتل کو پھانسی دی گئی اور اس کے بعد دہلی میں فساد ہو گیا۔ عبدالرشید کے عزیزوں نے یہ اقرار نامہ داخل کر دیا تھا کہ وہ نعش کا کوئی جلوس نہ نکالیں گے اور اس قبرستان میں دفن کریں گے جو جیل کے بالمقابل واقع ہے۔ جیل میں مرحوم کے اعزہ کو اجازت دی گئی کہ وہ نعش کی تجہیز و تکفین کریں۔ اس اثناء میں مسلمانوں کا زبردست ہجوم جیل کے باہر جمع ہو گیا اور انہوں نے نعش کو حضرت نظام الدین کی خانقاہ میں دفن کرنے کی اجازت طلب کی لیکن یہ درخواست منظور نہیں کی گئی۔ مرحوم کے عزیزوں نے جو اقرار نامہ پیش کیا تھا اس کے بعد ان سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے دفعہ ۱۴۴ کے ماتحت ایک حکم سنا دیا تھا اور وہ ہجوم میں پڑھ کر سنایا گیا۔ زان بعد مرحوم کے رشتہ داروں کو اجازت دے دی گئی کہ وہ نعش کو دفن کر دیں لیکن ہجوم میں سے بعض سرکش آدمی آگے بڑھے اور نعش کو چھین کر تیزی کے ساتھ شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ آخر کار ہجوم کو پولیس اور سپاہ نے قطب روڈ پر روکا اور نعش کو پولیس کی زیر نگرانی قبرستان میں پہنچا دیا جہاں مرحوم کے ورثا نے نعش کو پہلی تجویز کے مطابق دفن کر دیا جب نعش کا جلوس شہر کی بعض سڑکوں میں سے تیزی کے ساتھ گزارا جا رہا تھا، اس وقت بہت سے آدمی زخمی ہوئے۔

### ایک ہندو ہلاک اور ۲۵ زخمی

معلوم ہوا ہے کہ اب تک اسپتال میں ۲۶ زخمی پہنچ چکے ہیں۔ ایک کے سوا سارے ہندو ہیں اور ایک ہندو ہلاک ہوا ہے۔

### پچاس آدمیوں کی گرفتاری

دفعہ ۱۴۴ کے ماتحت ایک حکم نافذ کر دیا گیا ہے جس کے رُو سے لائٹھیاں وغیرہ رکھنے اور

قابل اعتراض اشتہارات کی طباعت و اشاعت کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

تازہ ترین اطلاع بذریعہ ٹیلی فون

دہلی ۱۴ نومبر۔ آج رات کو ۲ بج کے ۱۶ منٹ پر ٹیلی فون کیا گیا کہ اس وقت وہاں کیا حالت ہے۔ اور اس کا یہ جواب موصول ہوا کہ اب شہر میں امن و سکون قائم ہو گیا ہے۔ پولیس فون و مسیح موٹریں شہر میں گشت لگا رہی ہیں۔ جو ہندو ہلاک ہوا، اُس کی نعش سول اسپتال میں طبی معائنہ کے لیے بھیج دی گئی ہے اور تمام زخمی اسپتال میں پہنچا دیے گئے ہیں۔



الفقیہ ۲۸ نومبر ۱۹۲۷ء

## قاضی عبدالرشید صاحب مرحوم کی روح کو ایصالِ ثواب

آج بروز جمعہ جامع مسجد حاجی پیر بخش گجرات میں قاضی عبدالرشید صاحب مرحوم و مغفور کے ایصالِ ثواب کے لیے بہ طریق سوم ختم قرآن کریم کیا گیا۔ قریباً دو بجے کے کثیر مجمع قاضی عبدالرشید مرحوم و مغفور کی روح کو ثواب پہنچایا گیا، اور ان کے پس ماندگان کے صبر و سکون اور امن و عافیت اور آرام و راحت کے لیے دعا کی گئی۔

خادم الفقراء سید ولایت شاہ

مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن گجرات پنجاب۔ خریدار الفقیہ نمبر ۱۱۰۶



الفقیہ ۱۴/۷ دسمبر ۱۹۲۷ء

## قاضی عبدالرشید کی قبر پر پولیس کا پہرہ

اخبار گور و گھنٹال ایک متعصب ہندو اخبار جو اپنی ہرزہ سرائی اور لغو گوئی میں مشہور ہے۔ اپنے ۵ دسمبر ۱۹۲۷ء کی اشاعت میں یوں لکھتا ہے:

”سوامی شر دھانند کے قاتل عبدالرشید کی جسمانی زندگی کا خاتمہ ہو گیا لیکن پھانسی چڑھنے سے پیشتر جو وہ شرارت کا بیج بو گیا۔ شوریدہ سر اور فساد کی طبیعت والے مسلمانوں کی خواہش ہے کہ وہ بیج ایک شردار درخت بن جائے۔ وہ عبدالرشید کی ایسی یادگار قائم کرنا چاہتے ہیں جسے دیکھ کر مسلمانوں کے سروں پر ہندو آزاری کا جنون سوار ہو۔ چنانچہ وہ اُسے شہید، قومی ہیرو اور اسلام کا ستون بنانا چاہتے ہیں۔ اس غرض کے لیے جاوڑی بازار کی مسلمان رنڈیوں نے اس کے جنازہ پر پھول برسائے۔ قبرستان میں اس کی قبر پر پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ اس کا کفارہ دینے کے لیے دعائیں کی جاتی اور نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ اس کوشش میں نہ صرف عام مسلمان شامل ہیں بل کہ ایسے مسلمان لیڈر ہونے کا فخر حاصل ہے۔ ان جنونی مسلمانوں کی جانب سے دہلی پولیس کو اب تو اس امر کا خدشہ پیدا ہو گیا ہے کہ اس کی مزید عزت افزائی کے لیے کہیں وہ قبر کھود کر اس کی نعش نہ نکال لے جائیں اور اس کے سلسلہ میں کوئی اور گل نہ کھلائیں چنانچہ حفظ ماتقدم کے طور پر چار کانشیلوں کا پہرہ لگا دیا گیا ہے اور جب تک قبر پختہ نہ ہوگی، پہرہ جاری رہے گا۔“



ماہ نامہ السواد الاعظم، مراد آباد دہلی، ماہ جمادی الاخرہ ۱۳۴۶ھ / نومبر ۱۹۲۷ء

## قاضی عبدالرشید صاحب مرحوم و مغفور

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آج دنیا واقف ہے اور ان کی وفات کی خبر اب نئی نہیں رہی ہے۔ جا بجا ان کے ایصال ثواب کی مجلسیں ہو چکی ہیں اور ان کو ختم کلام اللہ اور کلمہ طیبہ اور صدقات وغیرہ سے ثواب پہنچائے گئے ہیں۔ ان کے معمر والد اور نو عمر صاحب زادے اور تمام اعزہ کے صبر کے لیے دعائیں کی گئی ہیں۔ مسلمانوں کو کسی ایک مسلمان سے ہمدردی ہونا اور آخرت کے لیے اس کے حق میں دعائے خیر کرنا کچھ عجیب نہیں ہے، خاص کر ایسا مسلمان جو دم آخر ایمانِ کامل کے ساتھ روانہ ہوا ہو، اور نوافل پڑھ کر ذکر الہی کے ساتھ اس نے دنیا سے

قدم نکالا ہو۔ زندگی اور علاقہ زندگی کے غم اس کے پاس نہ آسکے ہوں اور وہ مشتاقانہ دیدارِ محبوب کے لیے جانے والے کی طرح خوش و خرم گیا ہو، اس کا تذکرہ، اس کی یاد، اس کا ایصالِ ثواب اس کے بھائی کریں تو یہ بات کچھ حیرت کے قابل نہیں ہے۔ ہندوؤں کو اس پر بہت غصہ ہے اور وہ اس کے شاکر ہیں کہ قاضی عبدالرشید صاحب کے ساتھ ایسا کیوں کیا گیا۔ اول تو ہندوؤں کو اس معاملہ میں ہم پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ہمارا ایک بھائی ہم سے جدا ہوتا ہے، ہمیں اس کے فراق کا غم ہوتا ہے یا ہم اس کے لیے ایصالِ ثواب کرتے ہیں تو آپ اس پر کیوں معترض ہوتے ہیں کیا آپ ہمارے تعلقاتِ اخوت کو قطع کر دینا چاہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ سے قاضی عبدالرشید صاحب کا صرف اتنا تعلق ہے کہ انہوں نے آپ کے ایک عزیز شخص کو قتل کیا، رسماً اور قانوناً قاتل سے انتہائی بدلہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ اُسے قتل کر دیا جائے۔ قتل کے بعد آپ کی کوئی شکایت باقی نہیں رہی۔ اب گالی گلوچ اور بدزبانی کے کیا معنی، بُرا بھلا کہنا، دل خراش اور رنجِ دہ کلمات زبان سے نکالنا یہ کون سی تہذیب ہے!!!

قاضی عبدالرشید صاحب کے ساتھ ملک کو عام طور پر ہمدردی ہو جانا اور ہر مسلمان کا ان کے اور ان کے باقی ماندوں کے لیے دعائے خیر کرنا، اس کا زیادہ باعث بھی بہ ظاہر اسباب ہندو اخبارات کی دل دوز تحریریں ہیں جتنا وہ قاضی صاحب مرحوم مغفور کو بُرا کہتے گئے ان کی مظلومیت و بے کسی کا نقش مسلمانوں کے دلوں پر جمنا گیا۔ اب اگر وہ شاکر ہیں تو انہیں اپنے ہی طرزِ عمل کی شکایت کرنا چاہیے اور اگر مسلمان اپنے بھائی کے ساتھ بے حیثی کر کے ہندوؤں کی رضا جوئی کے لیے اس کو دعاؤں سے بھی محروم کر دیتے تو ہندو مسلمان کے کیا شکر گزار ہوتے۔

پنڈت شرودھانند کے قتل کے وقت لیڈروں نے اور اخباروں کے ایڈیٹروں نے ہندوؤں کے ساتھ بہت اظہارِ ہمدردی کیا تھا اور قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فعل پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا لیکن اس کا کیا ثمرہ ہوا؟ اور ہندو تہذیب نے ان کے اس طریقِ عمل کا کیا جواب دیا؟ وہ جواب یہ تھا کہ یہ ظاہری دکھاوٹ کے الفاظ اور جھوٹا اظہارِ ناراضی کچھ قبول نہیں ہے۔ ہندوؤں کی تسلی جب ہو سکتی ہے کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ قرآن پاک کے احکام بدل دیے جائیں۔ یہ کلمے مسلمانوں کو کس قدر گھائل کر ڈالنے والے تھے، انہوں نے معذرت اور اظہارِ ہمدردی کرنے والے لیڈروں اور ایڈیٹروں کو اپنے فعل پر نادم کر دیا اور وہ ہمدردی کے کلمات لکھ

کر پچھتائے کہ ہم نے ایسی قوم کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کیا جس کے پاس ایسی ہمدردی کا جواب یہ دل و جگر چاک کر دینے والے الفاظ تھے، یہیں سے اظہارِ ہمدردی کی بلند آہنگیاں بند ہو گئیں۔ یہ خود ہندوؤں کے اپنے طریق عمل کا نتیجہ ہے، اب اسے وہ پسند کریں یا ناپسند۔ مسلمانوں کو تو ان کے طریق عمل سے سبق ملا اور شردھانند کے ایک قتل کے پیچھے قاضی عبدالرشید صاحب مرحوم مغفور کو جو خود بھی قتل کر دیے گئے۔ بُرا کہنا اور ان کے ساتھ تمام مسلمانوں کو اور مسلمانوں کے پیشواؤں کو اور مسلمانوں کے دین کو کس درجہ سیاہ باطنی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نا انصافی یہ کہ شردھانند کا شررا نگیز طرز عمل اور مسلم آزار ریش کوئی صاحب رائے ہندو وزیر بحث نہیں لاتا اور اس پر کسی قسم کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں کرتا۔

عبدالرشید بے شک شہید ہیں، مغفور ہیں۔ وہ ایمان کے ساتھ اللہ کی طاعت و عبادت کرتے ہوئے نہایت پاکبازانہ دنیا سے روانہ ہوئے، ان کا دین ایسی موت پر بشارتیں دیتا ہے، وعدہ مغفرت سنا تا ہے۔ ظاہر میں ہندوؤں کے نزدیک اگرچہ پستول چلا دینا قتل ہو مگر عاقل کے نزدیک حقیقی قتل یہ نہیں ہے بل کہ شردھانند کا حقیقی قتل یہ ہے کہ ہندوؤں نے شردھانند کو شہید کیا، شہید چھاپا، شہید نمبر نکالے اور اس کے بعد سے ہندوؤں کو شہید کہنے کا ایک سلسلہ جاری ہو گیا۔ یہ ایک شردھانند کا قتل نہیں، کروڑوں شردھانند کا قتل ہے جو تاسخ اور آواگون کے اعتقاد پر ایمان رکھتے تھے، ان کا اپنے ہم قوموں کی نسبت شہادت کا معتقد ہو جانا تاسخ کی گردن قطع کر دینا ہے اور درحقیقت شردھانند جس دھرم کا حامی تھا اس دھرم کی موت ان شہادتوں کے اعلان سے ہو رہی ہے، اس لیے میں اس کو حقیقی موت اور موثر موت عقیدے اور ملت کی موت، کروڑوں سال کی پرورش کیے ہوئے خیالات کی موت سمجھتا ہوں جس وقت ہندو پنڈت شردھانند کو ”شہید اکبر“ لکھتے ہیں ہمیں بہت خوشی ہوتی ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ اسلام کی روشنی سے اس قوم کی آنکھ کچھ تو کھلی اور دیرینہ غلطی کے ارتکاب سے اب تو اس نے اپنے کو بچایا۔ اس سے بحث نہیں کہ ”شہید“ کا لفظ بے محل اور غلط استعمال ہوا لیکن تاسخ کے ماننے والوں نے مختلف ابدان کے قیود میں رُوح کے دھکے کھاتے پھرنے کے اعتقاد کو شہادت کے لفظ سے ٹھوکر ماردی، اس کے ساتھ ہی ایک اور راز منکشف ہوتا ہے وہ یہ کہ ہندوؤں کا بڑا شخص جب ان کے عقیدے اور خیال کے بہ موجب اپنے مذہب اور دھرم کا پرچار کرتا ہو امارا جائے تو اس کے لیے وہ اُخروی عزت کا کوئی

سامان اپنے دین میں نہیں پاتے ہیں اور ایسے شخص کو بھی جو دین پر جان قربان کر دے ان کا دھرم کوئی اونچی کرسی یا بلند مسند نہیں دے سکتا، اس کو صلہ دینے کے لیے ان کے اپنے سرمایہ میں اس قدر کمی ہے کہ وہ اس کے واسطے اپنی دینی عزت کا ایک لفظ بھی نہیں لاسکتے اور مجبوراً انہیں اسلام سے ”شہادت“ کا لفظ اڑا کر اپنے بزرگ کی خاطر تواضع کرنا پڑتی ہے۔ پھر جس دین میں یہ کمی ہو کہ خاص دین کی خدمت میں مرجانے والے کے لیے بھی وہ ایک لفظ تک نہ دے سکے، وہ کیا آپ کی دستگیری کرے گا۔

ہندو و! ہم اس پر شاکی نہیں ہیں کہ تم نے ہمارے یہاں سے منصب شہادت کا ایک لفظ بے استحقاق لے لیا۔ نہیں، نہیں۔ بڑی فراخ دلی سے تیار ہیں کہ اسلام کی دی ہوئی تمام عزتیں بھی اللہ تمہیں مبارک کرے۔ لو اور خوشی سے لو، اسلام کا دسترخوان وسیع ہے۔ لفظی شہادت نہیں حقیقی شہادت حاصل کرو اور وہ تمام منازل قرب جو مسلمانوں کے لیے ہیں ان سے بہرہ یاب ہو۔ ہمارے پاس سب سے بہتر دولت اور سب سے نفیس نعمت تو حید و رسالت کا اعتقاد ہے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے مبارک لفظوں سے ادا کیا جاتا ہے۔ یہ بھی آپ کے پیش نظر ہے، قبول کیجیے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عنایت فرمائے۔



الفقیہ، ۲۱ دسمبر ۱۹۲۸ء

## قاضی عبدالرشید کی زندگی کے آخری لمحے

۱۴ نومبر کی شام کو قاضی عبدالرشید مرحوم کے ضعیف والد کو حکام جیل کی جانب سے اطلاع دی گئی کہ کل آٹھ بجے صبح ان (کے بیٹے) کو پھانسی دی جائے گی اور اس شرط پر ان کو لاش مل سکتی ہے کہ وہ جیل کے اندر ہی تجھیز و تکفین کر کے جیل کے سامنے والے قبرستان میں میت کو دفن کر دیں، نیز کسی قسم کا جلوس وغیرہ نہ نکالیں، اور نہ اندرون فصیل شہر میت کو داخل کرنے کا اقدام کریں۔

### رشتہ داروں سے ملاقات

مرحوم کے والد اور بھائیوں نے ان شرائط پر اپنی رضا مندی ظاہر کر دی اور صبح کو چھ بجے انہیں اور دوسرے رشتہ داروں کو قاضی صاحب سے ملاقات کی اجازت دے دی گئی جن میں قریبی رشتہ کی کچھ خواتین اور دس مرد تھے۔ ساڑھے چھ بجے مرحوم کے والد قاضی عبدالوحید صاحب کے ہمراہ پہلے عورتیں ملاقات کے لیے جیل میں داخل ہوئیں اور داروغہ جیل نے ملاقات کروائی۔

### مرحوم کی آخری نصیحت

مرحوم نے عورتوں کو نصیحت کی، احکام شریعت کی پابند رہیں اور نفل نماز اور نفل روزوں کا اہتمام رکھیں کیوں کہ یہی چیزیں انسان کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والی ہیں۔ اس کے بعد مستورات کو جیل کے اندر ہی ایک جدید تعمیر شدہ مکان میں بٹھا دیا گیا اور سات بجے کے قریب مردوں کو طلب کیا گیا جن میں مرحوم کے والد، دو بھائی، ایک بہنوئی، داماد اور دیگر اعزا شامل تھے جس وقت یہ سب پہنچے تو داروغہ صاحب مع چند سپاہیوں کے موجود تھے اور قاضی صاحب تنہائی کی کوٹھری میں کھڑے تھے۔ اعزہ کو صحن کے دروازے کے باہر دیوار صحن کے مقابل کھڑا کیا گیا، اسی طرح عورتوں کو بھی صحن کے باہر ہی دیکھنے کا موقع دیا گیا۔

### مرحوم کا آخری وعظ

قاضی صاحب نے خندہ پیشانی سب سے فوراً سلام علیک کی اور کہا سب کو ایک دن موت سے ہم آغوش ہونا ہے، آپ صبر سے کام لیں اور میرے لیے دعائے خیر کریں۔ چند اعزہ آب دیدہ ہوئے تو ان کو سمجھایا کہ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا) تمہارے فرض روزے اور فرض نمازیں کسی ایسے اجر کا مستحق نہیں بناتے جو ضائع ہو جائے۔

پھر فرمایا: اهل جزاء الاحسان الا الاحسان (احسان کا بدلہ احسان ہے) اب تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ”احسان“ کس کو کہتے ہیں فرض عبادت کے سوا نفل اور مستحب روزوں اور نمازوں کے پڑھنے کو مسلمان بھائیوں کی ہمدردی اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کو اس کے

علاوہ احسان کی پوری تعریف تمہیں کتب تصوف میں ملے گی جو اس کی تعریف سے بھری ہوئی ہیں۔ اس کے بعد بیان کیا کہ تین اشخاص کو ایمان کی لذت حاصل ہوتی ہے اور اس کی تفصیل بیان کی، اسی سلسلہ میں فرمایا کہ مومن کی ادنیٰ پہچان یہ ہے اس کو عبادت میں لذت اور لطف حاصل ہو۔

### مرحوم کا آخری پیغام

جیلر صاحب نے ملاقات ختم کرنے کی جلدی کی تو ایک صاحب نے کہا کہ آپ مسلمانوں کو پیغام دیجیے۔ قاضی صاحب نے ایک لمحہ سکوت کے بعد کہا کہ میں کیا پیغام دوں، جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کی مشیت سے ہوتا ہے۔ میرے متعلق لوگ بڑھا چڑھا کر باتیں کریں گے، تم ان کا خیال نہ کرنا۔ میں ایک ادنیٰ درجہ کا مولا ہوں میرے لیے دعائے خیر کرنا۔ پھر ایک لمحہ سکوت کے بعد کہا کہ ہاں ایک پیغام دیتا ہوں کہ شریعت کو مضبوط پکڑیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کے مقابلہ میں کسی زبردست سے زبردست طاقت کی بھی پروا نہ کریں، زمانہ کی نزاکت کو پہچانیں، چاروں طرف بے دینی دہریت اور ایمان کو چھیننے والی چیزیں پھیلی ہوئی ہیں ان سے بچنے کی کوشش کریں، واعتصموا بحبل اللہ جمیعا پر قائم رہیں۔

پھر فرمایا: ہاں ایک اور بات ہے وہ یہ کہ صحیح راستہ پر مسلمان اہل سنت و جماعت ہیں، بدعات کی پیروی اور اجماع امت کے خلاف عمل کرنے سے بچنا ہی نجات کا صحیح راستہ ہے۔

### بیٹے کو نصیحت

پھر جیلر نے رخصت ہونے کے لیے جلدی کی تو قاضی صاحب خاموش ہو گئے اور اعزہ نے کہا کہ آپ ہمارا کہا سنا معاف کیجیے، انہوں نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ میں نے معاف کیا، میرا خدا بھی معاف کرے، آپ حضرات بھی میرا کہا سنا معاف کیجیے، اس پر لوگوں نے باچشم نم جواب دیا کہ ہم نے معاف کیا۔ آپ کے لڑکے نے کہا کہ میرا بھی قصور معاف کریں، آپ نے اس کو بھی وہی جواب دیا، اس نے کہا میرے لیے آپ دعا کیجیے اس پر قاضی صاحب نے جواب دیا کہ خدا تمہیں سیدھے راستے پر چلائے، نیک اعمال کی توفیق دے اور تمہارا معین و مددگار ہو۔



### دوگانہ شکر ادا کیا

ایک صاحب نے کہا آپ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لیں، جواب دیا کہ الحمد للہ پڑھ چکا ہوں اور با وضو ہوں۔ قاضی صاحب نے تمام باتیں استقلال سے کیں، تیوری پر ذرا بھی بل نہ تھا اور نہ کسی قسم کا خوف و ہراس تھا البتہ آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں سے ایک قسم کی بے تعلقی ہے اور کسی دوسری طرف لوگی ہوئی ہے، آپ کی آواز میں کسی قسم کا اضطراب محسوس نہ ہوتا تھا بل کہ وقار متانت اور سنجیدگی ٹپکتی تھی، اس کے بعد تمام اعزہ کو جیل سے باہر کر دیا گیا اور صرف مستورات کو جیل کے اندر ایک مکان میں رہنے دیا گیا۔

### پھانسی کے تختے پر خدا کی یاد

جس وقت آپ کو کوٹھری سے پھانسی کے تختے پر لے جانے کے لیے نکالا گیا تو آپ بالکل باطمینان کلمہ شہادت بہ آواز بلند پڑھ رہے تھے اور جو مسلمان ملازم جیل راستہ میں ملتا اس سے سلام علیک کرتے۔ تختے پر جس وقت کھڑا کیا گیا تو سپرنٹنڈنٹ جیل نے کہا کہ آپ آہستہ آہستہ کلمہ پڑھیے چناں چہ آہستہ آہستہ کلمہ پڑھنا شروع کیا۔ ٹھیک آٹھ بجے جب تختے ہٹایا گیا اور گلے میں پھندا پڑ گیا تو نہایت بلند آواز سے لفظ ”اللہ“ کہا اور اس کے ساتھ ہی روح نکل گئی۔

عام طور پر پھانسی کے بعد انسان کی لاش بہت دیر تک تڑپتی رہتی ہے اور جان کنی کی شدید کیفیات ظاہر ہوتی ہیں لیکن حیرت کی بات ہے کہ قاضی عبدالرشید مرحوم کے جسم میں ادنیٰ سی جنبش نہ ہوئی اور ایک گھنٹہ تک لاش بے حس و حرکت لٹکتی رہی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(بہ حوالہ اخبار مسلم، راجپوت)



باب دوم

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ

غازی علم الدین ۲۲ دسمبر ۱۹۰۸ء بروز جمعرات کوچہ چابک سواراں محلہ سرفروشاں سیریاں والا بازار اندرون رنگ محل بازار لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام طالع مند تھا جو کہ نہایت غریب آدمی تھے اور پیشہ کے اعتبار سے نجارتھے۔ غازی علم الدین کے اجداد میں لہنا سنگھ مغل شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں مشرف بہ اسلام ہوئے جن کا مزار موضع پڈانہ برکی ہڈیارہ بارڈر کے قریب ”بابالہنو“ کے نام سے مشہور ہے۔

علم الدین تعلیمی میدان میں زیادہ آگے نہ بڑھ سکا تو اپنے والد کے ہمراہ فرنیچر سازی کے کام میں مشغول ہو گیا۔ کم علم ہونے کے باوجود غازی علم الدین بااخلاق اور شریف الطبع نوجوان تھا۔ ۱۹۲۹ء میں محض ۲۱ برس کی عمر میں آپ نے گستاخ رسول راج پال پر چاقو کے اشد وار کیے اور واصل جہنم کیا۔ گرفتاری ہوئی، مقدمہ چلا اور سزائے موت قرار پائی۔ اہل خانہ نے ہائی کورٹ میں اپیل کی قائد اعظم محمد علی جناح مقدمہ کی پیروی کے لیے آئے اور غازی علم الدین کا دفاع کرتے ہوئے ججوں کے سامنے بڑے جان دار دلائل پیش کیے لیکن ججوں نے تعصب ظاہر کرتے ہوئے ان کو نظر انداز کر دیا اور سزائے موت کا فیصلہ بحال رکھا۔ غازی موصوف کے اہل خانہ نے پریوی کونسل میں بھی نظر ثانی کی درخواست کی وہاں سے بھی خارج ہو گئی۔ غازی موصوف کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اور بے تابی سے آرزوئے شہادت کی تکمیل کا انتظار کرنے لگا۔

حکومت نے نقض امن کے خطرہ کے پیش نظر غازی صاحب کو لاہور سے میانوالی جیل میں منتقل کر دیا اور وہیں کچھ دن بعد سزائے موت دے کر تدفین کرنا چاہی لیکن مسلمانان لاہور نے مولانا ظفر علی خان، علامہ اقبال و دیگر قائدین کی قیادت میں بھرپور تحریک چلائی اور بالآخر علامہ اقبال کی شخصی ضمانت پر پنجاب کی انگریز حکومت غازی علم الدین کے جسد خاکی کو مسلمانوں کے حوالہ کرنے پر راضی ہو گئی۔ چنانچہ غازی صاحب کی میت لاہور لائی گئی اور چوہر جی گراؤنڈ میں تقریباً دو لاکھ مسلمانوں نے نماز جنازہ ادا کی۔ علامہ اقبال خود غازی کی قبر میں تدفین کے لیے اترے اور یہاں آپ نے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو آج زباں زد عام ہے؛

”اسی گلاں کر دے رہے تے ترکھاناں دامنڈ ابازی لے گیا“

یعنی ہم باتیں ہی بناتے رہے اور نجات کار کا لڑکا بازی لے گیا۔ (روزگار فقیر، ج ۲، ص ۳۰)



راج پال ایک دریدہ دہن اور متعصب ہندو تھا اس نے شردھانند کی روش پر چلتے ہوئے مسلمانوں کی دل آزاری اور آزی ابدی شقاوت کی کالک ماتھے پر لگائی اور اہانت رسول پر مشتمل ایک کتاب بہ نام ”رنگیلا رسول“ تصنیف کی۔ اس کتاب کی تصنیف سے مسلمانوں کو سخت رنج ہوا، خاص اس کا نام ہی اس قدر گستاخی پر مبنی ہے کہ ایک مسلمان اس کو بولنا اور سننا گوارا نہیں کرتا۔

راج پال نے یہ کتاب پہلی بار ۱۹۲۳ء میں شائع کی، مسلمانوں کے احتجاج اور اپیل پر کورٹ نے راج پال کو مختصر جرمانہ اور چھ ماہ قید کی سزا سنائی جسے دوسری عدالت نے معاف کر کے راج پال کو بری کر دیا۔

راج پال غازی علم الدین سے قبل دو غیور مسلمانوں نے حملہ کیا، ایک کا نام خدا بخش اور دوسرے کا نام عبدالعزیز خان تھا۔ ان دونوں حملوں میں راج پال بچ گیا۔ حکومت کی طرف سے اس کو سکیورٹی گارڈ بھی مہیا کیے گئے لیکن حسن اتفاق سے جب غازی علم الدین شہید نے حملہ کیا تو راج پال کا سکیورٹی گارڈ چھٹی پر تھے اور غازی موصوف نے موقع غنیمت جانتے ہوئے اس کو واصل جہنم کر دیا۔



السواد الا عظم ماہ صفر ۱۳۳۶ھ / جولائی ۱۹۲۷ء

## [ راج پال کی ملعون کتاب ]

راج پال کی ملعون کتاب جس کے متعلق پنجاب ہائی کورٹ نے مسلمانوں کے خلاف فیصلہ دے کر راج پال کو رہا کر دیا ہے۔ اس کتاب نے عالم اسلام میں تہلکہ مچا دیا ہے اور مسلمانوں کی زندگی مکدر ہو گئی ہے۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ سے مسلمانوں کی فریادوں کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور وہ ایسے گستاخ بد لگام کو سزا نہ دیے جانے سے نہایت مغموم و مضطرب ہیں جب تک اس کو سخت سے سخت سزا نہ دی جائے گی مسلمانوں کا غم و غصہ قلق و اضطراب کم نہیں ہو سکتا ہے بل کہ زیادہ عرصہ ہونے اور ہندوؤں کی طرف سے نمک پاشیوں کا سلسلہ جاری رہنے کے سبب ممکن ہے کہ مسلمانوں کی بے چینی اور بڑھ جائے۔ راج پال نے اس کتاب کا نام بھی ایسا رنج دہ رکھا تھا جس کے تلفظ سے بھی مسلم قلب کو ایذا ہوتی ہے مگر سمجھانے کے لیے تجویزوں اور ریزولوشنوں میں اس کتاب کا وہی نام لیا جاتا ہے لفظ ”رسول“ کے ساتھ ”رنگیلا“ کا ملانا مسلم قلب سے برداشت نہیں ہو سکتا اور اس توہین کے کلمہ کا بار بار اعادہ بھی سخت تکلیف کا موجب ہے اس لیے اہل اسلام سے استدعا ہے کہ وہ اس کے متعلق جس قدر جلسے کریں، ریزولوشن بنائیں۔ ان میں کہیں اس کتاب کو اس نام سے ذکر نہ کریں بلکہ اس کو ”راج پال کی ناپاک کتاب / ملعون کتاب“ کے لفظوں سے تعبیر کیا کریں۔

### آریہ کی شررا نگیز کتاب

آریہ جماعت جس طرح امن کی دشمن ہے، تہذیب و شائستگی سے بھی اس کو پوری پوری عداوت ہے۔ روزمرہ اس کی طرف سے نئی نئی شررا نگیزیاں ہوتی رہتی ہیں۔ بدزبانی و گندہ دہنی اس جماعت کا طرہ امتیاز ہے۔ آج کل راج پال کی کمینہ تحریر نے جس پر پنجاب ہائی کورٹ میں مقدمہ چل رہا تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو نہایت رنجیدہ اور مغموم کر دیا ہے۔ اس کتاب کا نام تک انہیں روحانی ایذا پہنچاتا ہے، بچہ بچہ مضطرب و بے چین ہو رہا ہے۔ ہر طرف سے اس

کے خلاف آہ و بکا کا شور مچ رہا ہے۔ تمام اہل اسلام غم و غصہ سے بے تاب ہے۔ ہائی کورٹ پنجاب کا فیصلہ اور راج پال کی رہائی مسلمانوں کے قلوب کو صدمہ پہنچانے والی ہوئی۔ ہر خطہ ملک میں جلسے ہو رہے ہیں اور اس ناقص اور کمینہ کتاب اور اس کے مصنف پر نفرت و حقارت اور ہائی کورٹ پنجاب کے فیصلہ پر اظہارِ رنج و ملال کیا جا رہا ہے۔

انجمن اہل سنت و جماعت مراد آباد کا ایک خاص جلسہ

اس رنج و ملال سے بے تاب ہو کر یکم محرم ۱۳۴۶ھ کو انجمن اہل سنت و جماعت مراد آباد کا ایک خاص جلسہ بہ صدارت مولانا مولوی اکرام الحق صاحب اشرفی منعقد ہوا، جس میں حسب ذیل قرارداد منظور کی گئی:

”یہ جلسہ کتاب ”رنگیلا رسول“ کے مقدمہ کے متعلق ہائی کورٹ پنجاب کے آخری فیصلہ پر نہایت رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ اس فیصلہ سے مقدس بزرگانِ مذہب کے حق میں بدزبانی کرنے والوں کو براءت ہوگی اور ملک کی فضا مسموم ہو جائے گی۔ مسلمان اپنے پیشوا کی شان میں کوئی ناقص کلمہ برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لیے گورنمنٹ کے متدعی ہیں کہ مسلمانوں کے ایمانی و روحانی جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب تدبیر اختیار کرے۔“

محرک: صدر الافاضل حضرت مولانا مولوی محمد نعیم الدین صاحب

موید: حکیم مولوی ابرار الحق صاحب



السواد الاعظم ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ / ستمبر ۱۹۲۷ء

## [ راج پال پر پہلا حملہ ]

راج پال پر حملہ کرنے کے الزام میں لاہور کے مجسٹریٹ ضلع کے اجلاس سے خدا بخش نامی ایک مسلمان کو چھ سال کی قید سخت تین ماہ قید تنہائی اور بعد انقضائے میعاد قید ہزار ہزار روپیہ کی تین ضمانتیں اور ضمانتیں بہم نہ پہنچنے کی صورت میں تین سال مزید قید محض کی نہایت سخت سزا ہوئی ہے۔ خدا بخش جرم سے منکر ہے، اس کی طرف سے کوئی صفائی بھی نہیں پیش ہوئی اور غالباً وہ کسی وکیل سے قانونی مدد بھی نہ حاصل کر سکا۔ ان کا بیان ہے کہ وہ کوئی کتاب خریدنے کے لیے راج پال کی دوکان پر گیا تھا۔ اس نے اس سے سخت کلامی کی اور اس کے ترکی بہ ترکی جواب دینے پر ہاتھ پائی ہو گئی اور ہندو دھکیل کر اس کو دوکان میں لے گئے، یہاں اس کو زور و کوب کیا۔ اس کا بیان ہے کہ اس کو خبر نہیں کہ راج پال کے کس طرح زخم لگے۔

ہندوؤں کی موجودہ حالت یہی ہے کہ وہ مسلمانوں سے درشت کلامی اور ترش روئی سے پیش آتے ہیں اور بے وجہ چھیڑ چھاڑ پیدا کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ کچھ بعید نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو مار پیٹ کر مقدمہ میں پھانسنے کے لیے اپنے بدن پر بھی زخم بنا لیے ہوں۔ گو واقعہ کی نسبت یقین کے ساتھ حکم نہیں کیا جاسکتا مگر اتنی بات بعید از قیاس نہیں ہے۔ اس لیے خدا بخش کے عزیزوں کو اور اگر ایسے عزیز نہ ہوں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کا اپیل کریں اور اس کو قانونی امداد پہنچانے میں غفلت اور سہل انگاری سے کام نہ لیں تاکہ ایک دادخواہ اپنے قانونی حق سے محروم نہ رہے۔ بعض ہندو لیڈروں نے ”یوم راج پال“ منانے کی جو آواز اٹھائی ہے اس سے سخت اشتعال اور ملک کے امن میں خلل اندازی کا قوی اندیشہ ہے۔ گورنمنٹ کو اس پر غور کرنا چاہیے۔



نور افشاں ۳۰ ستمبر ۱۹۲۷ء

## راج پال پر نا کام قاتلانہ حملہ

لاہور ۲۶ ستمبر؛ آج صبح ساڑھے آٹھ بجے کتاب ”رنگیلا رسول“ کے ناشر راج پال کو چاقو سے زخمی کیا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص مستی خدا بخش نامی راج پال کی دکان پر جو ہسپتال روڈ پر گور و گھنٹال کے دفتر کے نیچے ہے۔ آیا اور اس نے ایک کتاب طلب کی۔ راج پال نے کتاب نکال کر دی۔ ملزم کی روایت سے بیان کیا جاتا ہے کہ اس خرید و فروخت کے سلسلہ میں تو ٹومیں میں اور پھر سخت کلامی تک نوبت آگئی اور ملزم نے کسی اشتعال انگیز فقرے کے جواب میں راج پال پر چاقو سے حملہ کیا۔ راج پال نے مدد کے لیے آواز بلند کی تو وہ آریہ جو بھگوے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور جن کے نام سوتنڑا اور ویدانند بتائے جاتے ہیں۔ ملزم پر پیل پڑے مگر ملزم پوری طرح سے گرفت میں نہ آسکا۔ ان دونوں میں سے ایک نے ”پولیس پولیس“ کا غل مچا دیا۔ جس کے جواب میں پرتاپ اخبار کا ایک منشی محمد اکرم بروقت آ پہنچا۔ اس کے ساتھ لالہ لعل چند فلک بھی پہنچ گئے۔ ان لوگوں نے ملزم کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا۔ سٹی پولیس کے دو مسلمان کانسٹیبل جو سڑک پر پہرہ دے رہے تھے ادھر سے آنکے اور ان سب نے ملزم کے ہاتھ سے چاقو چھین لیا۔

### بیان کردہ حملہ آور کا حلیہ

بیان کیا جاتا ہے کہ حملہ آور لاہور کا رہنے والا اور کاشمیری ہے اس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ ہے، اس کا جسم فر بہ رنگ گورا قد لمبا اور کٹھی مضبوط ہے جس وقت یہ وقوعہ ہوا، اس وقت وہ ترکی ٹوپی، کھلا کوٹ، بنگال قمیص اور علی گڑھ فیشن کا پاجامہ پہنے ہوئے تھا اور اس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی وہ چاقو اس سے چھینا ہوا بتایا جاتا ہے، اس کا پھل چار انچ سے زیادہ وہ لمبا نہیں اور اس کی دھار بالکل معمولی ہے اور باورچی خانوں کے چاقوؤں سے زیادہ تیز نہیں۔ پیدائش کے لمحے سے آج تک اس نے خلافت یا کسی اور قومی تحریک میں کوئی حصہ نہیں لیا، البتہ بیان کیا جاتا ہے



کہ وہ جال ہی میں تین سال کی سزائے قید بھگت کر آیا ہے جو اسے زیر دفعہ ۷۷۳ تعزیرات ہند (جرم خلاف وضع فطرت) دی گئی تھی۔

### حکام کی مستعدی

وقوعہ کے پندرہ بیس منٹ بعد راج پال کی دکان کے سامنے تماشا نیوں کا جم غفیر جمع ہو گیا تھا۔ اطلاع ملنے پر باوامنی رام ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس متعینہ انارکلی مسٹراو گلوئی ڈپٹی کمشنر اور لالہ نند چندہ موقع پر پہنچ گئے۔ ملزم کو پولیس کی حراست میں انارکلی کے تھانہ میں پہنچایا گیا اور بعد میں موٹر لاری میں بٹھا کر بورٹل جیل کی جوڈیشل حوالات میں بھیج دیا گیا۔ چاقو اور وہ چیزیں جو ملزم کے قبضے سے جامہ تلاشی کے دوران میں برآمد کی گئیں انارکلی کے تھانہ میں رکھ لی گئیں۔

### زخموں کی حالت

راج پال کو کل چار زخم آئے مگر خون غیر معمولی طور پر زیادہ نکلا، اسے فی الفور میوہسپتال پہنچا دیا گیا۔ جہاں کلوروفارم سنگھا گراس پر عمل جراحی کیا گیا۔ ہسپتال کے ذمہ دار اس کی ملاقات کے لیے کسی مسلمان کو بالخصوص اور عوام کو بالعموم اجازت نہیں دیتے۔ تاہم معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس کے زخم چنداں شدید نہیں ہیں اور اس کی جان کے لیے چنداں خطرہ نہیں۔ ایک معمولی زخم اس کے دائیں کندھے کے قریب لگا ہے دوسرا چھاتی پر بائیں پستان پر جس کی گہرائی ثلث انچ سے کچھ زیادہ ہے۔ تیسرا زخم دائیں ران پر پہنچا ہے جس کی لمبائی دو انچ ہے۔ چوتھا زخم جو دائیں بازو پر آیا ہے البتہ قدرے گہرا ہے۔



## ڈپٹی کمشنر کا اعلان

لاہور ۲۶ ستمبر (۱۲ بجے دوپہر) ڈپٹی کمشنر لاہور نے ایسوسی ایٹڈ پریس کو ٹیلی فون پر

جب ذیل اطلاع دی ہے:

”آج صبح کے حملہ کے سلسلے میں اطلاع دی جاتی ہے کہ راج پال خطرے میں

نہیں اسے چاقو کے تین زخم لگے ہیں، ایک بازو پر ایک ران میں اور ایک معمولی سی

خراش سینہ میں۔ اس کا حملہ آور ہیرامنڈی کا کوئی خدا بخش بتایا جاتا ہے۔“

## محکمہ اطلاعات پنجاب کی اطلاع

لاہور ۲۶ ستمبر؛ راج پال پر ایک مسلمان مستمی خدا بخش نے آج صبح نو بجے اس کی دکان واقعہ ہاسپٹل روڈ میں حملہ کیا۔ راج پال کو چاقو کے تین زخم لگے ہیں لیکن اس کی حالت خطرناک نہیں، مجرم موقع پر گرفتار کر لیا گیا۔ (ڈائریکٹر محکمہ اطلاعات پنجاب)



نور افشاں ۷ اکتوبر ۱۹۲۷ء

## راج پال پر قاتلانہ حملہ کے مقدمہ کا فیصلہ

راج پال پر قاتلانہ حملہ کرنے کے لیے زبردفعہ ۳۰۷ ملزم خدا بخش کے خلاف جو مقدمہ چل رہا ہے وہ ۲۸ ستمبر کو صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں پھر پیش ہوا، کارروائی کے آغاز میں عدالت نے ملزم سے سوال کیا کہ کیا وہ کسی گواہ پر جرح کرنا چاہتا ہے؟ ملزم نے جواب میں کہا کہ نہ تو وہ کسی گواہ پر جرح کرے گا اور نہ صفائی پیش کرے گا۔

اس کے بعد باوامنی رام صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جگت رام ہیڈ کانسٹیبل تھانہ انارکلی، لکھ میداں ہیڈ کانسٹیبل، چودھری مول چند ساہوکار اور لالہ نانک چند کلاتھ مرچنٹ کی شہادتیں ہوئیں۔

اس کے بعد راج پال کا بیان عدالت نے میوہسپتال میں ملزم کی موجودگی میں جا کر لیا۔

## راج پال کا بیان

میں تاجر کتب ہوں۔ سوم وارساڑھے آٹھ بجے کا واقعہ ہے کہ میں دکان کے اندر کام کر رہا تھا۔ میرے نوکرنے آواز دی کہ سوامی جی مجھے بلارہے ہیں۔ میں باہر آ گیا اور دکان کے تھڑے

پر کھڑا ہو گیا۔ سوامی سوتنترانند جی اور سوامی ویدانند جی باہر کھڑے تھے۔ سوامی ویدانند جی نے مجھے چند کتب جلد بندھوانے کے لیے دی تھیں جب میں انھیں کتابیں دکھا رہا تھا۔ میں نے آرمی پولیس کے نزدیک ملزم کو دیکھا میں پھر اپنے کام میں لگ گیا۔

ملزم نے اچانک میرے سامنے آ کر میری چھاتی پر چاقو سے حملہ کیا جب اس نے چاقو مارا، میں پیچھے ہٹ گیا تاہم چاقو مجھے لگا اور خون جاری ہو گیا۔ ملزم نے مجھے دھکیل کر دکان کے اندر کر دیا۔ میں اندر جا کر نیچے گر پڑا، ملزم میرے اوپر چڑھ گیا۔ میں اپنی چھاتی کو چاقو کے حملے سے بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ سوامی سوتنترانند کے پہنچنے سے پیشتر ملزم نے مجھے چھ زخم لگائے۔ سوامی جی نے آ کر ملزم سے چاقو چھیننے کی کوشش کی۔ ملزم یہ کہے جاتا تھا کہ ”کافر! آج تم میرے ہاتھ آئے ہو، میں تمہیں مار کر چھوڑوں گا۔“

جس وقت سوامی سوتنترانند نے ملزم کا ہاتھ پکڑ لیا، ملزم نے مجھے بازو پر دانتوں سے کاٹا۔ پندرہ بیس دن پہلے ملزم میری دکان کے آگے سے گزر رہا تھا۔ میں نے کرم دین درزی کی دکان پر اسے بیٹھے دیکھا تھا۔ پھر معلوم ہوا کہ ملزم جلد سازی کی دکان کھولنے کے لیے میرے بازار میں دکان لینا چاہتا ہے۔ مجھے ہائی کورٹ یعنی مقدمہ رنگیلا رسول میں مئی گذشتہ میں بری کر دیا تھا۔ بری ہونے کے بعد میں نے اخبارات میں اعلان شائع کرایا کہ میں کتاب رنگیلا رسول دوبارہ شائع نہیں کروں گا، اس کے باوجود انجمن خدام (الدین) نے شیرانوالہ دروازہ میں میرے قتل کا فیصلہ دے دیا۔ میری رائے میں مجھ پر حملہ کتاب رنگیلا رسول کی اشاعت اور مسلمانوں کی ایچی ٹیشن کا نتیجہ ہے۔ مجھے ملزم سے اب بھی خطرہ ہے۔

ملزم سے سوال پوچھنے کے متعلق

جب ملزم سے دریافت کیا گیا کہ آیا وہ کوئی سوال کرنا چاہتا ہے تو ملزم نے کہا کہ یہ رنگیلا رسول کا لفظ کیوں زبان سے نکالتا ہے اس کی زبان بند کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد ڈاکٹر میتھیوز اور ڈاکٹر سنت رام ہاؤس سرجن میو ہسپتال اور نقشہ نویس کے بیان ہوئے اور ملزم کا دوبارہ بیان ہوا۔

ملزم کا دوبارہ بیان

تمام گواہوں نے بیان کیا کہ خدا بخش قتل کی نیت سے آیا تھا۔

(ملزم خدا بخش نے کہا) اگر میرا ارادہ قتل کا ہوتا تو میں گھر سے کافی طاقت لے کر آتا اور معمولی چاقو کی بجائے کوئی مہلک ہتھیار لے کر حملہ کرتا اور اچھے موقع کی تلاش کرتا۔ اگر میری قتل کرنے کی نیت ہوتی تو میں اس وقت حملہ نہ کرتا۔ جب وہاں اتنے آدمی کھڑے تھے کیا مجھے ان کی طاقت کا احساس نہ تھا۔ میں نہ چاقو لے کر راج پال کے قتل کے ارادہ سے گیا اور نہ ہی میں نے چاقو مارا، میں فقط ہیر کی کتاب لینے گیا تھا۔

### عدالت کا فیصلہ

فاضل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے ملزم کو سات سال قید سخت جس میں تین ماہ قید تنہائی بھی شامل ہے۔ کی سزا کا حکم دیا۔ میعاد قید کے بعد ملزم کو پانچ پانچ ہزار روپیہ کی تین سال کے لیے حفظ امن کی تین ضمانتیں زبردفعہ ۱۰۶ ضابطہ فوجداری داخل کرنی ہوں گی۔ ضمانت نہ دے سکنے کی صورت میں تین سال مزید قید محض بھگتنی پڑے گی۔ (پرکاش)



نور افشاں ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۷ء

## عبدالعزیز خاں کے خلاف مقدمہ

### گواہان استغاثہ کے بیانات

لاہور، ۱۱ اکتوبر؛ آج مسٹر اوگلوئی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں عبدالعزیز خاں کے خلاف سوامی ستیانند و لالہ نانک چند بزاز اور ان کے بھائی چونی لال پر حملہ کرنے کے الزام میں مقدمہ پیش ہوا۔ رائے صاحب مہتہ ایشر داس کورٹ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ استغاثہ کی طرف سے پیروکار تھے۔ ملزم کی طرف سے کوئی وکیل پیروی کے لیے موجود نہ تھا۔

### لالہ نانک چند ناز کی شہادت

سب سے پہلے لالہ نانک چند ناز سابق ایڈیٹر پرتاپ کی شہادت ہوئی۔ آپ نے بیان کیا کہ پرسوں وقوعہ کے وقت میں دفتر پرتاپ میں تھا کہ اچانک بازار سے آواز آئی؛

”ایک آدمی مجھے مار گیا ہے اسے پکڑو“

میں نے چھجے پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ سوامی ستیانند راج پال کی دکان پر کھڑے ہیں۔ ایک آدمی بھاگا جا رہا تھا۔ سوامی جی اس کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہے تھے کہ وہ بھاگا جا رہا ہے پکڑو پکڑو۔ میں نے فوراً پولیس کو بہ ذریعہ ٹیلی فون اطلاع دی۔ گواہ کو رپورٹ ابتدائی پڑھ کر سنائی گئی جو گواہ نے درست تسلیم کی۔

ملزم کی جرح کے جواب میں گواہ نے کہا بہت سے آدمی ملزم کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے نیچے آ کر ملزم کو کانشیبل کی حراست میں دیکھا۔

### سید برکت علی شاہ

سید برکت علی شاہ بورڈ نوٹس اور پینٹرنے بیان کیا کہ میری دکان راج پال کی دکان کے سامنے ہے وقوعہ کے وقت میں اپنی دکان پر کام کر رہا تھا، بازار میں پکڑو پکڑو کا شور سنا اس پر میں نے اپنی دکان کے تھڑے پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ نانک چند کپور نے ملزم کو پکڑا ہوا تھا۔ ملزم کے ہاتھ میں چاقو تھا جو اس نے اس کی پشت پر مارا، نانک چند پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے پھر ملزم کو پکڑنے کی کوشش کی تو اس نے اس کی آنکھ پر چاقو مارا۔ اس پر نانک چند کا بھائی چونی لال لپک پڑا، مگر ملزم نے اس کے پیٹ میں چاقو مارا۔ بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ ملزم انارکلی کی طرف بھاگ گیا۔ میں نے سوامی کو بھی زخمی دیکھا تھا۔ جرح پر گواہ نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ ملزم نے سوامی کو کیوں مارا۔

### بھگوانا کانشیبل

بھگوانا کانشیبل نمبر ۲۶۴۱ نے بیان کیا کہ اتوار کی شام کو مجھے لوہاری گارڈ کی چوکی پر تعینات کیا گیا تھا، میں شام کے چار بجے کے قریب ڈیوٹی سے فارغ ہو کر چوک میں کچھ پانی وغیرہ پینے آیا۔ ہسپتال کی طرف سے شور ہوا، ”چاقو مارا ہے پکڑو پکڑو“ ملزم بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ ملزم کے ایک ہاتھ میں چاقو تھا اور دوسرے میں اُسترا۔ میں نے ملزم کو پیچھے سے پکڑ کر نیچے گرا دیا جس سے ملزم کی پیشانی پر ضرب آئی اور ملزم کے ہاتھ سے چاقو اور اُسترا کے بعد دیگرے چھین لیے۔ ملزم نے مجھے بھی مارنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا (چاقو اور اُسترا گواہ نے عدالت میں شناخت کیے) گواہ نے کہا کہ اس وقت بھی چاقو اور اُسترا پر کپڑے کے ٹکڑے باندھے ہوئے تھے۔ گواہ نے کہا کہ وہاں سے ملزم کو میں قابو کر کے گارڈ میں لے آیا اور سب انسپکٹر کے

رُوبرو پیش کر دیا۔ ملزم کے ہاتھ اس وقت خون آلود تھے۔  
ملزم کے سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ میں نے ملزم کو اکیلے پکڑا تھا۔

### شیخ جان محمد سب انسپکٹر

شیخ جان محمد سب انسپکٹر تھانہ انارکلی وارڈ نمبر ۱ نے بیان کیا کہ وقوعہ کے وقت میں گارڈ نمبر ۲ میں تھا، وہاں مجھے بہ ذریعہ ٹیلی فون وقوعہ کی اطلاع ملی۔ میں پہلے سیدھا محل واردات پر گیا، وہاں جا کر دیکھا کہ مصروب ہسپتال جا چکے تھے اور ملزم گارڈ میں پہنچا دیا گیا تھا۔ میں نے راج پال اور نانک چند کی دکانوں پر خون کے نشان دیکھے۔ میں نے گارڈ میں جا کر دیکھا کہ ملزم وہاں موجود تھا۔ بھگوانا نے میرے رُوبرو چاقو اور اُسترا پیش کیا جس کی فرد مرتب کی گئی۔ میں نے ملزم کا معائنہ کیا۔ اس کی پیشانی پر ضرب دونوں کہنیوں پر رگڑ اور ہاتھوں پر خون کے نشانات تھے۔ میں نے ملزم کی ضربات کا نقشہ تیار کیا اور ڈاکٹر صاحب سے ملاحظہ کرایا۔ میں نے راج پال کی دکان سے خون آلود چٹائی بھی قبضہ میں لی تھی۔

### ملزم کا بیان

عبدالعزیز ولد عبداللہ ذات پٹھان عمر ۲۸ سال ساکن غزنی (افغانستان) نے حسب ذیل بیان دیا:

سوال: کیا تم نے راج پال کی دکان پر سوامی ستیانند پر چاقو سے حملہ کیا تھا؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: تم نے کیوں مارا؟

جواب: میں راستہ سے گزر رہا تھا۔ سوامی ستیانند ایک اور آدمی کے ساتھ دکان پر بیٹھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ہمارے مذہب کی توہین کر رہا ہے اور سنا کہ وہ بہت بُرے الفاظ استعمال کر رہا تھا۔ میں نے اسے منع کیا کہ ایسی باتیں مت کرو۔ اس پر جھگڑا ہو گیا اور سوامی نے مجھ پر لکڑی سے حملہ کیا۔ سوامی نے مجھے پکڑ لیا، اس پر آٹھ نو دکان داروں نے مجھ پر حملہ کیا۔ دوپٹی اینٹیں میری دونوں کہنیوں پر لگیں۔ میں نے اپنی جان بچانے کی خاطر چاقو اور اُسترا اپنی جیب سے نکال لیا تاکہ خوف زدہ ہو کر مجھ پر کوئی حملہ نہ کرے، چوں کہ بہت سے آدمی مجھ پر حملہ

کر رہے تھے اور کئی ایک مجھے پکڑ رہے تھے، اس لیے میں نے اپنے تئیں حفاظت کے لیے اُسترا مارا۔ شاید کسی کے لگا ہو۔ میں اپنے تئیں حملوں سے بچانے کی خاطر چاقو اور اُسترا اہلاتا ہوا جا رہا تھا جس نے مجھ پر حملہ کیا ہوگا اس کے لگا ہوگا۔ چوک میں ایک کانٹھیل کھڑا تھا اس نے مجھے پکڑ لیا اور میں نے چاقو اور اُسترا اس کے حوالے کر دیا۔

سوال: کیا چاقو یہی ہے جو عدالت میں تم کو دکھایا گیا ہے؟

جواب: جی ہاں، میں نے چاقو کو آسانی سے کھولنے کے لیے کپڑے کے ٹکڑے سے

باندھا تھا۔

سوال: کیا تم اسے ہمیشہ کھلا رکھتے ہو؟

جواب: جس وقت انہوں نے مجھ پر حملہ کیا میں نے اس وقت کھولا تھا۔

سوال: اُسترا کس کا ہے؟

جواب: اُسترا میرا ہے۔

سوال: کیوں اپنے پاس رکھتے ہو؟

جواب: میں اسے قلم تراشنے اور بال کاٹنے کے لیے استعمال کرتا ہوں۔

سوال: کیا یہ موجودہ حالت میں تھا؟

جواب: نہیں۔ جس وقت مجھ پر حملہ کیا گیا تھا اس وقت کھولا تھا۔

سوال: اُسترا کیوں باندھا تھا؟

جواب: اُسترا اس لیے باندھا رکھا تھا کہ یہ کہیں جیب میں کھل نہ جائے اور میں کہیں زخمی

نہ ہو جاؤں۔

سوال: لاہور کب آئے تھے؟

جواب: لاہور میں آئے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا ہوگا۔

سوال: کیا تم نے نانک چند اور چونی لال کو زخمی کیا تھا؟

جواب: میں کسی کو نہیں جانتا۔

سوال: کیا تم نے سوامی کے علاوہ دو اور اشخاص کو زخمی کیا؟

جواب: میں نہیں جانتا کہ میں نے کتنے آدمیوں کو زخمی کیا تھا۔

## فرد جرم لگادی گئی

زاں بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ملزم کے خلاف دفعہ ۳۰۷ تعزیرات ہندسوامی ستیانند، نانک چند اور چونی لال پر قاتلانہ حملہ کرنے کے الزام میں تینوں حملوں کے لیے علاحدہ علاحدہ فرد جرم لگائی۔

## ملزم کا ارتکاب جرم سے انکار

ملزم نے ارتکاب جرم سے انکار کیا اور کہا کہ میں بے گناہ ہوں۔ زاں بعد مقدمہ کی سماعت کل پر ملتوی ہوئی۔ (زمیندار)

## راج پال کی حالت

لاہور، ۷ اکتوبر؛ راج پال ابھی تک ہسپتال میں ہے، پولیس کا پہرہ بدستور ہے۔ اس کا چھاتی کا زخم اچھا ہو چکا ہے لیکن ران اور بازو کے زخم ابھی تک اچھے نہیں ہوئے۔ ہنوز بازو کے زخم سے خون آتا ہے، نیز اس سے گاہے گاہے حرارت ہو جاتی ہے۔ چھ اکتوبر کی شام کو ٹمپریچر ۹۹ تھا۔ (زمیندار)



روزنامہ انقلاب ۹ اپریل ۱۹۲۹ء

## راج پال قتل کر دیا گیا

لاہور میں پولیس اور فوج کے زبردست پہرے

آٹھ دن کے لیے جلسے اور جلوس بند

رُسوائے عالم کتاب ”رنگیلا رسول“ کے راج پال پبلشر کو شنبہ مورخہ چھ اپریل اڑھائی بجے بعد دوپہر کے قریب اس کی دکان واقعہ ہسپتال روڈ بازار میں نو (۹) انچ لمبے چہرے سے ہلاک کر دیا گیا۔ چہرہ ادل کے اوپر سینہ میں گھونپا گیا جو جسم کے پار جانکلا۔



## قتل

پولیس نے اس واقعہ قتل کے سلسلہ میں ایک مسلمان نوجوان کو گرفتار کیا ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ راج پال کو قتل کر کے میوہسپتال کی طرف بھاگا۔ راج پال کے ملازم اور دیگر اشخاص نے اس کا تعاقب کیا اور وہ لکڑی کے ایک ٹال (ذخیرہ) فروختی کے پھانک میں داخل ہو گیا۔ جہاں پر سیتارام مالک ذخیرہ کے بیٹے ودیارتن نامی نے اسے پکڑ لیا اور تعاقب کرنے والی پولیس کے سپاہیوں کے حوالے کر دیا جو چند منٹ کے اندر اندر وہاں پہنچ گئے تھے۔

اس نوجوان نے اپنا نام ”علم دین“ بتایا ہے وہ قوم کا ترکھان ہے۔ اس کی عمر پچیس چھبیس سال کی بتائی جاتی ہے۔ گرفتاری کے وقت اس کے سر پر گلابی رنگ کی پگڑی تھی اور وہ دھاری والی قمیص اور سفید شلوار پہنے ہوئے تھا۔ اس نوجوان کی مونچھیں چھوٹی چھوٹی اور داڑھی منڈھی ہوئی ہے۔

## مقتول

مقتول ایک کتب فروش تھا جو عام طور پر آریہ مذہب کا لٹریچر فروخت کیا کرتا تھا۔ ۱۹۲۳ء میں اس نے ایک کتاب ”رنگیلار رسول“ کے نام سے شائع کی تھی جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مصنف نے دریدہ و ذنی سے کام لیا تھا۔ مسلمانوں میں اس کتاب کی اشاعت پر ہجمن پھیلا۔ حکومت نے مقدمہ چلایا۔ ماتحت عدالت سے اسے اس کتاب کی اشاعت پر دو سال قید با مشقت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی۔ اپیل کرنے پر عدالت عالیہ پنجاب نے اسے بری کر دیا۔ کیوں کہ عدالت مذکور کے خیال میں اس کے جرم کے لیے قانون میں کوئی تعزیر ہی نہ تھی۔

## مسلمانوں کا رنج

اس واقعہ نے مسلمانوں کو اور بھی برا فروختہ کر دیا چنانچہ عدالت کے اس فیصلہ کے خلاف احتجاج کی ایک پُر زور لہر اٹھی جس میں متعدد فدایانِ اسلام کو قید و غیرہ کی سختیاں جھیلنی پڑیں اور حکومت انبیائے کرام کے نیک ناموں کے تحفظ کے لیے ایک قانون بنانے پر مجبور ہو گئی۔

راج پال پر جو عدالت عالیہ پنجاب کے فیصلہ کی بدولت اپنے کیے کی سزا سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو چکا تھا۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء کو ایک مسلمان نوجوان مسمیٰ ”خدا بخش“ نے چاقو سے حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا تھا۔ حملہ آور کو سات سال قید بامشقت مع تین ماہ قید تنہائی کی سزا ہوئی تھی۔ ایک شخص مسمیٰ ”عبدالعزیز خان“ نے اکتوبر ۱۹۲۷ء کو راج پال کی دکان پر ایک اور شخص کو چاقو سے زخمی کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حملہ بھی شخص مذکور کو راج پال سمجھ کر کیا گیا تھا۔

### واقعہ

بیان کیا جاتا ہے کہ راج پال اپنی دکان پر بیٹھا کام کر رہا تھا کہ ایک نوجوان نے سر کو پکڑ کر اسے فرش پر لٹا لیا اور نو (۹) انچ پھل کا چاقو اس کے سینے میں گھونپ دیا جو جسم کے دوسری طرف نکل گیا۔ راج پال نے ایک چیخ ماری اور حملہ آور بھاگ گیا جس کا تعاقب کیا گیا۔ راج پال کی جان اس وقت تک نکل گئی۔

### چھرا

جس چھرے سے راج پال کو ہلاک کیا گیا، نعش کے پاس پڑا ہوا اور خون آلود تھا۔ اس کا پھل نو (۹) انچ لمبا تھا۔

### سنسنی

جوں ہی واقعہ کی اطلاع بازار میں پھیلی، لوگ جوق در جوق راج پال کی دکان پر جمع ہونے لگے۔ پولیس بھی کافی تعداد میں جلد پہنچ گئی جس نے دکان کا محاصرہ کر لیا اور لوگوں کو پیچھے ہٹا کر بازار کی ناکہ بندی کر دی۔ پولیس کے بڑے بڑے افسر اور دیگر حکام ضلع بھی موقع پر پہنچ گئے۔ پولیس نے نعش کی تصویر اتاری۔ اور موقع واردات کا نقشہ تیار کیا۔ نعش کو پوسٹ مارٹم کے لیے ہسپتال پہنچا دیا گیا۔

### احتیاطی تدابیر

پولیس کے بڑے بڑے افسر اور دیگر حکام ضلع شام کے بعد تک لوہاری دروازہ کی پولیس کی چوکی میں بیٹھے رہے تاکہ شہر کی صورت حال سے باخبر رہیں کیوں کہ اس حادثہ سے شہر بھر میں

سنسنی پھیل گئی تھی۔ پولیس کے افسروں نے قیام امن کی احتیاطی تدابیر احتیاط کرنے کے لیے مشاورتی جلسہ کیا، پہرے متعین کر دیے گئے اور پولیس کی ٹولیاں گشت لگانے کے لیے چھوڑ دی گئیں۔ چھاؤنی سے گورافوج بلالی گئی۔ جسے سٹی کو توالی میں رکھا گیا۔ فساد کے اندیشہ سے زخمیوں کو اٹھانے والی گاڑیاں بھی کو توالی میں لا کر رکھ دی گئیں۔

### راج پال کا آخری دن

(اخبار) ”بندے ماترم“ کا بیان ہے کہ راج پال عموماً ہر روز صبح کے وقت لارنس باغ (موجودہ نام ”جناح باغ“) کی سیر کو اہل و عیال کے ہمراہ جایا کرتا تھا لیکن چھ اپریل کو وہ دریا کی طرف گیا تھا۔ سیر سے واپس آ کر دکان میں کام کیا۔ ایک بجے گھر جا کر کھانا کھایا اور پھر دکان میں آ کر کام شروع کر دیا۔ اڑھائی بجے قاتل نے آ کر کام تمام کر دیا۔

### جلسہ مذمت

شام کے چھ بجے ”نوجوان بھارت سبھا“ کا ایک جلسہ اسیران میرٹھ سے اظہار ہمدردی کے لیے ہونے والا تھا لیکن حادثہ مذکور کے باعث اس جلسہ میں مسٹر احسان الہی کی تحریک اور خواجہ غلام محمد کی تائید سے ایک قرارداد منظور کی گئی تھی جس میں قتل اور قاتل کی مذمت کی گئی اور راج پال کے پس ماندوں سے اظہار ہمدردی کیا گیا۔

### جلوس بند

یک شنبہ کی شام کو نہرور پورٹ کی حمایت میں اور اس کے خلاف دو جلوس نکلنے والے تھے جو فرقہ واریت کی لہر پیدا ہونے کے باعث بند کر دیے گئے۔

### دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ

رات کے ۹ بجے کے قریب ڈپٹی کمشنر کی طرف سے شہر میں آٹھ روز کے لیے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہو گیا اور اب اجازت کے بغیر کوئی جلسہ اور جلوس نہیں نکال سکتا۔

### علم الدین کے حالات

بیان کیا جاتا ہے کہ علم الدین کی منگنی ہوئے ابھی آٹھ روز گزرے تھے۔ اس کا ایک بھائی

خلافت کا رضا کار ہے۔ اس کے والد کو واقعہ کا علم ہوا تو اس نے صبر و تحمل کے ساتھ اسے برداشت کر لیا اور کہا کہ اگر میرے بیٹے نے یہ فعل نہیں کیا اور ناحق گرفتار ہوا ہے تو مجھے دکھ ہے۔



انقلاب ۱۸ اپریل ۱۹۲۹ء

## قتل راج پال کا مقدمہ

ملزم کی درخواست انتقال مقدمہ مسترد ہوگئی

لاہور۔ ۱۶ اپریل: ناظرین کو یاد ہوگا کہ قتل راج پال کے ملزم علم الدین کے وکیل مسٹر فرخ حسین نے مسٹر لوئس ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے درخواست کی تھی کہ چونکہ انتقال مقدمہ کی درخواست دی ہے لہذا مقدمہ ملتوی کیا جائے۔ آج وکیل ملزم نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں درخواست انتقال مقدمہ دائر کی۔ عدالت نے سماعت کرنے کے بعد درخواست نامنظور کر دی۔ مقدمہ کی سماعت ۱۹ اپریل کو ہوگی۔



انقلاب ۱۹ اپریل ۱۹۲۹ء

## میاں علم الدین کا مقدمہ۔ غلط افواہ کی تردید

مسٹر فرخ حسین بیرسٹریٹ لاء اطلاع دیتے ہیں کہ انہوں نے راج پال کے قتل کے مقدمہ میں ملزم علم الدین کی طرف سے نہ تو انتقال مقدمہ کی کوئی درخواست پیش کی اور نہ کوئی ایسی درخواست مسترد ہوئی۔ کل کے اخبارات میں غلط اطلاع شائع ہوئی ہے۔



انقلاب ۲۶ اپریل ۱۹۲۹ء

## راج پال کے قتل کا مقدمہ

ملزم سیشن سپرد کر دیا گیا

لاہور۔ ۲۴ اپریل: آج راج پال قتل کے مقدمہ جیل میں مسٹر لوئس اسپیشل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہوا۔ استغاثہ کی طرف سے لالہ ایشرداس کورٹ ایس۔ پی اور ملزم کی طرف سے خواجہ فیروز الدین بیرسٹریٹ لاء اور خواجہ نیاز احمد پلیڈر صاحبان پیروکار تھے۔ کمرہ تماشائیوں سے بھرا ہوا تھا۔ مسٹر لوئس صاحب دس بجے عدالت میں آئے، کلکتہ سے آیا ہوا پارسل کھولا گیا اور اس میں سے چھری جس سے بیان کیا جاتا ہے کہ مہاشہ راج پال قتل کیا گیا تھا۔ نکالی گئی۔ علم دین کمرہ عدالت میں نہ تھا، اس کا انتظار کیا گیا۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ علم دین کو عدالت میں اس لیے نہیں لائے کہ پولیس فتح دین عرف فتو ملزم نمبر ۲ سے اس کی ملاقات کرائے گی۔ آخر کار ساڑھے دس بجے علم دین پولیس کی حراست میں داخل کمرہ عدالت ہوا اور کارروائی شروع ہوئی۔ تارا چند گواہ اور کدرا ناتھ گواہان نے چھری شناخت کی۔ اس کے بعد کورٹ ڈی ایس پی نے دونوں رپورٹیں عدالت میں پیش کیں اور کہا کہ شہادت استغاثہ ختم ہو گئی۔ ملزم کا بیان قلم بند کیا جائے۔

بیان علم دین ملزم نمبر ۱

علم دین نے بیان کیا کہ میں نے راج پال کو قتل نہیں کیا، میں سبزی منڈی کی جانب آ رہا تھا کہ مجھے ٹال کے قریب پکڑ لیا اور یہ گرتے یعنی قیص جو عدالت میں پڑا ہے۔ میرا ہے اور میرے بدن سے اتارا گیا تھا لیکن شلووار جو عدالت میں پڑی ہے۔ وہ میری نہیں ہے اور شلووار میرے بدن سے اتاری گئی ہے۔ میں نے یہ چھری آتما رام سے ہرگز خرید نہیں کی۔ میں بالکل بے گناہ ہوں اور مجھے ابھی تک سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔

علم دین پر عدالت نے فرد جرم زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند لگادی اور سیشن کے سپرد کرتے

ہوئے ہدایت کی کہ کل یعنی ۲۵ اپریل ۱۹۲۹ء کو وہ صفائی کے گواہان کی فہرست داخل عدالت کرے۔ خواجہ فیروز دین بیرسٹریٹ لاء نے عدالت کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی کہ میں نے پچھلی تاریخ پیشی پر ایک درخواست بدیں مضمون گزرانی تھی کہ علم دین کو گھر سے روٹی کپڑا مہیا کرنے کی اجازت دی جائے اور اسے دوسرے حوالاتیوں کی طرح سنٹرل جیل کی بورڈل جیل میں رکھا جائے۔ عدالت سے حکم ہوا تھا کہ وہ درخواست سپرنٹنڈنٹ جیل کے پاس بھیجی جائے گی تاکہ وہ مناسب کارروائی کرے لیکن علم دین کے باپ نے جیل سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ درخواست وہاں نہیں پہنچی۔ معلوم ہوتا ہے کہ درخواست مذکور یا تو عدالت سے بھیجی نہیں گئی یا راستہ میں روک لی گئی ہے۔ اب میں دوبارہ درخواست کرتا ہوں کہ ملزم کو بورڈل جیل میں بھیجا جائے اور اس کو گھر کی روٹی اور بستر کی اجازت دی جائے۔ عدالت نے کہا کہ آپ کی درخواست احتیاط سے بھیج دی جائے گی اور یہ بھی تحریر کر دیا جائے گا کہ اس سے پہلے بھی درخواست دی گئی تھی۔

خواجہ فیروز دین نے اس کے بعد عدالت سے کہا کہ میں قیص و شلواری کے ان ٹکڑوں کو جو کلکتہ بھیجے گئے تھے۔ دیکھنا چاہتا ہوں۔ عدالت نے جواب دیا کہ وہ بہت چھوٹے ٹکڑے تھے، وہ کلکتہ والوں نے واپس نہیں بھیجے۔

صفائی کے گواہان کی فہرست داخل کرنے کے لیے مقدمہ کل پر ملتوی ہوا۔



انقلاب ۱۶ مئی ۱۹۲۹ء

## راج پال کے قتل کا مقدمہ سیشن میں

استغاثہ کے گواہوں کے بیانات پر جرح

چھہرے کی ٹوٹی ہوئی نوک کی گمشدگی

آج راج پال کے قتل کے مقدمہ کی سماعت مسٹریٹ سیشن جج کی عدالت میں ہوئی۔

استغاثہ کی طرف سے لالہ راج کرشن اور ملزم کی طرف سے خواجہ فیروز الدین، مسٹر سلیم اور خواجہ

نیاز احمد پیرو کار تھے۔ کمرہ کے باہر پولیس کا زبردست پہرہ تھا اور کمرہ میں لوگوں کو جانے کی اجازت نہ تھی، باہر لوگوں کا ہجوم تھا۔ پولیس نے وکلاء کو بھی اندر جانے سے روکا، مقدمہ گیارہ بجے شروع ہوا۔ علم الدین سے پوچھا گیا کہ آیا اس نے ۶ اپریل کے دن راج پال کو قتل کیا۔ اس کا جواب اس نے نفی میں دیا۔ اس کے بعد لالہ راج کرشن نے ایسیر صاحبان کو مخاطب کر کے استغاثہ کی کہانی مختصراً سنائی اور اس کے بعد شہادت استغاثہ شروع ہوئی۔ ایسیر حسب ذیل حضرات ہیں:

مسٹر فیروز الدین، مسٹر سلیم، لالہ بھلا مل اور سردار چمپن سنگھ

### ڈاکٹر ڈی آر سی کا بیان

گواہ کو اس کا پہلے بیان پڑھ کر سنایا گیا جس کو اس نے درست تسلیم کیا۔ جرح پر کہا کہ ہاتھ کے زخم کشمکش کا نتیجہ ہیں، چھاتی کا زخم اس وقت لگایا گیا جب کہ راج پال بیٹھا ہوا تھا اور مارنے والا اس کے سامنے تھا۔ اس بات کو مد نظر رکھ کر کہ مقتول کپڑے پہنے ہوئے تھا یہ ناممکن ہے کہ اس چہرے سے جس حالت میں کہ وہ اب ہے چھاتی کا زخم لگ سکے۔ ہاں البتہ جب بہت زور سے استعمال کیا جائے تو ایسا زخم لگ سکتا ہے۔ راج پال کے جسم اور سر کے زخموں میں سے کوئی ایسا زخم نہیں جس سے چہرے کی نوک ٹوٹ جاتی۔ میں نے مقتول کی نعش کو دوبارہ دیکھا کہ چہرے کا ٹکڑا نکلے لیکن کچھ نہ نکلا۔ عکس ریز (X-Rays) کا امتحان بھی ہوا لیکن ٹکڑے کا پتہ نہ ملا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان زخموں کے لگانے میں کتنا وقت لگا ہوگا۔ نہ یہ بتا سکتا ہوں کہ پہلے کون سا زخم لگایا گیا اور بعد ازاں کون سا۔ چھاتی کا زخم لگ چکنے کے بعد مقتول اس حالت میں نہیں رہ سکتا تھا کہ اپنے آپ کو بچا سکے۔ ملزم کے ہاتھوں پر نشانات کام کرنے سے بھی لگ سکتے ہیں۔ میرے خیال میں مقتول چھاتی کے زخم کے لگنے کے بعد پانچ منٹ کے اندر ہی مر گیا ہوگا۔ میری رائے میں مقتول کے ہاتھوں پر زخم اس وقت لگے جب کہ وہ اپنے آپ کو بچا رہا ہوگا۔

### کدار ناتھ کا بیان

میں تقریباً تین سال سے راج پال کی دکان پر کلرک ہوں۔ راج پال گدی پر باہر کے برآمدے میں بیٹھا چٹھیاں لکھ رہا تھا۔ میں اندر کے برآمدے میں پارسلوں پر پتے لکھ رہا تھا۔ میرا منہ باہر کی طرف تھا۔ میں نے ایک آدمی کو اندر آتے اور مقتول کو زخم لگاتے دیکھا۔ راج پال

نے اور میں نے شور مچایا۔ چھرا چھاتی میں گھونپا گیا۔ میں نے کتابیں ملزم پر پھینکیں۔ میرے اور راج پال کے درمیان چار پانچ فٹ کا فاصلہ تھا۔ ملزم نے چھرا پھینک دیا اور بھاگ گیا، میں اس کے پیچھے بھاگا۔

بھگت رام بھی باہر کے برآمدے میں کام کر رہا تھا، وہ بھی میرے ساتھ بھاگا۔ پرمانند اور نانک چند بھی بھاگے۔ میں شور مچا رہا تھا جب کہ میں اس کے پیچھے بھاگا۔ ملزم و دیارتن کی ٹال کے اندر چلا گیا۔ و دیارتن نے اس کو پکڑ لیا اور میں نے اس کی مدد کی۔ اس کو پھر دکان پر لے آئے۔ وہ کہہ رہا تھا:

”میں نے چوری نہیں کی، ڈاکہ نہیں مارا، میں نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

کی توہین کا بدلہ لیا ہے۔“

پولیس آگئی اور ملزم کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ چھرا کیش باکس پر تھا۔ چھ اپریل کو راج پال کی حفاظت کے لیے پولیس کے آدمی نہ تھے۔ ملزم دکان کے اندر داخل ہونے کے وقت سے لے کر پکڑے جانے تک میری آنکھ سے اوجھل نہیں ہوا۔

جرح پر گواہ نے کہا: میں دروازے سے تقریباً تین فٹ کے فاصلہ پر تھا، جہاں میں بیٹھا ہوا تھا، وہاں سے مجھے صرف راج پال نظر آتا تھا۔ میں نے ملزم کو تھڑے پر سے چڑھتے دیکھا۔ اسی وقت اس کے ہاتھ میں چھرا دیکھا۔ ملزم کو حملہ کرنے میں اتنی تھوڑی دیر لگی کہ میں مقتول کی مدد نہ کر سکا۔ میں نے مقتول کی چھاتی پر دو تین دفعہ چھری مارتے دیکھا۔ چھاتی کی ضرب کے علاوہ میں نے کوئی ضرب لگاتے نہیں دیکھا۔ میں نے ملزم پر اس وقت کتابیں پھینکیں جس وقت اس نے کیش باکس پر چھری رکھ دی۔ جب میں ملزم کے پیچھے بھاگا میں پکارتا گیا: ”مہاشہ جی کو مار کر بھاگ گیا ہے“ ملزم کے پیچھے بھاگنے والوں میں پرمانند سب سے آگے تھا۔ جس وقت ملزم ٹال میں داخل ہوا میں صرف ایک قدم کے فاصلہ پر تھا۔ پرمانند ٹال کے دروازہ سے آگے نکل گیا تھا۔ دکان سے کچھ فاصلہ پر ایک سڑک برہموسماج سویا ڈیڑھ سو قدم لمبی ہے۔ اس میں سے لوگ گزرتے ہیں۔ میں نے مقتول کو ایک دفعہ ”ہائے“ پکارتے سنا۔ اس کے سوا میں نے اور کوئی آواز نہیں سنی۔ ملزم نے یہ الفاظ کہے کہ ”میں نے رسول کا بدلہ لیا ہے، میں چور نہیں ہوں، ڈاکو نہیں ہوں۔“ یہ الفاظ صرف دو جگہ پر کہے۔ پہلے ٹال میں پھر راج پال کی دکان کے سامنے جب



کہ اس کو پکڑ کر واپس لائے۔ یہ الفاظ اس نے خود بہ خود کہے۔ کسی سوال کے جواب میں نہیں کہے۔ ملزم دروازے کے اندر صرف دو تین فٹ گیا ہوگا کہ وہ پکڑا گیا۔ چوں کہ پولیس نے مجھ سے یہ نہ پوچھا تھا کہ ملزم نے کیا کہا تھا، اس لیے میں نے یہ بات پولیس کو نہ بتائی۔ پولیس مجھ پر سوال نہ کرتی تھی۔ میں نے وہ لکھایا جو میں نے ضروری سمجھا۔ میں نے پولیس کی رپورٹ میں بھگت رام کی موجودگی کا ذکر کرنا ضروری نہ سمجھا۔

### بھگت رام کا بیان

میں سات آٹھ سال سے راج پال کی دکان پر منشی کا کام کرتا ہوں۔ جب میں سیڑھی پر کھڑا کتابیں درست کر رہا تھا تو میں نے آواز سنی ”میں مر گیا“۔ میں نے اس طرف دیکھا، ایک شخص نے مقتول کو گلے سے پکڑا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی چھاتی پر چھرا مارا۔ میں نے وہاں سے اس پر کتابوں کا بندل مارا۔ کتابیں اس کو لگیں اور کچھ سڑک پر جا گریں۔ قاتل پھر باہر بھاگ گیا۔ کد ارناتھ، نانک چند، پرمانند اور میں اس کے پیچھے بھاگے۔ ملزم کے اور ہمارے درمیان صرف ایک قدم کا فاصلہ تھا، ہم اس کو ہاتھ لگا سکتے تھے لیکن پکڑ نہ سکتے تھے۔ پرمانند آگے نکل گیا تھا تا کہ اس کو پکڑ لے۔ ملزم و دیارتن کی ٹال کے اندر چلا گیا۔ تھوڑا ہی دروازہ کے اندر گیا ہوگا کہ و دیارتن آ گیا اور اس نے اس کو پکڑ لیا، اس کو دکان پر لایا گیا۔ جب سے اس کو پکڑا تب سے دکان تک آتے وہ کہہ رہا تھا کہ اس نے اپنے رسول کی توہین کا بدلہ لیا ہے، وہ چور اور ڈاکو نہیں ہے۔ چھرا کیش باکس اور ڈیسک کے درمیان گدی پر پڑا تھا۔

جرح پر گواہ نے جواب دیا، میں نے ملزم کو چھرا مارتے نہیں دیکھا۔ چھرا میں نے اس وقت دیکھا جب کہ اس کا پھل زخم میں اور دستہ ملزم کے ہاتھ میں تھا جس وقت ملزم کو بندل مارا اس وقت اس کی پیٹھ میری طرف تھی۔ میں نے کد ارناتھ کو بھی کتابیں پھینکتے دیکھا۔ برہموسماج کی گلی کے پاس پرمانند ہمیں مل گیا۔ اور اس کے پاس ہی وہ ہم سے آگے نکل گیا۔ ملزم اگر چاہتا تو برہموسماج کی طرف مڑ سکتا تھا۔ ملزم بغیر کسی کے پوچھنے کے کہہ رہا تھا کہ اس نے کیوں قتل کیا ہے۔ میری پیٹھ مشرق کی طرف تھی اور راج پال میرے شمال کی طرف تھا۔ میں نے جب پولیس کے سامنے بیان دیا تو پولیس والے بولتے جاتے تھے اور لکھتے جاتے تھے۔ بعد میں میرا بیان انہوں نے مجھے پڑھ کر نہیں سنایا۔ میں نے یہ پولیس کے سامنے نہیں بیان کیا کہ میں گدی پر بیٹھا

کتابیں درست کر رہا تھا۔

### ٹانک چند کا بیان

میری دکان راج پال کی دکان سے انارکلی کی جانب ہے۔ چھ اپریل کو دو بجے کے قریب میں اپنی دکان کے تھڑے پر بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے راج پال کی دکان سے آواز سنی:

”مارا گیا، مارا گیا“

میں نے ایک شخص کو دکان سے باہر نکلتے دیکھا اور کداریں کھٹکی اور بھگت رام کو اس آدمی کے پیچھے بھاگتے دیکھا۔ میں اور پرمانند بھی بھاگے جس شخص کا ہم تعاقب کر رہے تھے وہ پانچ چھ قدم کے فاصلہ پر تھا۔ وہ سیتا رام کی دکان کے اندر داخل ہو گیا، وہ جب داخل ہوا تو دیوارتن نے اس کو پکڑ لیا، ہم بھی وہاں پہنچ گئے۔ اس کو ہم پکڑ کر راج پال کی دکان پر لائے، وہاں اس نے کہا کہ:

”مقتول میرا دشمن نہیں ہے بل کہ میرے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دشمن ہے اور اس کا اس نے بدلہ لے لیا ہے“،

اتنے میں پولیس پہنچ گئی۔ اور ملزم کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا، میں دکان کے اندر گیا، چھرا ڈیسک پر پڑا تھا۔ ڈیسک زمین پر گدی کے نیچے تھا۔ میں چھڑے کی نوک کے نہ ہونے سے پہچانتا ہوں۔ سب انسپکٹر نے میرا بیان قلم بند کیا۔

جرح پر گواہ نے بیان دیا کہ وہ پیچھے رہ گیا تھا۔ جس وقت ملزم دکان میں داخل ہوا، میں چھ سات قدم کے فاصلہ پر تھا۔ جب وہ دکان کے اندر داخل ہوا، باقی تینوں اس کے ساتھ ہی دکان میں داخل ہوئے۔ میں نے و دیوارتن کو پکڑتے دیکھا۔ وہاں اور بہت سے آدمی اکٹھے ہو گئے تھے۔ جب اس نے پہلی دفعہ یہ کہا کہ میں نے رسول کا بدلہ لیا ہے تو وہ راج پال کی دکان کے تھڑے کے سامنے تھا۔ میں نے مقتول کے جسم پر ایک ہی زخم دیکھا۔ میں نے ملزم کو دکان سے نکلتے دیکھا، اس دن ہسپتال روڈ کی دکانیں کھلی تھیں۔ میں نے ملزم سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ میرے سامنے اور کسی نے ملزم سے کوئی گفتگو نہیں کی۔

### پرمانند کا بیان

میں چھ اپریل کو دو بجے تھڑے پر تھا، میں نے کداریں کھٹکی اور شور کرتے ہوئے سنا ”مارا گیا، مارا گیا۔ پکڑ لو، پکڑ لو“ اور ایک آدمی کے پیچھے بھاگتے ہوا دیکھا۔ پھر کہا جب میں نے کداریں کھٹکی

شور سنا تو میں نے ایک آدمی کو دکان سے نکلتے دیکھا اور کدار ناتھ بھی پیچھے بھاگا۔ بھگت رام اور نانک چند بھی بھاگے، میں ان کے آگے نکل گیا تاکہ اس کو آگے جانے سے روکوں۔ وہ سیتا رام کے ٹال کے اندر داخل ہو گیا۔ ودیارتن اور پرکاش چند نے اس کو پکڑ لیا۔ ہم چاروں وہاں چلے گئے۔ ملزم کو دکان پر واپس لائے۔ ڈیسک اور کیش باکس کے درمیان چھرا پڑا ہوا تھا۔

جرح پر گواہ نے بیان کیا کہ میں نے جس وقت کدار ناتھ کی آواز سنی، اس وقت کدار ناتھ تھڑے سے اتر رہا تھا۔ ملزم اس وقت دو تین قدم آگے تھا۔ ملزم سے کسی نے کوئی سوال نہیں کیا اور نہ ہی کوئی بات کہی۔ وہ خود ہی کہہ رہا تھا کہ میں نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بدلہ لیا ہے۔ میں نے مقتول کو تھڑے سے مرا ہوا دیکھا، میں اندر نہیں گیا۔ جب ہم دکان پر گئے تو وہاں لوگوں کا ہجوم تھا۔ سڑک پر کتابیں تھیں۔ کتابیں ہجوم کے پاؤں میں تھیں۔ میں تھڑے سے چھرے کو دیکھ سکتا تھا جب کہ وہ ڈیسک اور کیش باکس کے درمیان تھا۔ میرا بیان جب میں سڑک پر تھا۔ لکھا گیا۔ مجھے یاد نہیں کہ میری دکان پر کوئی گا بک تھا، اگر کوئی گا بک ہوگا تو وہ بھاگ گیا ہوگا۔  
مقدمہ کی سماعت کل پر ملتوی ہوئی۔

### علم الدین پر پہرہ

احاطہ عدالت میں لوگ سینکڑوں کی تعداد میں موجود تھے۔ کمرے سے تمام آدمیوں کے نکل جانے کے بعد علم الدین کو باہر نکالا گیا۔ لوگ علم الدین کو دیکھنے کے لیے بے تاب نظر آتے تھے اور پولیس ہجوم کے آگے لائن باندھے کھڑی تھی۔ علم الدین کو سخت پہرہ میں رکھا ہوا تھا۔



انقلاب ۱۷ مئی ۱۹۲۹ء

## عدالت سیشن میں راج پال کے مقدمہ کی سماعت

چھرا بیچنے والا عدالت میں چھرا شناخت نہ کر سکا

مزید گواہان استغاثہ کی شہادتیں

لاہور۔ ۱۵ مئی: آج مسٹریٹ سیشن جج کی عدالت میں راج پال کے مقدمہ قتل کے ملزم علم الدین کے خلاف مقدمہ زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند کی سماعت ہوئی۔ آج بھی بہ دستور کمرہ عدالت میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ پولیس کا زبردست پہرہ تھا اور لوگوں کا عدالت کے باہر ہجوم تھا۔ استغاثہ کی طرف سے مسٹر راج کشن اور ملزم کی طرف سے مسٹر سلیم خواجہ فیروز الدین پیروکار تھے۔

### وویارتن گواہ

میری دکان ہسپتال روڈ پر ہے اور راج پال کی دکان سے تقریباً دو سو فٹ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں سے ایک راستہ انارکلی کی طرف بھی جاتا ہے۔ ۶ اپریل کو ۲ بجے کے قریب میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ راج پال کی دکان کی طرف سے میں نے آواز سنی:

”پکڑو پکڑو مارا گیا۔“

دفتر کا ایک دروازہ سڑک پر کھلتا ہے اور دوسرا ٹال کے اندر۔ اس وقت دونوں دروازے اور کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ اس وقت میں نے ایک آدمی کو دوڑتا ہوا دیکھا جو سرخ دھاری دار قمیص پہنے ہوئے تھا۔ میرا دھیان اس وقت سڑک کی طرف تھا۔ ملزم میرے ٹال کے اندر چلا گیا۔ پیچھے آٹھ دس آدمی تھے۔ میں نے اندر والے دروازے سے نکل کر ملزم کو پکڑ لیا۔ دوسرے آدمیوں نے مجھے پکڑنے میں امداد کی۔ ملزم نے چھڑانے کی کوشش کی۔ گواہ نے علم الدین ملزم کو عدالت میں شناخت کیا اور کہا کہ میری امداد کرنے والوں میں پرمانند، نانک چند، کدار ناتھ، بھگت رام اور ایک اور صاحب تھے۔ جن کا مجھے نام یاد نہیں۔ ملزم نے پہلے تو مجھ سے کہا کہ چھوڑ

دو۔ پھر کہا کہ؛

”میں نے اور کچھ نہیں کیا، رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بدلہ لیا ہے۔“  
 ہم ملزم کو پکڑ کر راج پال کی دکان پر لے گئے۔ ملزم وہاں بھی شور کرتا رہا کہ؛  
 ”میں چور نہیں ہوں، ڈاکو نہیں ہوں۔ میں نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی  
 توہین کا بدلہ لیا ہے۔“

اسی اثنا میں پولیس آگئی اور ملزم کو حوالے کر دیا گیا۔ اس وقت بھی ملزم نے کہا کہ؛  
 ”میں نے سونے کے کڑے پہنے ہیں۔“

پولیس ملزم کو لوہاری چوکی میں لے گئی۔ میں راج پال کی دکان کے اندر گیا، وہ ایک کونے  
 میں پڑا تھا، کپڑے خون آلودہ تھے۔ راج پال ایک چھوٹے سے تخت پوش پر پڑا تھا۔ ڈیسک اور  
 کیش باکس کے درمیان ایک چھری پڑی تھی جو خون آلودہ تھی اور اس کی نوک ٹوٹی ہوئی تھی، دستہ  
 سیاہ تھا۔ گواہ نے چھری شناخت کی اور کہا کہ اسی وقت فرد برآمدگی بنائی جس پر میرے دستخط  
 ہیں۔ تھوڑے عرصہ کے بعد پولیس کے دوسرے افسر بھی آگئے۔ میرا بیان قلم بند کر لیا گیا۔

بہ جواب جرح مسٹر سلیم کہا کہ جس جگہ میں نے ملزم کو پکڑا وہاں اور کئی آدمی آگئے جو لوگ  
 ملزم کے تعاقب میں آئے تھے وہ تمام ہندو تھے۔ ملزم نے پہلے کہا کہ ”جانے دو“۔ پھر کہا کہ ”  
 میں نے بدلہ لیا ہے۔“ میرے دفتر میں میرے ساتھ میرا بھائی پرکاش چند تھا، وہ بھی باہر نکلا اور  
 پکڑنے میں امداد دی۔ تعاقب کرنے والے بھی ساتھ تھے۔ ملزم راستہ سے چار پانچ فٹ  
 میرے احاطہ کے اندر آیا ہوگا کہ میں نے اسے پکڑ لیا۔

جس وقت میں نے ملزم کو پکڑا، اس نے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ میں نے پولیس میں لکھوایا  
 تھا کہ ملزم میرے سکونتی مکان کی طرف جا رہا تھا۔ دروازہ بند دیکھ کر واپس آ گیا۔ میں نے آج  
 اس لیے نہیں کہا کیوں کہ مجھ سے پوچھا نہیں گیا۔ مجھے ملزم کے اصلی الفاظ یاد نہیں۔ اس کا مفہوم  
 یاد ہے۔ ملزم نے کہا تھا کہ میں چور ڈاکو نہیں، مجھے اس قدر تو یاد نہیں کہ اس نے کون کون سے  
 الفاظ کہے تھے۔ جس وقت پولیس آئی اور اسے ہتھکڑی لگائی گئی تو ملزم سے نام پوچھا گیا، اس  
 نے علم دین بتایا۔ اس وقت سے پیشتر ملزم مذکورہ الفاظ کہہ چکا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس نے پولیس  
 کے روبرو کہا کہ ”میں نے بدلہ لیا ہے۔“ ملزم نے اس وقت اپنا نام بتلایا جب کہ ہم اسے پکڑ کر

لے جا رہے تھے۔ جس وقت ملزم کو پکڑ کر مکان پر لے جایا گیا تو وہاں بہت سے آدمی تھے جب میرا بیان لکھا گیا تو لغش دکان کے باہر چار پائی پر رکھی تھی۔ اس وقت ایک مسلمان تھڑے پر کھڑا تھا جب ہم ملزم کو پکڑ کر لے جا رہے تھے تو کئی آدمی تھے۔ پرکاش چند بھی ہمارے ہمراہ آیا، میرے رُوبرو اس کا بیان نہیں لکھا گیا، جہاں تک میرا خیال ہے۔

کدار ناتھ، بھگت رام، نانک چند نے بیانات میرے رُوبرو دیے، میں نے ملزم کو مڑتے دیکھا تھا جس وقت ہم آئے تو راج پال کی دکان پر ایک ڈاکٹر ڈہلا رام اور ایک مسلمان ڈاکٹر تھے۔ ڈاکٹر ڈہلا رام کی دکان لوہاری دروازہ کے باہر ہے جہاں باغ کو راستہ جاتا ہے۔ میں نے اس بات کا ذکر پہلے نہیں کیا کہ ملزم نے کہا کہ:

”یہ ہتھکڑی نہیں سونے کے کڑے ہیں۔“

بجواب سوال عدالت کہا کہ میں نے نقشہ نوٹس کو وہ جگہ بتائی جہاں ملزم پکڑا گیا تھا۔

#### دیوان وزیر چند

میں گوجراں والہ کاربنے والا ہوں۔ ۶ اپریل کو میں ۲ بجے کے قریب دفتر گور و گھنٹال میں لالہ شام لال کپور کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا، کہ دفتر کے نیچے راج پال کی دکان تھی۔ میں نے شور سنا ”مار دیا، مار دیا، پکڑو“ میں نے کھڑکی سے منہ نکال کر دیکھا۔ بازار میں چند کتابیں گری تھیں۔ ایک آدمی کو میں نے ہسپتال کی طرف بھاگتے دیکھا، پیچھے آدمی بھاگ رہے تھے۔ میں نے بھی آواز دی ”پکڑ لو جانے نہ دینا“ پھر میں بھی پیچھے بھاگا جس وقت میں سیتا رام کے ٹال کے قریب پہنچا تو جو آدمی بھاگا تھا اس کو پکڑے ہوئے سڑک پر لایا گیا۔ گواہ نے ملزم کو شناخت کیا اور کہا کہ میں نے اسے بازار سے پکڑ لیا اور پوچھا کہ تم نے کیا کیا ہے تو اس نے کہا کہ:

”میں چور نہیں ہوں، میں نے کچھ نہیں چرایا، میں نے تو رسول (صلی اللہ علیہ

وسلم) کا بدلہ لیا ہے۔“

پھر ملزم کو پکڑ کر راج پال کی دکان پر لایا گیا۔ وہاں مجھے معلوم ہوا کہ ملزم نے چہرے سے راج پال کو مارا ہے۔ میں لوہاری دروازہ کی پولیس چوکی میں چلا گیا تاکہ پولیس کو بلا لاؤں۔ میری اطلاع پر پولیس آگئی، بڑے بڑے پولیس افسر آگئے۔ واقعہ کے دو گھنٹے کے بعد میرا بیان لکھا گیا، پانچ بجے کی گاڑی سے میں گوجراں والہ چلا گیا۔

بجواب جرح کہا کہ جب میں گیا تو میں نے ملزم کو سڑک پر پکڑے ہوئے دیکھا۔ میں نے اندر سے لاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ملزم کو چار پانچ آدمی پکڑے ہوئے تھے۔ میں ان میں سے کسی کا نام نہیں جانتا۔ ایک دو کو شناخت کر سکتا ہوں۔ ان میں سے ایک سینتارام کالڑکا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس مجمع میں کوئی مسلمان تھا یا نہیں۔ اردگرد دکان دار تھے لیکن مارے ڈر کے کوئی اندر نہ آیا۔ جس وقت ملزم نے کہا کہ:

”مسلمان بھائیو! میں نے رسول کا بدلہ لیا ہے“

تو میں نے سمجھا کہ مسلمان دکان داروں کو خطاب کر رہا ہے۔ میں نے ملزم کا بازو اس لیے پکڑا کہ دیکھوں کہ اس کے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے دکان پر واپس آنے پر پولیس آچکی تھی۔ میں قتل کا علم ہوتے ہی پولیس کی چوکی میں چلا گیا۔ میرا بیان راج پال کی دکان کے باہر لیا گیا۔ میں راج پال کو جانتا تھا، اس کا قد ملزم سے کچھ چھوٹا ہوگا۔ ملزم اس وقت سرخ دھاری والی قمیص شلوار اور سفید گپڑی پہنے ہوئے تھا۔ جس وقت میں بازار میں اُترا، اس وقت مجھے دو بھاگنے والے نظر آئے، ملزم بعد ازاں پکڑا آیا تھا۔

### بیان آتمارام

میری دکان گٹھی بازار میں ہے۔ میں نے عرصہ ۳ یا ساڑھے تین سال کا ہوا، میاں میر سے ۵۰۰ چھریاں خریدی تھیں۔ ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہوا ہے کہ ملزم میری دکان پر تقریباً ساڑھے نو بجے آیا اور مجھ سے کہا کوئی چھری دکھاؤ، قیمت ایک روپیہ مقرر ہوئی۔ وہ چلا گیا اور ایک گھنٹہ کے بعد مجھے ایک روپیہ دے دیا اور چھری لے گیا۔ دوسرے روز دو پولیس کے آفیسر آئے اور مجھ سے دو چھریاں لے گئے اور ان کے پوچھنے پر میں نے بتایا کہ کل میں نے ایک چھری بیچی ہے اور ان کے بعد میں نے ملزم کو پولیس لائن میں شناخت کیا۔ جب کہ میں نے چھری فروخت کی تھی اس وقت اس کی نوک ٹوٹی ہوئی نہ تھی۔

جرح پر گواہ نے بیان کیا کہ میں ملزم کو پہلے نہیں جانتا تھا۔ میں نے پہلی مرتبہ صرف اسے اسی وقت دیکھا جب کہ وہ میری دکان پر چھری کا سودا کرنے آیا۔ ملزم کے کانوں میں دھاگے تھے، اس لیے نہایت پریشان تھا جس دن میں نے چھری بیچی، اس دن میں ڈاکٹر ڈھلارام کے گودام میں گیا۔ میرے ساتھ پانچ چھ کباڑیے بھی گئے تھے وہ کباڑیے تالاب پر رہتے ہیں، ہم

گودام میں تھے کہ ڈھلا رام کالڑکا آیا اور اس نے بیان کیا کہ راج پال قتل ہو گیا ہے۔ وہ موقع کی طرف چلا گیا اور میں اپنے گھر کو واپس آ گیا۔ میری نظر کمزور ہے، مجھے یاد نہیں کہ ملزم نے کس رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

ملزم کے کان عدالت نے دیکھے، ان میں سوراخ نہیں تھے۔ لیکن عدالت کا خیال ہے کہ ان میں سوراخ کبھی ہوں گے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کب ہوں گے۔

میں نے پولیس کے سامنے یہ بیان نہیں کیا ہے۔ ملزم اس سے پہلے بھی میری دکان پر چیزیں خریدنے آیا، میں نے سوائے لڑکے کے کسی سے یہ ذکر نہیں کیا کہ ملزم کے دھاگے تھے اور اس کے ناک پر نشان تھا۔ عدالت میں چھریوں کا تھوڑا سا حصہ چھپایا گیا اور کہا گیا کہ وہ چھری جو کہ اس نے بیچی تھی۔ شناخت کرے۔ گواہ چھری شناخت نہ کر سکا۔ پولیس ملزم کو میری دکان پر لائی تھی۔

### بیان رحمت علی کانشیبل

میں ۶ اپریل کو انارکلی میں ڈیوٹی پر تھا۔ ۲ بجے کے قریب ایک چھوٹے لڑکے نے آ کر بتایا کہ راج پال قتل ہو گیا ہے۔ جب میں ودیارتن کی ٹال کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دو تین شخصوں نے ملزم کو پکڑا ہوا ہے۔ برکت علی ہیڈ کانشیبل اور شیر محمد کانشیبل بھی وہاں پہنچ گئے۔ ہم اس کو مہاشہ کی دکان پر لائے، میں ہتھکڑی لینے چلا گیا اور پولیس چوکی سے جلال الدین سب انسپکٹر کو ٹیلی فون کیا۔ میں نے ملزم کو ہتھکڑی لگائی اور چوکی میں واپس لے آیا۔ جرح پر گواہ نے بیان کیا کہ جب میں پہنچا تو ملزم ٹال کے قریب سڑک پر تھا اور اس کو دکان پر لانے والے تھے۔ جو آدمی ملزم کو پکڑے ہوئے تھے وہ تین سے زیادہ نہ تھے۔ ٹال میں ان شخصوں اور ہمارے سوا اور کوئی نہ تھا۔ برکت علی اور شیر محمد بھی ٹال سے دکان تک ہمارے ساتھ آئے۔

### بیان برکت علی ہیڈ کانشیبل

۷ اپریل کو میں لوہاری دروازہ کے چوک میں تھا۔ میں نے سنا کہ راج پال قتل ہو گیا ہے۔ شیر محمد کے ساتھ دکان کی طرف گیا۔ دیکھا کہ ملزم کو دو آدمی پکڑے ہسپتال کی طرف سے لا



رہے ہیں۔ ان کے ساتھ تقریباً پندرہ بیس آدمی اور بھی ہوں گے۔ رحمت علی بھی پہنچ گیا ہوا تھا۔ ہتھ کڑی منگوائی گئی اور ملزم کو پولیس چوکی میں بھیجا گیا۔ زمین پر ڈیسک کے نزدیک خون آلود چھری ٹیڑھی پڑی ہوئی تھی۔ وہاں کمرہ میں کوئی تخت پوش نہ تھا، صرف گدی تھی جہاں راج پال پڑا ہوا تھا۔ جرح پر بیان کیا کہ راج پال مضبوط آدمی تھا۔ چھری کے ٹکڑے کو ڈھونڈا کیا لیکن کچھ نہ ملا۔

### بیان تارا چند ہیڈ کا نشیبل

۶ اپریل کو دو بجے کے قریب میں سیتلا مندر کی طرف آ رہا تھا کہ میں نے سنا کہ راج پال قتل ہو گیا ہے۔ میں فوراً وہاں پہنچ گیا۔ برکت ہیڈ کا نشیبل اور تین چار آدمی دکان کے اندر تھے اور دکان کے باہر ہجوم تھا۔ راج پال کی چھاتی پر ایک زخم تھا۔ چھری کیش باکس اور ڈیسک کے درمیان تھی۔ جرح پر گواہ نے بیان کیا کہ میں نے یہ خیال نہیں کیا کہ زمین پر خون تھا یا نہیں۔

### بیان لالہ ملک راج مجسٹریٹ

پولیس لائن میں میں نے ملزم کی شناخت کرائی۔ جب میں وہاں پہنچا، ملزم حوالات میں بند تھا اور گواہ موجود نہ تھا۔ ملزم کو چھ اشخاص میں شامل کیا گیا۔ چھ سے آٹھ منٹ کے بعد گواہ آیا اور اس نے ملزم کو تھوڑے عرصہ کے بعد شناخت کیا۔ میرے ساتھ لالہ جواہر لال کمرہ میں تھا۔ جرح پر گواہ نے بیان کیا کہ وہ لوگ جن میں ملزم کو شامل کیا گیا تھا پہلے ہی موجود تھے۔ میں ان کو پہلے سے نہیں جانتا تھا اور نہ ہی ان کے نام جانتا تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے اپنے والدین کے نام بتائے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ نام انہوں نے درست بتائے کہ نہیں۔ میں نے کوئی تحقیقات نہیں کی کہ آتمارام ان کو پہلے جانتا تھا کہ نہیں۔ ملزم سمیت تین شخصوں نے شلوار پہنی ہوئی تھی۔ اور اس کے سمیت چار شخصوں نے پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ملزم کے علاوہ وہ آدمی جنہوں نے شلوار پہنی ہوئی تھی، پگڑی بھی باندھے ہوئے تھے کہ نہیں۔ مجھے ملزم کے چہرہ پر کوئی خاص نشان نظر نہ آیا جس سے کہ وہ دوسرے شخصوں سے جدا نظر آئے۔

مجھے یاد نہیں کہ ملزم کے کپڑے صاف تھے یا گندے۔ نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ دوسرے

آدمیوں کے کپڑے کیسے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ ملزم نے مجھ سے شکایت کی ہو۔ گواہ نے پریڈ سے پہلے مجمع دیکھ لیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں ضرور اس کا نوٹ لکھتا۔

اس عدالت نے آتمارام کو پھر بلایا اور اس سے پوچھا کہ آیا وہ ملزم کے علاوہ چھ آدمیوں کو جو وہاں پریڈ کے وقت موجود تھے۔ جانتا تھا۔ اس نے جواب دیا: نہیں۔

وکیل ملزم کے سوال پر گواہ نے بیان کیا میں کمرہ عدالت میں موجود تھا جب کہ لالہ ملک راج کی گواہی ہو رہی تھی، عدالت نے وکیل ملزم کو زیادہ جرح کرنے کی اجازت نہ دی۔

### بیان ہنس راج

میں ہسپتال لاش کے ساتھ گیا۔ راستے میں اس کو کسی نے نہیں چھیڑا۔  
جرح پر جواب دیا کہ راج پال مضبوط آدمی تھا اس کا قد پانچ فٹ ہوگا۔



انقلاب ۱۸ مئی ۱۹۲۹ء

## راج پال کے قتل کا مقدمہ

ملزم علم الدین پر ہندوؤں اور پولیس کے جبر و تشدد کی شکایت

مسٹر سلیم کے زبردست دلائل۔ فیصلہ ۲۲ مئی کو سنایا جائے گا

لاہور۔ ۱۶ مئی: آج راج پال کے قتل کا مقدمہ مسٹر شیپ سیشن جج کی عدالت میں پیش ہوا۔ استغاثہ کی طرف سے لالہ راج کرشن اور ملزم کی طرف سے خواجہ فیروز الدین، مسٹر فرخ سلیم اور خواجہ نیاز احمد پیروکار تھے۔ لوگوں کو آج بھی اندر جانے کی اجازت نہ تھی لیکن کمرہ عدالت کے باہر لوگوں کا ہجوم تھا۔ پولیس کا زبردست پہرہ تھا۔ ملزم کے رشتہ داروں کو اندر جانے کی اجازت تھی۔ ملزم نے آج اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اکٹھے روٹی کھائی۔ شیخ حسن الدین میونسپل کمشنر شروع سے آخر تک ملزم کے پاس کرسی پر بیٹھے رہے۔

### چودھری جلال الدین سب انسپکٹر

۶ اپریل کو ۲ بجے دن کے بعد میں تھانہ کچھری میں تھا کہ مجھے بہ ذریعہ ٹیلی فون اطلاع ملی کہ راج پال قتل ہو گیا ہے۔ میں فوراً موقع پر پہنچا۔ راستے میں عبدالعزیز کانشیبل نے مجھے بتایا کہ ملزم پکڑا گیا ہے اور لوہاری دروازہ کی چوکی میں ہے۔ میں چوکی میں گیا اور ملزم کو پولیس کی حراست میں دیکھا۔ میں نے اس کے بدن اور کپڑوں کا ملاحظہ کیا، اس کی قمیض کے دائیں بازو پر خون کے دو خفیف نشانات تھے۔ یہ وہی قمیض ہے جو وہ پہنے ہوئے تھا۔ شلوار کے دائیں حصے پر بھی ایک خفیف نشان تھا۔ ملزم کے جسم کو بغور دیکھنے سے اس کے ہاتھوں پر بھی خفیف سی خراش پائی گئی۔ یہ نوٹ کر کے میں موقع پر پہنچا جس وقت میں دکان میں داخل ہوا تو راج پال گدی پر مردہ پڑا تھا۔ تاراً چند نے چھری قبضہ میں لی اور فرد تیار کر رہا تھا، چھری خون آلود تھی اور نوک ٹوٹی ہوئی تھی۔ میں نے چھری کا خاکہ اُتار لیا، اس کا پارسل میرے سامنے بنایا گیا۔ میں نے تفتیش شروع کی اور کدار ناتھ کا بیان قلم بند کیا جس کو ابتدائی رپورٹ تصور کیا گیا۔ اس کے بعد دیارتن، بھگت رام، نانک چند اور پرمانند کے بیانات قلم بند کیے۔ جب میں بھگت رام کا بیان لکھ رہا تھا تو اعلیٰ افسران پولیس بھی موقع پر پہنچ گئے۔ بعد ازیں میں نے نقشہ مضروبی اور نقشہ صورت حال تیار کیا۔ میں نے مقتول کے سر کے زخم کا خیال ہی نہیں کیا۔ میں نے ہنس راج کے ساتھ مقتول کی لاش ہسپتال بھیج دی۔ تفتیش کے دوران میں ہمیں معلوم ہوا کہ چھری گئی بازار میں ایک کباڑیے سے خریدی گئی تھی۔ میں اور جواہر لال ے رتاریخ کو آتما رام کی دکان پر گئے۔ اس کے پاس تقریباً ۱۵ چھریاں اسی قسم کی تھیں۔ آتما رام سے معلوم ہوا کہ اس نے کل اسی قسم کی ایک چھری فروخت کی تھی۔ اس سے دو چھریاں قبضہ میں لی گئیں۔ یہ مجھے علم الدین نے بتایا تھا کہ اس نے آتما رام کی دکان سے چھری خریدی تھی۔ مقتول کی دکان پر پولیس کا پہرہ لگا رہتا تھا، اس روز بھی اس کی دکان پر کانشیبل تھا۔ وہ مقتول سے اس وقت پوچھ کر روٹی کھانے گیا ہوا تھا۔

بہ جواب جرح گواہ نے کہا کہ میں نے تفتیش کے دوران میں بھگت رام اور آتما رام کے بیانات قلم بند کیے تھے اور وہ میں نے ان کے کہنے کے مطابق درست لکھے تھے۔ میں نے دیوان وزیر چند کا بیان تقریباً ۱۵ بجے قلم بند کیا تھا۔ چھری کی نوک کی موقع پر تلاش کی گئی۔ ہم نے دو دفعہ

احتیاط سے تلاش کی تھی۔ میں نے پرکاش چند کا بیان بھی قلم بند کیا تھا۔ میں نے اس کو اس مقدمہ میں گواہ اس لیے نہیں رکھا کہ زیادہ گواہ نہ ہو جائیں۔ میں نے اپنی ضمنی رپورٹ میں ذکر نہیں کیا کہ میں نے ملزم کے کپڑوں اور جسم کے نشانات کو یادداشت کے لیے ایک کاغذ پر لکھ لیا تھا اور وہ کاغذ پھاڑ دیا تھا۔ مجھے آتمارام کی دکان کا پتہ دوسرے روز دوپہر کو ملا تھا۔ اس وقت سی آئی ڈی کے دو افسران اور لالہ جواہر لال موجود تھے۔ جو کچھ ملزم نے بیان کیا وہ ہم سب سن سکتے تھے۔ آتمارام کی دکان پر ہم ۵ بجے کے قریب پہنچے۔ یہ درست نہیں ہے کہ مجھے آتمارام سے یہ پتہ چلا ہو کہ چھری اسی دن مجھ سے خریدی گئی تھی۔ ماتحت عدالت میں میرا یہ بیان کہ آتمارام نے چھری اسی دن فروخت کی تھی یعنی ۷ اپریل کی صبح کو فروخت کی گئی تھی۔ غلط ہے۔ شلووار پر جو خون کا نشان تھا وہ ٹانگ کے باہر کی طرف تھا۔ شلووار پر خون کا نشان قمیص سے چھپا ہوا نہ تھا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ قمیص شلووار پر خون کے نشان سے نیچے گئی ہوئی تھی کہ نہیں۔

#### لالہ جواہر لال انسپکٹر

میں سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کے دفتر میں تھا کہ دو بجے کے بعد مجھے راج پال کے قتل کی اطلاع ملی۔ میں سینئر سپرنٹنڈنٹ کے ساتھ موقع پر پہنچ گیا۔ وہاں ہجوم تھا۔ چودھری جلال الدین سب انسپکٹر وہاں موجود تھا اور گواہوں کے بیانات قلم بند کر رہا تھا۔ راج پال گدی پر پڑا تھا۔ چھری تار چند کے قبضہ میں تھی اور وہ اس کا پارسل بنا رہا تھا، مجھے حکم ہوا کہ ملزم کے مکان کی تلاشی لی جائے، میں پولیس لائن میں گیا اور ملزم کے مکان کا پتہ لیا اور پھر اس کے مکان کی تلاشی لی لیکن کچھ برآمد نہ ہوا۔ ملزم نے ایک قمیص اور ایک شلووار پہنی ہوئی تھی۔ ملزم اپنے باپ اور بھائی کے پاس سریاں والے بازار میں رہتا تھا۔ میں تلاشی لینے کے بعد موقع پر آیا۔ اور پھر پولیس لائن میں گیا۔ میں پولیس لائن میں ۶ بجے کے قریب پہنچا ہوں گا۔ میں نے اس کے کپڑے اتارے اور فرد تیار کی۔ میں نے کپڑوں کا پارسل تیار کیا اور دوسرے دن کیمیکل ایگزیمنر کے پاس پارسل بھیج دیا گیا۔ پاجامے پر سرخ سیاہی مجھ سے گر گئی تھی۔ میں نے ملزم کے جسم کا بھی معائنہ کیا۔ میں نے ۶ تاریخ کو ڈائری میں ملزم کا حلیہ تحریر کیا تھا۔ میں نے تحریر کیا تھا کہ اس کے کان تازے بندھے ہوئے تھے اور ان سوراخوں میں دھاگے تھے اور ایک نشان ناک پر تھا جب کہ ملزم پولیس لائن میں تھا تو وہ راستہ جو حوالات کے کمرے کے نزدیک سے گزرتا ہے۔ بند کر دیا گیا تھا اور

پولیس کا زبردست پہرہ لگا دیا گیا تھا تا کہ کوئی اس کو دیکھ نہ سکے اور نہ ہی اس سے کوئی بات ہی کر سکے۔ ملزم کا ڈاکٹری معائنہ پولیس لائن میں کرایا گیا۔ ۷ اپریل کی صبح کو چھری کا پارسل ڈاکٹر آئی آر سی کے پاس لے گیا تا کہ وہ چھری کی نوک کا پتہ چلائے۔ ۷ اپریل کی دوپہر کو ملزم نے بتایا کہ چھری گمشدہ بازار سے خریدی گئی تھی۔ ہم وہاں گئے۔ آتمارام نے بتایا کہ وقوعہ والے دن اس نے ایک چھری فروخت کی ہے۔ میں نے دو چھریاں اس سے قبضہ میں لیں۔ چھری کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا نہ ملا۔ ایک بجے کے قریب جب مجھے فرصت ہوئی تو ڈپٹی کمشنر صاحب سے لالہ ملکہراج کے نام حکم لیا کہ وہ پریڈ کے موقع پر موجود رہیں۔ میں نے پولیس کانسٹیبل کو ٹیلی فون کیا کہ وہ آتمارام کو تھانہ نو لکھا میں لائے۔ مجسٹریٹ صاحب ۵ بجے کے بعد آئے۔ میں نے ہیڈ کانسٹیبل کو بھیجا تھا کہ قلعہ گوجر سنگھ سے آدمی لائے۔ مجسٹریٹ نے ان میں سے ۶، ۷ آدمی چن لیے۔ گواہ کو بلایا گیا، وہ لائن کے دروازہ سے پریڈ نہیں دیکھ سکتا تھا جب آتمارام اندر آیا تو اس نے ملزم کو شناخت کر لیا۔

بہ جواب جرح کہا میں نے اس جگہ کی تلاشی نہیں لی جہاں کہ ملزم ترکھان کا کام کرتا ہے۔ جب میں نے ملزم کے مکان کی تلاشی لی تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ چھری کہاں سے خریدی گئی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ملزم ترکھان تھا۔ میں نے تلاشی ہتھیار کے لیے نہیں لی تھی، مکان میں کچھ اوزار موجود تھے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے جب ملزم نے ہمیں آتمارام کی دکان کا پتہ بتایا تو سی آئی ڈی کے افسر اور شاید جلال الدین بھی تھا میں نے اس سے سوال کیا تھا کہ اس نے چھری کہاں سے خریدی تھی۔ آتمارام سے میں نے پوچھا۔ اور سب انسپکٹر نے فرد تیار کی۔ مجھے یاد نہیں کہ کوئی آدمی وہاں اور موجود تھا جب کہ آتمارام کا بیان قلم بند کیا۔ اس کا بیان اس کی دکان کے نزدیک ایک تھڑے پر لکھا گیا۔ اس سے کہا گیا کہ وہ باہر نہ جائے۔ شاید اس کی ضرورت شناخت کے لیے پڑے۔ میں نے ملزم کی ناک کا نشان ۶ رتاریخ کو قلم بند کیا تھا۔ ملزم کی آنکھ کے نیچے بھی ایک نشان ہے، ممکن ہے کہ اس وقت میں نے خیال نہ کیا یا اس کے لکھنے کی ضرورت نہ سمجھی ہو۔ اس کے کان میں میں نے دھاگے رہنے دیے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ دھاگے شناخت کے وقت اس کے کانوں میں تھے کہ نہیں۔

اس کے بعد سرکاری وکیل نے کہا کہ میں شہادت استغاثہ بند کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی

وکیل موصوف نے کیمیکل ایگزیمینر (Chemical Examiner) کی رپورٹ عدالت میں پیش کی اور اجلاس لنچ (Lunch) کے لیے ملتوی ہوا۔

### علم الدین کا بیان

علم دین ولد طالع مند قوم ترکھان عمر ۱۸ سال ساکن بازار سریانوالہ لاہور۔ ملزم کو ماتحت عدالت کا بیان پڑھ کر سنایا، اس نے درست تسلیم نہیں کیا۔ جب میں پکڑا گیا تو مجھے بہت مارا گیا اور جب مجھے پولیس لائن میں لائے تو وہاں بھی مارا گیا، میری کسی نے نہیں سنی۔ پریڈ میں مجھے جوتا اور پگڑی ملی لیکن لالہ جواہر لال نے مجھے کہا کہ جوتا اتار دے، میں نے جوتا اتار دیا پھر مجسٹریٹ صاحب آئے۔ پھر کباڑیا آیا۔ میں پریڈ میں دوسرے نمبر پر تھا۔ میرے ساتھ ایک بوڑھا آدمی کھڑا تھا، گواہ آیا تو اس نے مجھے شناخت کیا۔ اسی روز صبح نو بجے جب میں روٹی کھا رہا تھا تو انسپکٹر جواہر لال گواہ آتارام کے ساتھ آئے۔ انسپکٹر نے مجھے سگریٹ دیا اور گواہ نے مجھے دیکھ لیا۔ پریڈ کے وقت میرے سر پر پگڑی تھی اور میرے پاؤں میں جوتا نہ تھا۔ دوسروں کے سر میں پگڑی نہ تھی اور جوتے پاؤں میں تھے۔ مجھے ڈاکٹر کے پاس حوالات کے کمرہ سے ۱۰۰ قدم کے فاصلہ پر لے گئے۔ مجھے انسپکٹر نے کہا کہ وہی کہنی پر اور دائیں ٹانگ پر جو زخم ہے۔ ڈاکٹر کو نہ دکھانا ورنہ تم کو پیٹوں گا۔ جب مجھے ٹال کے قریب پکڑا تھا تو ہندوؤں نے مجھے سخت زد و کوب کیا۔ میری کہنی اور ٹانگے پر چوٹیں آئیں اور میری شلوار پھٹ گئی۔ پولیس نے بھی مجھے بہت مارا۔ میری کہنی اور ٹانگ سے خون بہہ نکلا تھا۔ جب مجھے پکڑا گیا تو میں نے یہ قمیص پہنی ہوئی تھی لیکن یہ شلوار میری نہیں۔ میں شہادت صفائی نہیں دوں گا۔ جب مجسٹریٹ صاحب آئے تو میں نے ان کو کہا تھا کہ گواہ نے مجھے دیکھ لیا ہے لیکن انہوں نے کچھ پرواہ نہیں کی۔

### سرکاری وکیل کی بحث

سرکاری وکیل نے ایسر صاحبان کو مخاطب کر کے کہا کہ میں لمبی چوڑی بحث نہیں کرنا چاہتا، اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ راج پال کو سفاکانہ طریقہ سے قتل کیا گیا۔ یہ امر بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ اس نے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اس کے خلاف رنجش تھی۔ اس مقدمہ میں سب سے ضروری بات یہ ہے کہ اس کے مقدمہ کے اندر دیر نہیں ہوئی۔ قتل کے بعد جلد ہی قاتل پکڑا گیا اور وہ کسی وقت بھی گواہان کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا۔ اور وہ فخریہ

بیان کرتا رہا ہے کہ وہ چور نہیں ہے، ڈاکو نہیں ہے، اس نے رسول کا بدلہ لیا ہے۔ تارا چند، برکت علی ہیڈ کانسٹیبل وہاں پہنچ جاتے ہیں اور چھری کو فوراً قبضہ میں لے لیتے ہیں۔ چھری جس حالت میں اب ہے اگر اسی حالت میں اسے زور سے لگایا جائے تو چھاتی کا زخم لگ سکتا ہے۔ سب انسپکٹر جلال الدین نے ملزم کے کپڑوں پر قتل کے جلد ہی بعد خون کے نشانات دیکھے۔ آپ کے سامنے بھگت رام نے بیان کیا کہ مقتول کو گردن سے پکڑ کر قتل کیا گیا۔ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ تمام گواہوں کے بیانات فوراً قلم بند کیے گئے، کوئی موقع نہ تھا کہ شہادت جھوٹی بنائی جاتی یا گواہان کو کوئی وقت ملتا کہ وہ کوئی اور بات بنا لیتے۔ آپ کد ارناتھ اور بھگت رام کے بیانات کو درست تسلیم فرمائیں اور معمولی اختلافات سے درگزر کریں۔ معمولی اختلافات کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ بناوٹی کہانی بنانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اگر کہانی بناوٹی ہوتی تو ضروری تھا کہ گواہان میں اختلافات نہ ہوتے اور وزیر چند بھی ضرور یہی ظاہر کرتا کہ وہ دوسرے گواہان کی طرح ملزم کے پیچھے بھاگا اور ملزم اس کی آنکھ سے اوجھل نہ ہوا۔ ملزم برہموسماج کی گلی کی طرف اس لیے نہ گیا کہ وہ دوسری ایسی سڑک پر نکلتی ہے جہاں زیادہ آمدورفت ہے۔ تمام گواہان کی شہادت قابل اعتبار ہے۔ ملزم کی قمیص سرخ دھاری والی تھی اور ایسے رنگ کی نہ تھی کہ گواہان کو اس کے پہنچانے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔ ملزم کا یہ بیان کہ انسپکٹر صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ تم کہنی اور ٹخنے کے زخم نہ بتانا۔ غلط ہے۔ کیا ڈاکٹر صاحب ملزم کا ملاحظہ کرنے آئے تھے یا وہ زخم دیکھنے آئے تھے جو ملزم نے ان کو دکھائے۔ ملزم کی کہانی بالکل جھوٹی ہے۔ ملزم نے مسٹر لوئس کی عدالت میں ان باتوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ چھری کونے سے ٹوٹ گئی ہو۔ اس بات کا کہ چھری کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے۔ مقدمہ پر کچھ اثر نہیں ہو سکتا کیوں کہ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ راج پال کے جسم کے زخم سوائے چھاتی کے زخم کے اس ٹوٹی ہوئی نوک والی چھری سے لگ سکتے ہیں اور چھاتی کا زخم بھی اس چھری سے لگ سکتا ہے، اگر زخم لگانے کے وقت زیادہ زور استعمال کیا جائے۔ یہ درست ہے کہ آتما رام سے ملزم نے اسی روز چھری خریدی۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا ہوتا تو آتما رام ملزم کو شناخت نہ کر سکتا۔ ملزم نے جب وہ پکڑا گیا۔ فخریہ طور پر کہا کہ اس نے حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بدلہ لیا ہے تاکہ ارد گرد کے مسلمان اس کی مدد کریں اور اسے (بچا) لیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے شخص سے کوئی ہمدردی نہ تھی اور انہوں نے

اس کی کچھ پروا نہ کی۔ گو علم الدین قتل کرتے ہوئے نہیں پکڑا گیا لیکن چند منٹوں کے بعد کچھ فاصلے پر پکڑے جانے میں کوئی شک نہیں۔ اس خیال کو مد نظر رکھ کر کہ علم الدین نے راج پال کا بڑی بے رحمی سے قتل کیا ہے۔ میری گزارش ہے کہ اس کو ضرور سزا دی جائے۔

### وکیل ملزم کی بحث

مسٹر سلیم وکیل ملزم نے اسی سر صاحبان کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ کو اس مقدمہ میں صرف واقعات پر رائے دینی ہے نہ کہ دوسری باتوں پر جو کہ اخبارات وغیرہ میں چھپتی رہی ہیں۔ آپ کو اس وقت وہ تمام باتیں دل سے محو کر دینی چاہئیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا راج پال کو قتل ہوتے کسی نے دیکھا ہے کہ نہیں۔ میری رائے میں راج پال کو قتل ہوتے کسی نے نہیں دیکھا۔ کیوں کہ ہمیں ان حالات کو مد نظر رکھنا ہے جن میں کہ وہ قتل ہوا ہے۔ قاتل نے ضرور پہلے پتہ لگایا ہوگا کہ اس وقت قتل کرنے کا موقع تھا یا نہیں۔ کیوں کہ قاتل کو یہ ضرور معلوم ہوگا کہ اس کے پاس پولیس کا پھرہ ہوتا ہے اور جیسا کہ جلال الدین سب انسپکٹر نے بیان کیا ہے، اس دن بھی ایک کانسٹیبل موجود تھا جو اس وقت مقتول سے پوچھ کر روٹی کھانے گیا ہوا تھا۔ قاتل کو صرف اسی وقت حملہ کرنا تھا جس وقت وہ اکیلا ہو کیوں کہ قاتل کی یہی منشا ہوتی ہے کہ قتل کروں اور قتل کے بعد بچ کر نکل جاؤں۔ قاتل کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے تھا کہ وہ دو شخصوں کی موجودگی میں قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ بھاگ کر نکل سکتا ہے۔ لازم یہی ہے کہ قاتل کمرہ میں اسی وقت داخل ہوا جس وقت کہ راج پال اکیلا تھا اور کدارنا تھو و بھگت رام وہاں موجود نہ تھے۔ ڈاکٹر کی شہادت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل نے راج پال پر کئی وار کیے ہوں گے اور راج پال کے ہاتھوں کے زخموں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاتل اور اس کی آپس میں ضرور کشمکش ہوئی ہوگی۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ وہاں نزدیک اور کوئی موجود نہ ہو۔ لیکن کدارنا تھو اور بھگت رام تو صرف چھاتی کا زخم ہی بیان کرتے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق کوئی نہ کوئی کشمکش نہیں ہوئی اور نہ چھاتی کے زخم کے علاوہ اور کوئی زخم لگا۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ دونوں گواہ قتل کے وقت موجود نہ تھے اور سراسر جھوٹے ہیں۔ قاتل کو اگر دیکھنے والا کوئی نہ ہو تو لازم ہے کہ وہ آگے قتل ساتھ کبھی نہیں لے جائے۔ ہمیشہ پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور اگر اس وقت اور اشخاص موجود ہوں تو وہ آگے قتل کبھی نہیں پھینکتا۔ اپنے بچانے کے لیے اپنے پاس ہی رکھے گا۔ دوسرا یہ کہ اگر قتل



کے وقت اس کے پاس کافی وقت ہو تو وہ چھری رکھ کر جائے گا اور اگر وقت نہ ہو تو چھری پھینک کر جائے گا۔ اس مقدمہ میں قاتل چھری پھینک کر نہیں گیا بل کہ رکھ کر گیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قاتل دکان میں کافی دیر رہا اور اس کے اور راج پال کے سوا دکان میں اور کوئی موجود نہ تھا۔ بھگت رام بیان کرتا ہے کہ قاتل نے ایک ہاتھ سے مقتول کی گردن پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے چھاتی پر زخم لگایا لیکن کد ارناتھ نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ اس کی گردن قاتل نے پکڑے ہوئے تھی۔ بھگت رام کے عدالت کے بیان اور پولیس کے بیان میں بہت اختلافات ہیں اور کیا یہ اختلافات معمولی ہیں جن کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر یہ دونوں گواہ سچے ہوتے تو یہ تمام ضربات بتاتے۔ یہ گواہ اس لیے جھوٹے ہیں کہ ڈاکٹر کے معائنہ سے پہلے ان کو یہ بالکل معلوم نہ تھا کہ راج پال کے جسم پر کتنے زخم ہیں۔ انہوں نے صرف چھاتی کا زخم دیکھا اور پولیس کے سامنے بیان کر دیا کہ انہوں نے قاتل کو چھاتی پر زخم لگاتے دیکھا ہے۔ اگر پولیس میں ان کے بیانات ڈاکٹروں کی شہادت کے بعد قلم بند ہوتے تو انہیں یہ کہنا تھا کہ انہوں نے سر اور دوسرے حصوں پر بھی زخم لگاتے دیکھا ہے۔

اب رہا ملزم کی گرفتاری کا معاملہ۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے تعلقات ایسے کشیدہ رہے ہیں کہ یہ ضروری تھا کہ جس وقت راج پال کے قتل ہونے کا پتہ چلا تو شبہ کسی مسلمان پر ہوتا۔ استغاثہ کی شہادت سے یہ ظاہر ہے کہ اس دن ہسپتال روڈ پر علم الدین کے سوا اور کوئی مسلمان نہ تھا۔ اس وقت اگر وہ کسی اور مسلمان کو وہاں دیکھتے تو ضروری تھا کہ اس کو پکڑ لیتے اور شور مچا دیتے کہ قاتل یہی ہے۔ وہ غریب مسلمان ضروری تھا کہ گھبرا کر بھاگتا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ یہی حال علم الدین کا ہوا، وہ غریب سڑک پر آ رہا تھا کہ شور ہوا کہ راج پال قتل ہو گیا ہے اس کو پکڑ لیا۔ قاتل نے قتل کرنے سے پہلے یہ ضرور خیال کر لیا ہوگا کہ وہاں ایک سڑک برہموساج بھی ہے جس سے کہ وہ بھاگ کر نکل سکتا ہے۔ سرکاری وکیل کا یہ خیال غلط ہے کہ وہ اس طرف اس لیے نہیں گیا کہ وہ دوسری ایک سڑک پر نکلتی ہے کہ جہاں لوگوں کی زیادہ آمدورفت ہے۔ میرے خیال میں قاتل کی قتل کے بعد یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ جلد سے جلد ہجوم میں مل جائے اور دُور تک کسی ایسی سڑک پر نہ جائے جہاں کہ آمدورفت کم ہو۔ یہ کہانی کہ وہ ٹال کے اندر گرفتار ہوا۔ غلط ہے۔ اسے ٹال سے باہر پکڑا گیا۔ یہی وزیر چند اور رحمت علی کا نیشنل کہتے ہیں۔ و دیارتن کی شہادت

قابل اعتبار نہیں ہے کیوں کہ اس کے پولیس والے اور عدالت کے بیانات میں بہت اختلافات ہے۔ اس بات کی بابت کہ پکڑے جانے کے بعد اس نے کہا کہ میں نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بدلہ لیا ہے، میں چور نہیں ہوں، ڈاکو نہیں ہوں۔ گواہوں میں بہت اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس نے یہ الفاظ صرف ٹال پر ہی کہے۔ کوئی کہتا ہے کہ دکان پر بھی کہے۔ کوئی کہتا ہے کہ دونوں موقعوں پر کہے۔ کوئی کہتا ہے کہ راستہ میں بھی کہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ الفاظ اس نے خود بہ خود کہے۔ کسی کے سوال کرنے پر نہیں کہے۔ لیکن وزیر چند یہ کہتا ہے کہ میرے پوچھنے پر اس نے یہ الفاظ کہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ کسی کو الفاظ یاد نہیں۔

وزیر چند کا بیان ہے کہ اس نے ہاتھ پھیلا کر یہ الفاظ کہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علم الدین جرم کا اقبال نہیں کر رہا تھا۔ کدار ناتھ اور بھگت رام کی موجودگی میں اس کا یہ کہنا کہ میں چور نہیں ہوں، ڈاکو نہیں ہوں۔ بے معنی ہے۔ اس کے کپڑوں پر خفیف نشانات تھے اور وہ ایسی جگہ پر تھے کہ جہاں قتل کرنے سے خون نہیں لگ سکتا۔ ان تمام واقعات کو مد نظر رکھ کر میں گزارش کرتا ہوں کہ ملزم قاتل نہیں ہے اور اس کو سزا نہ دی جائے۔ اگر اس شہادت سے آپ کے دلوں میں ذرا بھی شبہ پیدا ہو جائے کہ ملزم نے قتل نہیں کیا تو اس کا فائدہ ملزم کو دینا چاہیے۔

### اسیروں کی رائے

مسٹر ٹیپ سیشن جج نے اسیر صاحبان کی رائے پوچھی کہ آیا ان کے خیال میں علم الدین قاتل ہے کہ نہیں۔ دو مسلمان اسیر صاحبان نے کہا کہ ہماری رائے میں علم الدین قاتل نہیں ہے لیکن دوسرے ہندو اور سکھ اسیروں نے کہا کہ ہمارے خیال میں وہی قاتل ہے۔ اسیر صاحبان کی رائے قلم بند کرنے کے بعد عدالت نے کہا کہ فیصلہ ۲۲ مئی کو سنایا جائے گا۔



انقلاب ۲۲ مئی ۱۹۲۹ء

## قتل راج پال کے مقدمہ کا فیصلہ ہو گیا

میاں علم الدین کو سزائے موت کا حکم

لاہور۔ ۲۲ مئی: آج مسٹریٹ سیشن جج لاہور نے راج پال کے قتل کے مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے میاں علم الدین ملزم کو سزائے موت کا حکم دے دیا۔ قارئین کرام کو یاد ہو گا کہ گزشتہ تاریخ پیشی پراسیسروں میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا تھا۔ ایک ہندو اور ایک سکھ اسیسرنے ملزم کے گنہگار ہونے کی رائے دی تھی لیکن باقی دونوں مسلمان اسیسروں نے شہادت پیش کردہ عدالت کی بنیاد پر ملزم کو بے گناہ قرار دیا تھا۔ عدالت نے راج پال کے ملازموں کدار ناتھ اور بھگت رام کی شہادت کی بنا پر ملزم کو مجرم قرار دیا۔

## عدالت کے باہر کا نظارہ

فیصلہ سنانے سے پیشتر ہی سیشن کورٹ کے باہر ایک ہزار کے قریب مسلمان جمع تھے۔ عدالت کے چاروں طرف پولیس کا پہرہ تھا اور خاص طور پر کمرہ عدالت کے ارد گرد کافی پولیس تعینات کی گئی تھی۔ ملزم کو مسلح کانسٹیبلوں کی حراست میں لایا گیا اور ملزم کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ جب ملزم کو موٹر کار میں بٹھا کر سنٹرل جیل میں لایا گیا تو عدالت کے باہر جمع شدہ مسلمانوں نے ”اللہ اکبر“ کے نعرے لگائے۔ مسلمانوں میں کافی جوش و خروش تھا مگر کوئی نامناسب واقعہ نہیں ہوا۔



انقلاب ۲۵ مئی ۱۹۲۹ء

## علم الدین کو پھانسی کی سزا

آخر مسٹر ٹیپ سیشن جج نے راج پال کے مقدمہ قتل کا فیصلہ سنا ہی دیا اور علم الدین کو پھانسی کی سزا دے ہی دی۔ اگرچہ بعض اونچے حلقوں میں مقدمے کے ابتدائی ایام ہی سے یہ خیال ظاہر کیا جا رہا تھا کہ علم الدین کو غالباً سزائے موت دی جائے گی لیکن مقدمہ اس قدر کمزور تھا اور مسٹر سلیم کی فاضلانہ جرح نے استغاثہ کی دھجیاں کچھ اس انداز سے بکھیری تھیں کہ عامۃ الناس میں سے اکثر اشخاص کو یہ حسن ظن ہو گیا تھا کہ شاید علم الدین موت کی سزا سے بچ جائے۔

یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ علم الدین کو کسی نے ارتکاب جرم کرتے نہیں دیکھا۔ واقعہ کا کوئی عینی شاہد موجود نہیں۔ قتل شہر کے ایک پُر رونق حصے میں دن دھاڑے دو اڑھائی بجے بعد دوپہر واقع ہوا، اور مقتول کے جسم پر بے شمار زخموں سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قاتل و مقتول کے درمیان دیر تک کشمکش بھی ہوتی رہی لیکن اس کے باوجود نہ کسی نے علم الدین کو قتل کرتے دیکھا نہ آگے بڑھ کر اسے اس ہولناک جرم کے ارتکاب سے روکنے کی کوشش کی۔ استغاثہ صرف ایک ہی حقیقت پر مبنی ہے کہ ملزم موقع واردات سے ذرا دور گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اور یہ ایک ہی مسلمان تھا جو اس وقت سڑک پر سے گزرتا ہوا دکھائی دیا چوں کہ اس وقت راج پال مر چکا تھا اور لوگوں کے ہجوم کو یہ خیال تھا کہ اس کو کسی مسلمان نے ہی ہلاک کیا ہے اس لیے جو پہلا مسلمان انہیں ملا۔ اسی کو پکڑ لیا۔ اگر علم الدین کی جگہ کوئی دوسرا مسلمان سڑک پر سے گزر رہا ہوتا تو ممکن تھا کہ ہجوم اسی کو گرفتار کر ادیتا۔ علم الدین کا بیان ہے کہ اسے بہت بُری طرح زد و کوب بھی کیا گیا۔ خیال یہ ہے کہ اس کے کپڑوں پر خون کے جو بعض دھبے پائے گئے ہیں وہ اسی زد و کوب کا نتیجہ ہوں گے۔ ان تمام حالات کے باوجود علم الدین کو شبہ کا فائدہ بھی نہیں دیا گیا اور ہمارے نزدیک اس کو کافی شہادت کے باوجود سزائے موت دے دی گئی ہے۔ ابھی فاضل سیشن جج کا پورا فیصلہ ہمارے سامنے نہیں۔ ہم منتظر ہیں کہ جلد سے جلد فیصلہ دستیاب ہو اور ہم یہ معلوم کر سکیں

کہ عدالت نے کن دلائل و شواہد کی بنا پر علم الدین کو راج پال کا حقیقی قاتل قرار دیا ہے۔



انقلاب ۳۰ مئی ۱۹۲۹ء

## قتل راج پال کے مقدمہ کی اپیل

سرکاری وکیل کے نام مکتوب احمر

لاہور۔ ۲۸ مئی: مسٹر راج کشن بیرسٹر اسپیشل پبلک پریسیکیوٹر جو راج پال کے قتل کے مقدمہ میں بہ طور وکیل استغاثہ پیش ہوئے تھے۔ ان کے نام لدھیانہ سے ایک سرخ مکتوب موصول ہوا ہے۔ چٹھی پر لاہور کے ڈاک خانہ کی ۲۷ مئی کی ایک مہر ہے۔ دوسری طرف کی مہر پڑھی نہیں جاتی۔ چٹھی کا مضمون حسب ذیل ہے:

جناب والا!!!

”چوں کہ آپ نے راج پال جیسے ذلیل شخص کی طرف سے پیروی کر کے ایک بے گناہ شخص کو پھنسا یا ہے لہذا آپ کو بہ ذریعہ عریضہ ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ اگر آپ نے آئندہ پیشی (ہائی کورٹ) میں اپنا رویہ نہ بدلاتو آپ کو اور مردود جہنم رسید کے ملازم کو نہایت بے رحمی سے قتل کر کے سرگ باش کر دیا جائے گا۔

اس ضمن میں سپاہی نمبر ۷ کو جس نے کہ راج پال کو کیفر کردار تک پہنچا کر اپنی بہادری کا جیتا جاگتا ثبوت دیا ہے۔ اطلاع دی جاتی ہے کہ وقت مقررہ کے اندر تادیبی کارروائی کر کے دوبارہ اپنی بے باکی کا ثبوت دے۔“

لدھیانہ ۲۵ مئی ۱۹۲۹ء



انقلاب یکم جون ۱۹۲۹ء

## میاں علم الدین کا مرافعہ عدالت عالیہ میں داخل ہو گیا

سماعت غالباً تعطیلات گرما میں ہوگی

لاہور۔ ۳۰ مئی: راج پال کے مقدمہ قتل کے ملزم علم الدین کی طرف سے آج عدالت عالیہ میں سیشن جج کے فیصلہ کے خلاف مرافعہ دائر ہو گیا ہے۔ سیشن جج نے ملزم کو مجرم قرار دیتے ہوئے پھانسی کی سزا دی تھی۔ خیال ہے کہ یہ مرافعہ اس پنچ میں پیش ہوگا جو موسم گرما کی تعطیلات میں مقرر ہونے والا ہے۔



انقلاب ۱۳ جون ۱۹۲۹ء

## عدالت عالیہ میں علم الدین کے مرافعہ کی سماعت

ایام تعطیلات سے قبل ہونے کی توقع

لاہور۔ ۱۰ جون: راج پال کے بیان کردہ قاتل علم الدین کو عدالت سیشن سے پھانسی کی سزا ملی تھی اور مسٹر ٹیپ سیشن جج کے حکم کے خلاف عدالت سابقہ میں ملزم کی طرف سے اپیل بھی دائر ہو گیا تھا۔ پیشتر ازیں یہ خبر دی گئی تھی کہ اس اپیل کی سماعت موسم گرما کے ایام تعطیلات میں ہوگی۔ لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ اس مقدمہ کا فیصلہ جلد تر کرانے کی کوشش ہو رہی ہے اور ہائی کورٹ میں اپیل مذکور کی فرضی تاریخ یکم جولائی مقرر ہوئی ہے۔ غالباً سماعت تعطیلات سے پیشتر ہی کوئی جج کر دے گا۔



انقلاب ۱۳ جولائی ۱۹۲۹ء

## میاں علم الدین کا مرافعہ

تاریخ سماعت کے متعلق غلط بیانی کی تردید

ہم عصر ”ملاپ“ کی اشاعت مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۲۹ء میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ میاں علم الدین کے مرافعہ کی سماعت ۲۲ جولائی کو ہوگی لیکن اب ایک نہایت معتبر ذریعے سے اس خبر کی تردید موصول ہوئی ہے، جس میں لکھا ہے کہ تاریخ سماعت ۱۵ جولائی ہے اور اس روز سب سے پہلے میاں علم الدین ہی کا مقدمہ پیش ہوگا۔ نیز مسٹر جناح پیروی مقدمہ کے لیے لاہور تشریف لا رہے ہیں۔



انقلاب ۱۷ جولائی ۱۹۲۹ء

## میاں علم الدین کا مرافعہ

مسٹر محمد علی جناح کی فاضلانہ تقریر

مدت سے لگ رہی تھی لب بام ملکلی

تھک تھک کے گر پڑے نگہ انتظار آج

لاہور۔ ۱۵ جولائی: میاں علم الدین کو جسے راج پال کے قتل کے جرم میں مسٹر ٹیپ سیشن

بج لاہور کی عدالت سے پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ آج اس کا مرافعہ مسٹر براڈوے اور مسٹر جسٹس جانسن کے ڈویژنل بینچ میں پیش ہوا۔

صبح نو بجے سے ہی لوگ جوق در جوق جمع ہونے شروع ہو گئے اور ۱۰ بجے تک اوپر کی

گیلری پر ہو گئی۔ عدالت عالیہ کے بڑے دروازوں پر پولیس کا زبردست پہرہ تھا۔ عدالت کے

کمرے کے باہر بھی پولیس متعین تھی۔ کسی شخص کو بغیر اجازت ایوان عدالت کے اندر داخل

ہونے کی اجازت نہ تھی۔ اخبارات کے رپورٹروں کو سات سات مقامات پر روکنے کے بعد بڑی مشکل سے اندر جانے کی اجازت دی گئی۔ عدالت عالیہ کے وکلاء بھی بہ تعداد کثیر کارروائی سننے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا ہے کہ لدھیانہ، امرت سر اور دیگر مقامات سے بہت سے لوگ مقدمہ سننے کے لیے آئے۔ ان اصحاب میں سے جو عدالت کے کمرے میں موجود تھے مندرجہ ذیل نام قابل ذکر ہیں:

سید حبیب احمد مالک اخبار سیاست، مولوی غلام محی الدین، مسٹر محمد طفیل بیرسٹر، خلیفہ شجاع الدین، مدن کندلال پوری، چودھری گھسیٹا، چودھری محمد حسین ایڈووکیٹ لدھیانہ، ملک محمد امین، مسٹر محمد شریف وکیل، مسٹر بدر الدین بیرسٹر، مدیر اخبار ہنٹر، دیوان چمن لال سردار امر سنگھ، لالہ دنی چند، لالہ گوکل چند نارنگ، خواجہ فیروز الدین بیرسٹر، مہتہ امین چند ایڈووکیٹ۔

### وکلاء

میاں علم الدین کی طرف سے مسٹر ایم اے جناح جوکل رات ہی اس مقدمہ کی پیروی کے لیے بمبئی سے تشریف لائے ہیں۔ پیروکار تھے۔ اور استغاثہ کی طرف سے دیوان رام لال اور مسٹر جیون لال کھنہ پیش ہوئے۔

### شوروغل نہ ہونے پائے

کارروائی مقدمہ شروع ہونے سے پیشتر مسٹر جسٹس براڈوے اور مسٹر جسٹس کی عدالت میں کچھ اور مقدمات پیش تھے، اسی اثنا میں سررشتہ دار (ریڈر) نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا کہ جج صاحبان کا حکم ہے کہ اگر کسی قسم کا شوروغل ہو تو سب کو باہر نکال دیا جائے گا۔ آپ لوگ خود گیلری میں انتظام رکھیں۔ پولیس کے سپاہی بھی گیلری میں تعینات تھے، باہر بھی مسلمانوں کا کثیر التعداد مجمع کھڑا تھا۔ گیارہ بجنے میں بیس منٹ باقی تھے کہ میاں علم الدین کے والد ایک اور شخص کی معیت میں مسٹر جناح کی قانونی کتب کی ایک بھاری گٹھڑی اٹھا کر لائے۔

### صفائی کا حکم

دوسرے مقدمات کی سماعت کے بعد پونے گیارہ بجے جج صاحبان اٹھ گئے اور جاتے ہوئے پولیس افسر کو ہدایت کر گئے کہ کمرہ اچھی طرح سے صاف کرا کے فینائل چھڑک دی جائے۔ گیارہ بجنے میں دو منٹ باقی تھے کہ مسٹر جناح بہ ہمراہی مسٹر فرخ حسین بیرسٹر جو ابتدائی



عدالت میں ملزم کی طرف سے پیروکار تھے۔ عدالت کے کمرہ میں داخل ہوئے۔ ڈپٹی رجسٹرار عدالت عالیہ نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا کہ جو لوگ وکالت پیشہ نہ ہوں وہ کرسیاں وکلاء کے لیے خالی کر دیں۔

## مسٹر جناح کی تقریر

ٹھیک گیارہ بجے جج صاحبان پھر عدالت کے کمرے میں داخل ہوئے۔ ایوان عدالت اور گیلری مقدمہ سننے والوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔

### پولیس کی شہادت میں قانونی نقص

گیارہ بج کر پانچ منٹ پر مسٹر جناح نے تقریر شروع کی۔ آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں اس پولیس افسر کی شہادت کی طرف عدالت عالیہ کی توجہ مبذول کراتا ہوں جس نے بیان کیا کہ ہم ملزم سے یہ اطلاع پاتے ہی کہ میں نے آتمارام کباڑی سے چھری خریدی ہے فوراً اس کی دکان پر پہنچے۔ پولیس نے بہ ذات خود کوئی تفتیش نہیں کی۔ اور صرف ملزم کے بیان پر اکتفا کیا لیکن دفعہ ۲۷ قانون شہادت کے رُو سے ملزم کا بیان بہ طور شہادت نہیں پیش ہو سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ جج صاحبان اس کا فیصلہ صادر کریں۔ مسٹر جسٹس براڈوے نے کہا کہ شہادت کے قابل قبول یا ناقابل قبول ہونے کے سوال کا فیصلہ عدالت ماتحت کا کام ہے۔ مسٹر جناح نے کہا کہ آپ اس نکتہ پر اب نہیں تو آخر میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔

### موقع کی شہادتوں میں صریحی اختلاف

سلسلہ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا کہ اب غور طلب امر یہ ہے کہ ملزم کے اس مقدمہ میں ماخوذ کرنے کی کافی وجوہ موجود ہیں یا نہیں۔

۶ اپریل کو راج پال ہلاک کیا گیا لیکن سوال یہ ہے جس نے راج پال کو قتل کیا، وہ کون تھا؟ استغاثہ کی شہادت میں دو عینی گواہوں کے بیانات ہیں۔ یہ دونوں گواہ کدار ناتھ اور بھگت رام ہیں۔ ان عینی گواہوں کی شہادت کے قابل اعتماد ہونے کو پرکھنے کے لیے میں فاضل ججوں کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراتا ہوں کہ یہ دونوں مقتول راج پال کے ملازم تھے۔ ان

شہادتوں کو پرکھنے کا صرف یہی طریقہ [رہ جاتا ہے کہ ان] کے بیانات کے اختلافات دیکھے جائیں۔

### ایک اہم نقص

مسٹر جناح نے کدار ناتھ گواہ کا بیان پڑھ کر سنایا اور کہا کہ سخت تعجب کی بات ہے کہ اس بیان میں بھگت رام کا کہیں نام تک نہیں آیا۔ حالاں کہ وہ اس وقت دکان پر موجود تھا برخلاف اس کے گواہ بھگت رام کا بیان ہے کہ اس نے ملزم کا تعاقب کیا اور کدار ناتھ کے ساتھ مل کر ملزم پر کتابیں پھینکیں۔ جرح کے موقع پر بھی کدار ناتھ نے بھگت رام کا نام نہیں لیا۔ حالاں کہ ایک عینی شاہد کی حیثیت سے کدار ناتھ کو بھگت رام کا نام سب سے پہلے لینا چاہیے تھا۔ یہ ایک نہایت ہی اہم نکتہ ہے اور عینی شہادت کا جزو اعظم ہے۔

### طبی شہادت سے تردید

کدار ناتھ گواہ نے ارتکاب جرم کا جس قدر وقت بتایا ہے۔ طبی شہادت اس کی تردید کرتی ہے۔ طبی شہادت سے ظاہر ہے کہ گواہ کے بیان کردہ وقت سے دو چند وقت صرف ہوا۔

### اقبال جرم ناممکن ہے

مسٹر جناح نے فرمایا کہ گواہ کا بیان ہے کہ جب ملزم کو پکڑا گیا تو اس نے کہا میں نے کوئی چوری نہیں کی، ڈاکہ نہیں مارا۔ میں نے صرف اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بدلہ لیا ہے۔ ایک لمحہ کے لیے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ملزم بھاگتا جاتا تھا، اس کا تعاقب کیا گیا لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص گرفتار ہوتے ہی فوراً اس طرح اقبال جرم کرے۔ یہ شہادت بھی پیش کی گئی کہ وہ متواتر اقبال جرم کرتا رہا۔ پولیس کا ایسے موقع پر فرض تھا کہ وہ مجسٹریٹ کے روبرو ملزم کے بیانات قلم بند کراتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ ہر ایک تجربہ کار پولیس افسر کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ ملزم نے راج پال کی دکان پر آ کر بھی اقبال جرم کیا۔ ایسا غیر ممکن ہے۔ وہاں پولیس موجود تھی۔ یہ سب کہانی ایسی غیر قدرتی ہے کہ اس پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔

### پولیس کے سامنے کیوں نہیں کہا

مسٹر جناح نے کہا کہ یہ سب کہانی غلط ہے۔ گواہ نے نہ صرف بھگت رام کا نام ہی ترک کر دیا ہے بل کہ وزیر چند کا نام بھی چھوڑ دیا۔ حالاں کہ وزیر چند نے ملزم کا تعاقب کیا تھا۔ جرح پر گواہ نے کہا کہ میں وزیر چند کے نام کے کسی شخص کو نہیں جانتا۔ میں اس شہادت پر صرف یہی کہوں گا کہ اگر گواہ سچ بولتا تو وہ بھگت رام کا نام ضرور لیتا۔ اس کے علاوہ وہ پولیس کے سامنے بھی وہ الفاظ بتاتا جو اس نے بعد میں ملزم کی طرف منسوب کیے لیکن ایسا نہیں کیا گیا، اس لیے یہ کہانی فرضی ہے۔

### دیگر گواہوں کے بیانات میں اختلاف

دیوان وزیر چند کی شہادت پڑھ کر سناتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا کہ آیا فاضل جج صاحبان اس بات پر یقین کر سکتے ہیں کہ کد ارناتھ وزیر چند کو نہیں جانتا تھا، اگر اسے نام نہیں آتا تھا تو وہ کہہ سکتا تھا کہ کوئی آدمی وہاں موجود تھا۔ اس کے بعد گواہ بھگت سنگھ بھی تقریباً ایسی ہی کہانی سناتا ہے، اس کا بیان ہے کہ ملزم کی پیٹھ اس کی طرف تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ ہر ایک گواہ ان الفاظ کے متعلق جو ملزم نے کہے۔ مختلف بیانات دیتا ہے۔ چنانچہ بھگت سنگھ نے کہا کہ ملزم نے کہا تھا: ”ہتھکڑیاں سونے کے کڑے ہیں“۔

نانک چند گواہ کا بیان ہے کہ ملزم کہتا تھا:

”راج پال میرا دشمن نہیں بل کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دشمن ہے“

گواہ پر مانند نے کم و بیش وہی الفاظ کہے جو نانک چند نے کہے لیکن گواہ و دیارتن جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے ملزم کو گرفتار کیا۔ بالکل مختلف الفاظ بیان کرتا ہے۔ مسٹر جسٹس براڈوے: گواہ نے پہلے کہہ دیا ہے کہ میں ملزم کے صحیح الفاظ بیان نہیں کر سکتا مگر اس کا ملخص بتا سکتا ہوں۔

### آتمارام کباڑی بناوٹی گواہ ہے

میں صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ آتمارام کباڑی ایک سکھایا ہوا گواہ ہے۔ اسے اسی روز معلوم ہو گیا تھا کہ راج پال مارا گیا ہے پھر شناخت کی پریڈ ہوئی جس میں تین مرتبہ گھومنے کے

بعد اس نے ملزم کو شناخت کیا۔ گو اس گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ ملزم کی ناک کے قریب ایک نشان ہے۔ کیا کوئی چھریاں بیچنے والا اس قدر باریک بین ہو سکتا ہے کہ وہ اس بات کا بھی خیال رکھے کہ خریدار کی ناک کے پاس نشان بھی ہے۔ گواہ کا اپنا بیان ہے کہ ملزم کے کان میں دھاگا پڑا ہوا تھا حالاں کہ اس کی بینائی بھی اچھی نہیں۔

### چھریوں کی شناخت میں غلطی

اسی گواہ کا بیان ہے کہ میں فروخت کی ہوئی چھریوں کو پہچان سکتا ہوں لیکن بعد ازاں اس نے غلط چھری کو شناخت کیا۔ چھریاں عدالت میں پیش کی گئیں۔ مسٹر جناح نے ٹوٹی ہوئی نوک والی کی طرف جج صاحبان کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ خود ان چھریوں کو دیکھ کر بتائیں کہ ان میں کیا تمیز ہو سکتی ہے کہ آتمارام یہ بتانے کے وقت قابل ہو گیا کہ فلاں چھری ہے۔ ملزم کا بیان ہے کہ میں نے آتمارام کباڑی کی دکان سے چھری نہیں خریدی۔

### شناخت کے طریقہ میں نقص

شناخت کے وقت جو طریقہ اختیار کیا گیا۔ اس پر آپ زیادہ اعتماد نہیں کر سکتے۔ باوجود اس کے آتمارام کباڑی نے تین چکر لگانے کے بعد ملزم کو شناخت کیا۔

### خون کے نشانات کا مغالطہ

مسٹر جناح نے فرمایا: سب انسپکٹر کی شہادت ہے کہ ملزم کی شلواری اور قمیص پر خون کے نشانات تھے۔ ملزم کے جسم کے دیگر حصوں پر بھی معمولی نشانات تھے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملزم کو بھی ضربات آئیں۔ ملزم کا بیان ہے کہ میرے ساتھ تشدد کیا گیا تھا۔ استغاثہ نے کہیں بھی یقینی طور پر بیان نہیں کیا کہ ملزم کے کپڑوں پر خون کے جو نشانات تھے وہ اسی قتل کی وجہ سے تھے۔ طبی شہادت ہے کہ یہ نشانات شاید مقتول کے قریب آنے سے لگ گئے ہوں۔ یہ امر واضح ہے کہ ملزم مقتول کے نزدیک نہیں آیا۔ اس میں شک نہیں کہ خون کے نشانات کسی انسان کے خون کے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ یہ مقتول کے خون کے نشانات ہیں۔ اگر میری انگلی زخمی ہو جائے تو اس کے اندر سے بھی کافی خون نکل آتا ہے جس سے میرے کپڑوں پر بڑے بڑے نشانات لگ سکتے ہیں۔

### سیشن جج کا قابل اعتراض استدلال

اس کے بعد مسٹر جناح نے کہا کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ فاضل جج نے فیصلہ میں غلطی کی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ دو ہندو اسیسر ملزم کو مجرم بتاتے ہیں لیکن دو مسلمان اسیسر اسے بے قصور ٹھہراتے ہیں۔ اگر اس وقت ہندو مسلم فرقوں میں کشیدگی تھی تو فاضل جج کا فرض تھا کہ وہ اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کرتا۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ ہندو اسیسروں کی رائے فرقہ پرستانہ نہ تھی۔ اس کے علاوہ فاضل جج نے شہادتوں سے بھی غلط نتیجہ مرتب کیا ہے۔

### رحم کی استدعا

آخر میں مسٹر جناح نے کہا کہ ملزم نوجوان ہے۔ راج پال نے بدنام کتاب شائع کر کے مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کیا تھا، اس لیے سزائے موت سخت سزا ہے، ملزم پر رحم کیا جائے۔ لنچ (Lunch) کے بعد عدالت نے سرکاری وکیل کا جواب سننے کے بغیر حاضرین کو باہر نکال دیا اور فیصلہ محفوظ رکھا۔ سرکاری وکیل کی جوابی تقریر کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

### اپیل خارج کر دی گئی

معلوم ہوا ہے کہ چار بجے کے قریب عدالت نے فیصلہ سنایا اور اپیل نامنظور کر دی۔



انتخاب ۱۹ جولائی ۱۹۲۹ء

## میاں علم الدین کے مقدمہ کا فیصلہ

### فلقد رضیت بما رضی

و لنبلونکم بشیء من الخوف والجوع و نقص من الاموال  
والانفس و الثمرات و بشر الصبرین. الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا  
انا لله و انا الیه راجعون. (البقرة: ۱۵۵-۱۵۶)

[اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور جھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور بچوں کی کمی سے اور خوش خبری سنا ان عبرت والوں کو کہ جب ان پر کوئی منیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔]

عام حالات کے اعتبار سے میاں علم الدین کے مقدمے پر آخری پردہ گر چکا ہے، عدالت عالیہ اُمید و توقع کی آخری بڑی منزل تھی اگرچہ ایک چھوٹی سی منزل اور باقی ہے لیکن اس تک پہنچنا اور کامیاب ہونا اتنا یقینی نہیں جتنا کہ اس منزل میں یقینی تھا۔ جس کا سفر کل ختم ہو چکا۔ اپنے ان صد ہا بھائیوں کی طرح جو میاں علم الدین کو سزا سے بچانے کے لیے اب تک مخلصانہ کوششیں کرتے رہے ہیں۔ ہم بھی میاں صاحب موصوف کو بے گناہ سمجھتے ہیں لیکن عدالت سیشن کے بعد عدالت عالیہ نے بھی اس بے گناہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ مسٹر جناح نے مقدمہ کے واقعات کو سامنے رکھ کر انتہائی قابلیت کے ساتھ علم الدین کی بے گناہی ثابت کی، گواہان استغاثہ کے بیانات کی کمزوریاں، اختلافات اور تضادات واضح کیے اور ان کی بنا پر عدالت سیشن کے فیصلے کی غلطی ثابت کی لیکن عدالت عالیہ کے فاضل ججوں نے مسٹر جناح کے اعتراضات کو سامنے رکھ کر عدالت سیشن کے فیصلے کو درخور تحیر نہ سمجھا اور علم الدین کے لیے موت کی سزا بحال رکھی۔

## عینی گواہوں کے بیانات

کدار ناتھ عینی گواہ کے متعلق مسٹر جناح نے جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ ہے:  
 ۱۔ کدار ناتھ گواہ مقتول کا ملازم ہے اس لیے اس کی گواہی تامل اور غور کے بعد قبول کرنی  
 چاہیے۔

۲۔ اس نے اپنے ابتدائی بیان میں بھگت رام گواہ کا ذکر نہیں کیا، حالاں کہ وہ بھی مقتول  
 کی دوکان کے اسی حصے میں کام کر رہا تھا جس میں کدار ناتھ کام کر رہا تھا اور کدار ناتھ کی طرح  
 بھگت رام نے بھی بیان کردہ قاتل پر کتابیں پھینکیں اور اس کا تعاقب کیا۔  
 ۳۔ کدار ناتھ نے ابتدائی بیان میں ملزم کے متعلق یہ نہیں کہا کہ اس نے گرفتاری کے بعد  
 اقبال جرم کیا، عدالت سیشن میں وہ بیان دیتا ہے کہ ملزم نے کہا میں نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)  
 کی عزت کا بدلہ لیا ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ عینی گواہ نمبر ۲ یعنی کدار ناتھ جھوٹا ہے، اسی طرح مسٹر  
 جناح نے دوسرے عینی گواہ یعنی بھگت رام کی شہادت کو لے کر اس کی کمزوریاں واضح کیں۔

### ایک اہم نکتہ

پھر وزیر چند، نانک چند اور پرمانند وغیرہ کے بیانات پر نقادانہ بحث کر کے ثابت کیا کہ  
 کوئی بیان بھی اصلاً قابل اعتماد نہیں۔ بل کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص بیان وضع کر کے  
 مختلف آدمیوں کو طوطے کی طرح رٹا دیا گیا۔ سب سے اہم نکتہ یہ نکالا کہ عام بیانات کے مطابق  
 واقعہ کے وقت مقتول کی دکان پر ایک مقتول اور اس کے دو ملازم تھے۔ ڈاکٹر کی شہادت سے  
 ثابت ہوتا ہے کہ مقتول کے آٹھ زخم لگے یعنی اٹھارہ انیس سال کے ایک معمولی نوجوان نے دن  
 دھاڑے تین مردوں میں گھس کر ان میں سے ایک کے جسم میں آٹھ دفعہ چھری گھونپی اور نکالی اور  
 تین آدمی اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ عقل انسانی اس واقعہ کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتی۔

### آتمارام کباڑی کی شہادت

اس کے بعد مسٹر جناح نے آتمارام کباڑی کی شہادت کو لیا اور اس کا تاروپود بکھیرا، اس  
 کے خلاف آپ نے کئی دلائل قائم کیے مثلاً

۱۔ کوئی دکان دار اتنا بار یک بین نہیں ہو سکتا کہ اپنے ہر گاہک کی شکل یاد رکھے اور اسے پہچان لے۔ علی الخصوص اس گاہک کی شکل جو صرف ایک ہی مرتبہ اس کی دکان پر آیا ہو۔

۲۔ اس نے ملزم کے چہرے کے ایک نشان کو دیکھ کر پہچانا، ظاہر ہے کہ پولیس نے اسے یہ نشان بتا دیا ہوگا جس کی بنا پر اس نے ملزم کو شناخت کر لیا۔

۳۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ چاقو کو پہچان سکتا ہے لیکن جب چاقو اس کے روبرو پیش کیے گئے تو وہ پہچان نہ سکا۔

۴۔ وہ یہ بھی اعتراف کرتا ہے کہ میری نظر کمزور ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ آتما رام سکھایا پڑھایا ہوا گواہ ہے۔

استغاثہ کے یہی دو تین مہمانی تھے۔ اول عینی گواہ، دوم ملزم کو گرفتار کرنے یا کرانے والے اصحاب، سوم چاقو فروخت کرنے والا کباڑیا۔

ان مہمانی کی انتہائی کمزوری ثابت کرنے کے ساتھ ہی استغاثہ بالکل بے حقیقت رہ جاتا تھا۔

### خون کے دھبوں کا معاملہ

اس کے بعد صرف ایک امر تھا جس کی وضاحت ضروری تھی، وہ یہ تھا کہ اگر علم الدین کے قاتل ہونے کے عام دلائل و براہین غلط تھے تو اس کے کپڑوں پر انسانی خون کے دھبے کس طرح لگے۔ مسٹر جناح نے اس امر پر بھی سیر حاصل بحث کی مثلاً ڈاکٹر کا یہ بیان پیش کیا کہ مقتول کا خون فوارے کی طرح نہیں اُچھلا۔ اور جب حالت یہ ہے تو بیان کردہ قاتل کے جسم پر دھبے نہیں پڑ سکتے لیکن ڈاکٹر نے کہا کہ بیان کردہ قاتل کے کپڑے مقتول کی لاش سے چھو گئے ہوں گے۔ مسٹر جناح نے کہا کہ ڈاکٹر کی شہادت کا یہ حصہ بالکل لغو ہے۔ اسے رائے دینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ سیشن جج اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ مقتول کا خون فوارے کی طرح نہیں اُچھلا۔ اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ ملزم کے کپڑے مقتول کی لاش سے چھوئے نہیں۔ لیکن لکھتا ہے کہ ڈاکٹر کی رائے کے مطابق یہ خون انسانی ہے، اس لیے مقتول کا خون ہے اور چھری سے ٹپک کر ملزم کے کپڑوں پر گرا ہے۔ مسٹر جناح نے کہا کہ اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ جس خون کے دھبے ملزم کے کپڑوں پر ہیں وہ واقعی مقتول کا ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ یہ خود ملزم کا خون ہے۔ ملزم کا بیان



ہے کہ اسے گرفتار کرنے کے بعد ہندوؤں نے مارا پٹیا اور اس مار پیٹ سے اس کی انگلی اور کہنی پر زخم آئے۔

### مسلم اسپسروں کے خلاف ناواجب رائے

مسٹر جناح نے ایک اہم بات یہ کہی کہ سیشن جج نے مسلم اسپسروں کی رائے کے سلسلے میں خواہ مخواہ ہندو مسلم سوال پیدا کیا۔ اس مقدمے میں چار اسپسرتھے۔ دو مسلمان اور دو غیر مسلم۔ مسلمان اسپسروں نے ملزم کو بے گناہ بتایا۔ غیر مسلم اسپسروں نے جرم کا اثبات کیا۔ سیشن جج نے لکھا ہے کہ مسلمان اسپسروں کے فیصلے پر یقین نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کے دل میں فرقہ وارتعصب ہو۔ مسٹر جناح نے اس پر بحث کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا اس کا مفاد یہ ہے: مسلمان اسپسروں کے متعلق یہ کیوں کہا گیا، دوسرے اسپسروں کے متعلق کیوں نہیں کہا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں مسلمان اسپسروں کے فیصلے بالکل ایمان دارانہ ہوں۔ ان کے لیے ضروری نہیں کہ وہ وجہ بتائیں کہ فلاں فیصلے پر کیوں پہنچے ہیں۔ یہ امر افسوس ناک ہے کہ جج نے مسلمان اسپسروں کے متعلق تعصب کا اظہار کیا۔ ملزم کے حق میں جو شہادت تھی، سیشن نے اسے ناقابل قبول قرار دیا اور اس کے خلاف جو شہادت تھی اسے درست سمجھا۔ جسٹس براڈوے نے کہا کہ جج کو اختیار ہے وہ جس شہادت کو چاہے قبول کرے جس کو چاہے مسترد کر دے۔ مسٹر جناح نے کہا یہ صحیح ہے مگر قبول و عدم قبول کے لیے دلیل بھی ہونی چاہیے۔

### مقدمہ کا دوسرا پہلو

اس طرح علم الدین کو بے گناہ ثابت کرنے کے بعد مسٹر جناح نے معاملہ کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالی اور کہا کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ملزم واقعی قاتل ہے تو بھی اس کی سزا پھانسی نہیں بل کہ عمر قید ہونی چاہیے۔ اس کے لیے صاحب موصوف نے مندرجہ ذیل وجوہ پیش کیے:

- ۱۔ ملزم کی عمر اٹھارہ انیس سال کی ہے۔

- ۲۔ راج پال نے ایسی کتاب چھاپی جسے عدالت عالیہ نے بھی نفاق انگیز اور شررا فزا قرار دیا۔ ملزم نے اسے پڑھا اور وہ بھڑک اٹھا۔

- ۳۔ ملزم نے کسی لغو اور ذلیل خواہش سے یہ ارتکاب نہیں کیا بل کہ ایک کتاب سے غیرت کھا کر ایسا کیا۔

لیکن عدالت عالیہ نے سیشن کے فیصلے کو بہ حال رکھا حالانکہ حالات مقدمہ کے ماتحت یہ فیصلہ صحیح نہیں تھا اگر بہ درجہ آخر پھانسی کی سزا کو عمر قید میں تبدیل کر دیا جاتا تو اس حالت میں بھی سمجھا جاتا کہ سابقہ غلط فیصلے کی کسی حد تک تلافی ہو گئی ہے۔

اب سنا جاتا ہے کہ پریوی کونسل میں اپیل کی جائے گی۔ ہمیں اس واقعہ پر میاں علم الدین اور اس کے اعزاء کے ساتھ گہری ہمدردی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ علم الدین بے گناہ ہے۔ مقدمہ کے حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ استغاثہ بے حد کمزور تھا۔ محض اس کی بنا پر ملزم کو مجرم ماننا درست نہ تھا اور انتہائی سزا دینا تو بہت ہی افسوس ناک تھا۔ اللہ تعالیٰ علم الدین پر رحم کرے اور اس کے اعزاء و اقارب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔



انقلاب ۲۰ جولائی ۱۹۲۹ء

## علم الدین، جناح اور پرتاپ

ہندوستان میں چھوٹی بڑی ہزاروں عدالتیں ہوں گی جن میں روزانہ ہزاروں مقدمات کے فیصلے سنائے جاتے ہیں اور فریقین میں سے لازماً ایک کامیاب ہوتا ہے، دوسرا ناکام رہتا ہے، سب کی طرف سے عموماً وکیل پیش ہوتے ہیں، ایک وکیل لازماً شکست کھاتا ہے، وکیل کے لیے ضروری ہے کہ اپنے دعاوی کو مدلل طریق پر پیش کرے، مخالف کے دعاوی کو ہر اعتبار سے توڑے، عدالت کے فیصلے پر اس کا اختیار نہیں ہوتا، حج کتنے ہی انصاف پرست اور محتاط کیوں نہ ہوں، لیکن انسان ہیں ان سے بھی اسی طرح غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، جس طرح کہ دوسرے انسانوں سے اور ماتحت عدالتوں کے فیصلے اکثر و بیشتر بڑی عدالتوں میں جا کر مسترد ہو جاتے ہیں یا بدل جاتے ہیں تو یہ اسی امر کی دلیل ہے کہ عدالتیں غلطی کر سکتی ہیں۔

علم الدین کے خلاف راج پال کے قتل کا جو مقدمہ تھا۔ اس میں عدالت سیشن نے ملزم کو پھانسی کا حکم سنایا۔ ایسے اہم مقدمات میں ہر انسان اپنی استطاعت کے مطابق بہتر سے بہتر قانونی امداد کا انتظام کرتا ہے۔ علم الدین کے اعزاء و احباب نے بھی جنہیں اپنے آدمی کی بے

گناہی کا یقین تھا۔ اپیل میں بہتر سے بہتر قانونی امداد کا انتظام کیا۔ مسٹر جناح آئے، انہوں نے انتہائی قابلیت کے ساتھ استغاثہ کا تار و پود بکھیرا اور عدالت سیشن کے فیصلے کو غلط ثابت کیا۔ لیکن فاضل جج عدالت عالیہ مسٹر جناح کے دلائل سے متاثر نہ ہوئے اور انہوں نے عدالت ماتحت کا فیصلہ بحال رکھا۔ صد ہا مقدمات میں ایسا ہوتا ہے لیکن کبھی کسی شخص نے اس نوع کے فیصلوں کی بنا پر اپیلوں کا دروازہ بند کرنے کی کوشش نہیں کی اور کبھی کسی وکیل کی اس قسم کی باتوں کی وجہ سے تنقیص نہیں کی، لیکن (اخبار) ”پرتاپ“ کو چین نہیں آیا اور اس نے نوٹوں میں ”چلنت“ میں ”گپ شپ“ میں اور نہیں معلوم کس کس مہمل عنوان کے ماتحت مسٹر جناح کو رگیدا ہے۔ کہیں لکھا ہے کہ ان کی قابلیت علم الدین کو موت کے منہ سے نہ چھڑا سکی۔ کہیں لکھا ہے کہ انہیں ایسا کمزور مقدمہ لینا ہی نہیں چاہیے تھا کیوں کہ ہندوؤں کو ان کے خلاف نا واجب شکایت پیدا ہوگئی۔

ذرا غور کیجیے کہ ایک شخص ہے جس پر قتل کا الزام ہے۔ قانون اسے صفائی پیش کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ عدالت اس کی صفائی سنتی ہے لیکن اگر مسٹر جناح اس میں پیش ہوں، اس یقین و دعویٰ کے ساتھ پیش ہوں کہ ملزم بے گناہ ہے اور عدالت سیشن کا فیصلہ غلط ہے تو ہندوؤں کو فی الفور شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ مسٹر جناح نے اپنی تقریر میں استغاثہ کی ہر بنیاد منہدم کر دی۔ ان کا کام یہی تھا یہ دوسری بات ہے کہ عدالت کے فاضل ججوں کو اس تقریر کی بنا پر ماتحت عدالت کا فیصلہ بدلنے کی کوئی وجہ نہ ملی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تقریر کمزور تھی یا مقدمہ کمزور تھا۔ نہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جج اپیل کو مسترد کرتے ہوئے عام انسانی خطاؤں اور غلطیوں سے پاک ہو کر معصوم محض بن گئے تھے۔ کیا (اخبار) پرتاپ کو معلوم نہیں کہ (اخبار) ورتمان کے مقدمہ میں بھی اسی عدالت نے ایک فیصلہ صادر کیا تھا جس کے خلاف پرتاپ نے چار پانچ مقالے لکھے تھے۔ جس عدالت کا فیصلہ پرتاپ کے نزدیک اس وقت غلط تھا کیا وہ اب غلطی نہیں کر سکتی؟؟؟

یہ ساری خرافات پرتاپ اصلاً اس لیے اپنے صفحات پر لایا کہ مقتول ہندو تھا اور بیان کردہ قاتل مسلمان ہے۔ اگر سر شفیق نے علم دین کے مقدمہ میں پیش ہونے سے اس لیے انکار کیا کہ ہندوان کو برا سمجھیں گے اور ان کے پاس کوئی اور وجہ نہیں تھی تو ہمارے خیال میں انہوں نے سخت غلطی کی بل کہ شدید کمزوری کا اظہار کیا۔ مسٹر جناح کی جرات قابل قدر ہے کہ انہوں نے معاملہ

کو فرقہ واری کارنگ نہیں دیا بل کہ عام مقدمات کی حیثیت سے مقدمہ کیا اور قابلیت کے ساتھ انتہا تک پہنچایا۔ رہا نتیجہ تو اس پر انہیں کوئی قدرت حاصل نہ تھی۔



انقلاب ۲۱ جولائی ۱۹۲۹ء

## علم دین کا مقدمہ

بدنام زمانہ کتاب ”رنگیلا رسول“ کے مصنف مہاشے راج پال کے قتل کے الزام میں سشن جج لاہور نے علم دین کو پھانسی کی سزا دی تھی جس کا مرافعہ لاہور ہائی کورٹ میں دائر ہو چکا تھا۔ کل ۱۵ جولائی کو مسٹر جناح نے علم دین کی طرف سے پیروی کی۔ مسٹر جناح نے ماتحت عدالتوں کے گواہوں کے بیانات کو ناکافی بتا کر ایک دوسرے سے مختلف ثابت کیا اور کہا کہ لائق سشن جج نے ملزم کو جو سزا دی ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ عدالت کے اس سوال پر کہ تخفیف سزا کے لیے ان کے پاس کیا دلائل ہیں۔ مسٹر جناح نے جو کچھ بیان کیا وہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس سے شاید ہی کوئی چشم پوشی کرے۔

”رنگیلا رسول“ ایک ایسی کتاب تھی کہ مسلمانوں میں خصوصاً نوجوان مسلمانوں میں اس سے جوش اور اشتعال پیدا ہونا لازمی امر تھا۔ اس لیے علم دین یا کسی اور کا مشتعل ہونا کوئی بعید نہیں۔ عدالت نے ابھی تک اپنا فیصلہ نہیں سنایا ہے لیکن مسٹر جناح کی بحث کے بعد عدالت نے وکیل سرکار کے جواب کو سننے کو جو غیر ضروری ٹھہرایا تھا۔ مرافعہ کا نتیجہ تو اسی سے معلوم ہو سکتا تھا۔ (ملت، دہلی)



انقلاب ۲ اگست ۱۹۲۹ء

## پنجاب ہائی کورٹ اور مسٹر محمد علی جناح

عام طور پر ایک ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ دوسرے ہائی کورٹ میں بہ غرض پیروی مقدمات پیش نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسٹر محمد علی جناح نے علم الدین کے مقدمے میں پیش ہونے کی اجازت ہائی کورٹ پنجاب سے طلب کی تو مسٹر جسٹس بڑاڈوے نے اس کی مخالفت کی لیکن چیف جسٹس سر شادی لال نے مسٹر جناح کو میاں علم الدین کی اپیل میں کام کرنے کی اجازت دے دی۔ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اس معاملے میں چیف جسٹس نے ہوش مندانہ طریق اختیار کیا۔ اگر وہ اجازت نہ دیتے تو مسلمانوں میں بے حد جوش پھیل جاتا۔



انقلاب ۲ اگست ۱۹۲۹ء

## میاں علم الدین کا مرافعہ پر یوی کونسل میں

معتبر ذریعے سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ راج پال کے مفروضہ قاتل میاں علم الدین کا مرافعہ عدالت عالیہ لاہور کے فیصلے کے خلاف مسٹر فرخ حسین بیرسٹرایٹ لاء کی وساطت سے پر یوی کونسل میں دائر کر دیا گیا ہے۔



انقلاب ۴ اگست ۱۹۲۹ء

## میاں علم الدین کا مرافعہ پریوی کونسل میں

کوئی ولایتی بیرسٹر بحث کے لیے پیش ہوگا

میاں علم الدین کے والد نے ایف ایل ولسن اینڈ کمپنی سولیسٹرز (F.L Wilson & Company Solicitors) کو کسی وکیل کے تقرر کے لیے لکھا ہے اور پوچھا ہے کہ مسٹر آرل ایسکوئٹھ جولارڈ اوکسفورڈ سابق وزیراعظم برطانیہ کے فرزند ہیں۔ پیش ہونے کے لیے کتنی فیس لیں گے۔ یہاں کی ہائی کورٹ میں کاغذات مسٹرفرخ حسین بیرسٹر کی معرفت پیش کیے گئے ہیں۔



انقلاب ۶ ستمبر ۱۹۲۹ء

## جیل میں میاں علم الدین کی حالت

میں کل تین بجے شام لاہور سنٹرل جیل میں غازی علم الدین صاحب سے ان کے والد کی سعیت میں ملا۔ ماشاء اللہ خوش و خرم ہیں اور نہایت اچھی صحت ہے۔ ہم نے ۲۰، ۲۵ منٹ ملاقات کی، انہوں نے اتنی دیر جو بات کی ہنس کر کی۔ آزاد آدمیوں میں اتنا اطمینان قلب نہیں دیکھا جتنا ان میں پایا گیا۔ ان کے والد نے کہا کہ اخبار پرتاپ میں تمہارے متعلق لکھا ہے کہ بہت ہی کمزور ہو گئے ہو اور ہر وقت مغموم و متفکر رہتے ہو۔ یہ سن کر خوب ہنسے اور فرمایا کہ:

”یہ ان لوگوں کے خبث باطن کی علامت ہے۔ اپنی آگ میں خود ہی جل رہے ہیں نا کردہ گناہ کو، اور جس کو یہ یقین ہو کہ موت کا مقررہ وقت اٹل ہے خواہ اب آجائے یا بیس برس بعد تو اس کو کیا غم اور کیسی فکر!!! ایڈیٹر اخبار خود آ کر مجھے دیکھ جائے اور اپنے خشک شدہ زخموں کو تازہ کر جائے۔“

یہ بھی فرمایا کہ: ”مجھے معلوم ہوا ہے کل چودھری افضل حق صاحب اور مولانا ظفر علی خان صاحب جیل میں آئے تھے، افسوس وہ مجھ سے ملے بغیر چلے گئے۔“

ہم نے کہہ دیا کہ اخباروں سے ہمیں تو مولانا کا جیل میں آنا معلوم نہیں ہوا، اور اگر تشریف لائے ہوں تو علم نہیں۔ کھانے، پینے، نہانے، دھونے اور وضو نماز کی کوئی تکلیف نہیں۔ معلوم ہوا کہ جمعہ کے جمعہ روزہ رکھتے ہیں۔ تہجد اور دیگر نوافل کا معمول ہے اور ہر وقت درود شریف کا ورد رکھتے ہیں۔

وقار اللہ عثمانی پانی پتی

۴ ستمبر ۱۹۲۹ء



انقلاب ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۹ء

## میاں علم الدین میانوالی جیل میں

حیرت انگیز احتیاطی تدابیر کاراز کیا ہے؟

میاں علم الدین کے میانوالی جیل میں منتقل کرنے کی اطلاع پا کر ان کے والد میاں طالع محمد دریافت حالت اور ملاقات کے لیے میانوالی جیل گئے۔ جہاں انہیں میاں علم الدین کی زبانی مندرجہ ذیل حالات معلوم ہوئے۔

۳ اکتوبر جمعرات کے روز ساڑھے نو بجے رات کے جیلر نے مجھے بیڑی لگائی، دریافت کرنے پر جیلر نے کہا کہ تمام پھانسی والے ملزموں کو بیڑیاں لگانے کا حکم ہے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے ڈیوڑی میں لائے۔ جیلر نے مجھے آٹھ روپے نقد دیے اور کہا کہ اس لاری میں بیٹھ جاؤ۔ میں نے دریافت کیا کہ مجھے کہاں بھیجا جا رہا ہے تو انہوں نے کہا مجھے کوئی علم نہیں۔

لاری میں ایک انگریز پولیس افسر اور دو ہندوستانی حوالدار اور چار کانٹریبل پولیس میرے ساتھ بیٹھے اور لاری ہی میں مجھے گوجرانوالہ لے گئے۔ جہاں ہم تقریباً پونے بارہ بجے پہنچ گئے۔ اسٹیشن پر پہنچتے ہی ریل گاڑی آگئی اور اس گاڑی کے اخیر میں ایک فرسٹ کلاس ڈبہ لگا ہوا تھا جس

میں مجھے بھریا۔ پولیس کے تمام آدمی بھی میرے ساتھ بیٹھے گئے اور گاڑی کو قتل لگا دیا گیا۔ راستہ میں پولیس والوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا کہ کہاں جاتے ہیں۔ دو بجے دن کے گاڑی میا نوالی پہنچی۔ مقامی پولیس بھی پہنچ گئی اور مجھے ایک ہاتھ میں بھٹا کر جیل خانے لے گئی۔ پولیس کے متعدد ہاتھ بھی میرے آگے پیچھے تھے اور چھپکا نسمبل میرے ساتھ ہاتھ میں بیٹھے تھے۔

میاں طالع محمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ۱۷ اکتوبر کی صبح کو میا نوالی پہنچا۔ غلام حسین امام مسجد کی زبانی معلوم ہوا کہ یہاں عام افواہ ہے کہ منگل کے روز صبح علم الدین کو پھانسی دیا جائے گا۔ مجھے سخت فکر لاحق ہو گئی۔ ادھر پریوی کنسل میں اپیل دائر ہے اور ادھر یہ کارروائی شروع ہے۔ اس لیے میں فی الفور جیل پہنچا۔ ملاقات کی درخواست دی۔ سپرنٹنڈنٹ بھی خود ہی آ گیا۔ اس سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ پھانسی کے متعلق کوئی اطلاع نہیں، صرف علم الدین کو اس جیل میں تبدیل کیا گیا ہے۔ میاں طالع محمد صاحب ارکان کنسل سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ حکومت سے جواب طلب کریں کہ اس نے میاں علم الدین کو کس وجہ سے اس کا جائز احتیاط کے ساتھ میا نوالی بھیجا۔ خصوصاً جب کہ نہ تو میں نے لاہور جیل کے سامنے کوئی مظاہرہ کیا اور نہ لاہور کے کسی اور مسلمان نے ایسا کرنے کا ارادہ کیا۔

☆

انقلاب ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۹ء

## ناموس رسول کی شمع کا پروانہ

میاں علم الدین کا مرافعہ مسترد کرویا گیا

لنڈن۔ ۱۵ اکتوبر: پریوی کنسل کی جوڈیشل کمیٹی نے آج میاں علم الدین کا مرافعہ مسترد کر دیا ہے۔ ان کو راج پال طالع کتاب ”رنگیلا رسول“ کے قتل کے جرم میں سزائے موت کا حکم دیا گیا تھا۔

جوڈیشل کمیٹی کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ہندوستان کے کثیر التعداد مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے کمیٹی کی تین الگ الگ عدالت ہائے سماعت مقرر ہوئیں۔ دوسری عدالتوں



میں پانچ فوجداری درخواستیں تھیں جن میں میاں علم الدین کی درخواست بھی شامل تھی، اس عدالت نے تمام درخواستیں نامنظور کر دیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مقتول نے مذکورہ بالانگ انسانیت کتاب شائع کر کے تمام مسلمانان ہند کے دلوں میں ہیجان اور منافرت کا ایک طوفان پیدا کر دیا تھا۔



انقلاب ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۹ء

## میاں علم الدین کو پھانسی کے لیے لاہور لایا جائے۔

حکومت پنجاب کے چیف سیکرٹری کے نام میاں طالع مند کا پیغام  
میاں علم الدین کے والد میاں طالع مند نے حسب ذیل پیغام چیف سیکرٹری حکومت  
پنجاب کو بھیجا ہے۔

”قتل راج پال کے مقدمہ میں علم دین کی اپیل خارج ہو گئی ہے اور پریوی  
کونسل نے سزائے موت کا فیصلہ بحال رکھا ہے وہ آج کل میاں والی جیل میں ہے  
اور اس کے رشتہ دار اتنے غریب ہیں کہ موت سے پہلے اس کی ملاقات کے لیے وہاں  
نہیں جاسکتے۔ التجا ہے کہ اسے لاہور لایا جائے اور اس کی نعش میرے حوالے کر دی  
جائے تاکہ اسے اس کے حسب خواہش لاہور میں دفن کر دیا جائے۔“

طالع مند والد علم دین



۱۹۷۹ء

## میوں محمد زین کو بورس پھونک کر ڈیو جانے

پاکستان ہر حکومت کے

میاں محمد امین کے والد میوں طارق مشہور سرمایہ دار اور بھارتی چیت کرڈین حکومت پنجاب اور شیخو جتوئی تھیں جنہوں نے چیت پیسہ کے سونے کا کاروبار کیا تھا۔  
 ان کے بھارتی پارٹی کے قلمی نام میں محمد امین کی پیدائش ہو چکی ہے۔  
 پیدائش تو سس نے سونے کے موت کو بحال رکھا ہے۔ محمد امین میوں تو ان تھیں جس میں ب  
 ت کے علاقہ بہت قریب ہیں اور اس کی موت سے پہلے میوں تو ان چاروں سے  
 ملاقات کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ میوں مستور کا ہے کہ اسے لاہور آیا چاہے  
 اور اس کی فحش میرے حوصلے کی چاہے تاکہ میں اس کی وصیت کے مطابق یہاں آسک  
 اور میرے

انقلاب کشمیر میں طارق مشہور سے بہت تعلق ہے۔ چیت کرڈین کو ان کے شو کا ایک ہارنگی ہے  
 چار جس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ حکومت کی یہ سگت ہے کہ ان قسوں سے میوں  
 امین جب پھونک کر ڈیو ہو چکے تھے تو ان کے قاتلوں کا دستہ پور ہو چکا ہے۔ ان کے قاتل  
 حکومت کو چاہیے کہ ان کو سب سے چھوڑ دے۔ ان کے قاتلوں کی کڑی جرم جو ان قاتلوں  
 کے قاتلوں کے حوصلے کو لگاتار لگاتار لگاتار لگاتار لگاتار لگاتار لگاتار لگاتار لگاتار  
 کہ ان قاتلوں کو چھوڑ دے۔ ان کے قاتلوں کی کڑی جرم جو ان قاتلوں  
 حکومت پنجاب میوں طارق مشہور کی مسموموں کی مستور کو چھوڑ دینے میں بہت تعلق ہے۔

انقلاب ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء

## علم الدین کی پھانسی کے متعلق اس کے باپ کی درخواست

لاہور۔ ۲۳ اکتوبر: کل میاں علم الدین کے والد میاں طالع مند نے صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور کو بہ ذریعہ پیغام برقی درخواست ارسال کی تھی کہ میرے لڑکے کو پھانسی دینے سے قبل لاہور لایا جائے تاکہ ہم اس سے ملاقات کر سکیں۔ اس کے جواب میں صاحب ڈپٹی کمشنر نے رائے صاحب نھورام سٹی مجسٹریٹ کو لکھا ہے کہ میاں طالع مند کو اطلاع دے دی جائے کہ اس معاملہ میں تم سے بڑی ہمدردی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ تم شفقت پدری کی وجہ سے ایسا کر رہے ہو جو ایک فطری امر ہے لیکن حکومت تمہاری درخواست کو قبول کرنا مناسب خیال نہیں کرتی۔ البتہ حکومت تمہیں تمہارے رشتہ داروں اور دوستوں کو جو میاں علم الدین سے ملاقات کے لیے میانوالی جانا چاہیں۔ سفر خرچ دینے کے لیے تیار ہے۔ میاں طالع مند نے حکومت کی اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ آج میاں طالع مند اپنے احباب اور رشتہ داروں کے ساتھ اپنے خرچ پر علم الدین سے ملاقات کے لیے میانوالی گئے ہیں۔



## میاں علم دین کی پھانسی کی تاریخ ابھی مقرر نہیں ہوئی

لاہور۔ ۲۴ اکتوبر: میاں علم دین کے والد میاں طالع مند کی طرف سے ایک برقی پیغام موصول ہونے پر تمام شہر میں۔۔۔ بجلی کی سرعت کے ساتھ پھیل گئی تھی کہ ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جان فدا کرنے والے میاں علم الدین کو کل صبح سات بجے جام شہادت پلایا جائے گا لیکن اب آٹھ بجے شام کے میانوالی سے میاں طالع مند کا حسب ذیل برقی پیغام طاہر دین۔۔۔ انارکلی لاہور کے نام موصول ہوا ہے:

”غلط اطلاع بھیجی گئی۔ تاریخ مقرر نہیں ہوئی۔ دوسرے تارکاکا انتظار کرو۔“

## میاں علم الدین کا عزم و استقلال

میاں علم الدین کی والدہ محترمہ جب ان کو پریوی کونسل کی اپیل کی نامنظوری کے بعد میانوالی جیل ملنے کو تشریف لے گئیں تو اپنے بچے کو جیل کے کپڑوں میں دیکھ کر چیخ نکلی گئی۔ علم الدین نے وجہ دریافت کی تو اس کی والدہ نے اپیل کی نامنظوری کا حال بیان کیا۔ غازی نے سن کر ”الحمد للہ“ کا کلمہ پڑھا اور والدہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کو یاد نہیں رہا کہ ایک رات کو میں خواب میں ڈر گیا تھا اور آپ نے مجھے محبت مادری سے آغوش میں لے کر وجہ دریافت فرمائی تھی، اس وقت اظہار مناسب نہیں تھا، یہ اُس خواب اور ارشاد کی تعبیر ہے۔ مجھے فرمایا گیا تھا کہ؛

”تجھے میرے عشق کے جرم میں عن قریب پھانسی پر چڑھنا ہوگا اور تو خوش ہو

کہ میرے حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھی ہوگا۔“

تو گھبرا نہیں۔ میں خوشی خوشی تکبیر اور کلمہ کا ورد کرتا ہوا تعمیل حکم میں پھانسی کے

تخت پر جاؤں گا۔ میں تم کو دیکھوں گا البتہ تو مجھے حیات مستعار میں نہ دیکھ سکے گی۔

میں عین راحت میں ہوں۔ تو نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آگ کا حال

نہیں سنا کہ دوسروں کے لیے آگ اور ان کے لیے گلزار تھی!!!

تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے چاہ میں گرنے کا حال نہیں سنا!!!

کیا تجھے اور مجھے ہمیشہ زندہ رہنا ہے؟ نہیں، مرنا ہے۔ آج بھی مرنا ہے

پچاس سال بعد بھی مرنا ہے۔

میری چار پائی کو بانس باندھ دینا کہ عوام کو تکلیف نہ ہو۔



انقلاب ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۹ء

## میاں علم الدین کی پھانسی کی تاریخ مقرر نہیں ہوئی

والدہ اور عزیزوں کو میاں صاحب کی وصیتیں

مکرمی بندہ جناب ایڈیٹر صاحب اخبار انقلاب، لاہور! السلام علیکم۔ میاں علم الدین کے والد کا تار جو جناب کی خدمت میں برائے اشاعت روانہ کیا گیا تھا۔ شائع ہو چکا۔ تار کے چھپنے اور ۲۵ تاریخ کے گزرنے پر مختلف افواہیں سننے میں آئیں۔ ان کے متعلق صرف یہ عرض کر دیتا ہوں کہ تمام افواہیں قطعاً غلط ہیں۔

آج چھ بجے شام کے قریب میانوالی سے میاں علم الدین کے رشتہ داروں میں سے آدمی آیا ہے، اُس نے تمام افواہوں کی تکذیب کی ہے۔ یہ شخص کل رات کے دس بجے وہاں سے روانہ ہوا تھا۔ اس وقت تک پھانسی کے لیے تاریخ کا کوئی تعین نہیں ہوا تھا۔ دریافت پر انہوں نے کہا کہ میاں علم الدین کو جب سب رشتہ دار ملے تو انہوں نے فرمایا کہ:

”تم سے کوئی بھی رو کر مجھے نہ ملے ورنہ اس سے منہ موڑ لیا جائے گا۔ میرا بھائی اب اکیلا رہ جائے گا تم سب اس کو اپنا بھائی سمجھنا۔ مجھ کو وفات کے بعد یہاں غسل دینا اور جنازہ بھی یہاں ہی پڑھنا تا کہ میانوالی کے مسلمانوں کی دعا سے بھی میں فائدہ اٹھاؤں۔ راستے میں جو اسٹیشن آئے اور اس پر گاڑی ٹھہرے، بہ آواز بلند کلمہ شریف کا ذکر کرنا۔ اس سے میری رُوح خوش ہوگی۔ لاہور پہنچ کر پھر مجھے غسل دینا اور اگر ہو سکے تو وہ چار پائی جس پر حضرت مولوی تاج الدین صاحب کی نعش لے جانی گئی تھی۔ ضرور مہیا کر لینا۔ پھر میرا جنازہ چوہر جی والی گراؤنڈ میں لاہور کے مسلمانوں کی دعائے خیر کے لیے پڑھنا۔“

### قبر کے متعلق ہدایات

میری قبر پختہ نہیں بلکہ کلی تیار کرانا۔ ہاں اس کی حفاظت کے لیے ایک گھڑا بنا لینا اور قبر کے گرد میرا والد کٹہرہ اپنے ہاتھ سے تیار کرنے اور چار گملے گلاب کے درخت کے قبر کے چار کونوں پر رکھنا۔

قبر کے قرب میں آپ کو درخت لگانے کی ضرورت نہیں۔ میری قبر تنگی ہوتا کہ بارانِ رحمت کی بوندیں اس پر آنے سے نہ رکیں۔

صندوق میں رکھ کر پختہ قبر نہ بنانا کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ غلام ہوں۔ سوائے اس کے اور مجھ میں کوئی صفت نہیں اور سنت طریق پر دفن ہونا چاہتا ہوں۔ جب تم سے کسی کو میرے ملنے کی خواہش ہو تو درود شریف اور آیت کریمہ پڑھ کر سو جانا۔ میں ان شاء اللہ ضرور ملوں گا۔

والدہ سے گزارشیں

پھر ماں سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

تو اپنا دودھ بخش دے اور تُو خوش ہو کہ مجھے ایسی موت نصیب [ہو رہی ہے] جس کے لیے بڑے بڑے غازی آرزو رکھتے تھے۔ یہ [مالک کی] دین ہے کہ آگ لینے جائے اور پیغمبری لے کر آئے۔ میرے جیسا حقیر اور گنہ گار اور یہ احسانِ ربی!!! پھر فرمایا:

منشی طاہر الدین صاحب کو اور ان کے ملنے والوں کو السلام علیکم کہہ دینا۔  
آنے والے شخص نے میانوالی کے مسلمانوں کی مہمان نوازی اور اخوت اور حسن اخلاق کی بہت تعریف کی۔ جزاھم اللہ!

طاہر الدین



انقلاب ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۹ء

## میاں علم دین قاتل راج پال کا اہم بیان

جس ملک میں میرے آقا کی توہین ہو اُس کا امن بحال نہیں رہ سکتا۔

میں پھانسی کے رستے کو بوسہ دے کر گلے میں ڈالوں گا

لاہور۔ ۲۸ اکتوبر: میاں علم دین کے والد میاں طالع مند نے حسب ذیل برقی پیغام میانوالی سے روانہ کیا ہے۔ ہم یہاں راج پال کے قاتل علم دین کی شہادت کے دن کا انتظار ۲۳ اکتوبر سے کر رہے ہیں کیوں کہ ڈپٹی کمشنر لاہور نے ہمیں یہی اطلاع دی تھی۔ مہربانی فرما کر پھانسی کی تاریخ کا پتہ لے کر اطلاع دیں اور ساتھ ہی میاں علم دین کی وصیت کے مطابق اسے لاہور میں دفن کرنے کی اجازت حاصل کریں۔

میاں طالع مند کا ایک خط جو نشی طاہر دین کو موصول ہوا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ جس وقت ہم ملاقات کے لیے اندر جانے لگے تو برخوردار نے کہلا بھیجا کہ جو میرے سامنے آ کر روئے گا میں اُس سے نہیں بولوں گا۔ سب لوگوں سے اس بات کا عہد لیا گیا۔ راستہ میں ملکو ال اسٹیشن پر اتفاق سے مولانا احمد علی صاحب خطیب شیرانوالہ بھی مل گئے۔ آپ نے بھی ہم سب کو یہی تلقین کی کہ کوئی شخص میاں صاحب کے سامنے جا کر نہ روئے۔ مولانا صاحب خوشاب کے اسٹیشن پر میاں علم دین کے لیے دعا کر کے اتر گئے۔ اس تلقین نے بھی ہم پر بہت اثر کیا تھا لہذا ہم خوشی خوشی برخوردار سے ملے۔ ہمیں پانچ دستوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر دستے میں ۱۲، ۱۲ آدمی تھے جب پہلا دستہ برخوردار کے پاس گیا تو برخوردار کھڑا ہو گیا۔ دوسرے اور تیسرے دستے میں صرف عورتیں تھیں۔ برخوردار نے اپنی والدہ سے کہا کہ؛

”اماں خدا کا شکر کرو کہ میں ایسی شان دار موت مر رہا ہوں جو حقیقت میں

موت نہیں۔“

برخوردار کو روزہ تھا لیکن وہ سب کو پانی پلاتا تھا۔ آپ نے کہا کہ؛

”میرے جنازے کو لاہور لے جائیں۔ میں نے سپرنٹنڈنٹ جیل سے کہہ دیا کہ وقت مقررہ پر میرے ہاتھ نہ باندھیں کیوں میں خود بہادروں کی طرح جان دینا چاہتا ہوں اور رستے کو بوسہ دے کر پھانسی کے تختے پر چڑھوں گا۔“

آپ نے اپنے بھائی سے کہا کہ:

”میرے بعد تم اکیلے نہیں بل کہ سب مسلمان تمہارے حقیقی بھائی ہیں۔“

آپ نے فرمایا کہ:

”مجھے ہندوؤں کے ساتھ کوئی عداوت نہیں جب میں لاہور جیل میں سردار بھگت سنگھ کو ملا تھا تو میں نے انہیں کہہ دیا تھا کہ راج پال مفسدہ پرداز تھا جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں فساد برپا کر رکھا تھا لہذا میں نے اس کا کام تمام کر دیا تاکہ میرا ملک امن سے زندگی بسر کرے کیوں کہ جس ملک میں میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف (کچھ) کہا جائے اس میں امن قائم نہیں رہ سکتا۔“

آپ نے کہا کہ میں کچھ شعر لکھ رہا ہوں وہ آپ کو آخری ملاقات میں دوں گا۔ آپ نے وصیت کی کہ میری قبر کچی ہو اور مجھے خاندانی قبرستان میں دفن کیا جائے۔

میاں طالع مند کا بیان ہے کہ میاں علم دین کا وزن آج کل ۱۴۰ پونڈ ہے۔ ۲۲ مئی ۱۹۲۹ء کو آپ کا وزن ۱۲۸ پونڈ تھا۔

آپ نے کہا کہ پانچ دفعہ کی ملاقات میں ہم ۳۷۵ روپے خرچ کر چکے ہیں اور ابھی ستر (۷۰) آدمیوں کو واپس جانا ہے۔





انقلاب یکم نومبر ۱۹۲۹ء

## میاں علم الدین کو جمعرات کے دن پھانسی دی جائے گی

میت کولہور لانے کی اجازت دینے سے انکار

علم الدین کے والد ماجد کے برقی پیغامات

میاں طالع مند صاحب کا تارنشی طاہر دین صاحب انارکلی لاہور کو ملا ہے جس کا مضمون

یہ ہے:

علم الدین کو بہ تاریخ ۳۱ اکتوبر کو پھانسی دی جائے گی۔ سپرنٹنڈنٹ جیل سے کوئی اطلاع نہ ملنے پر ہم ڈپٹی کمشنر کے پاس گئے جس نے بتایا کہ علم الدین کو کل پھانسی دی جائے گی لیکن میت کولہور لانے کی اجازت نہیں دیتے۔ براہ کرم یہ صیغہ ”ضروری تار بھیجئے“ کہ کیا کیا جائے۔

(طالع مند، میانوالی)

یہ تار آج شام کو پونے پانچ بجے میانوالی سے روانہ ہوا۔ چھ بجنے میں تقریباً دس منٹ تھے کہ نشی صاحب کے مکان پر پہنچا اس کے جواب میں بہ صیغہ ضروری مندرجہ ذیل تار دیا گیا ہے۔

”گورنر کو تار دیا جائے کہ قتل راج پال کے ملزم علم الدین کے پھانسی پا جانے کے بعد اس کی میت کولہور لے جانے کی ڈپٹی کمشنر اجازت نہیں دیتا۔ حضور گورنر براہ نوازش علم الدین کی میت کولہور لا کر تجھیز و تکفین کی اجازت مرحمت فرمائیں۔“

”انقلاب“۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ پہلے بعض ذمہ دار ارباب حکومت نے میاں طالع مند صاحب والد ماجد میاں علم الدین کو یقین دلایا تھا کہ ان کے لخت جگر کی میت کو اس کی وصیت کے مطابق لاہور لانے کی اجازت دی جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ میت بادامی باغ کے اسٹیشن پر اتاری جائے اور شہر سے باہر باہر یعنی سرکلر روڈ سے لاہور کے مشہور قبرستان میانوالی صاحب میں پہنچا کر دفن کر دی جائے۔ اس کے مطابق میاں طالع مند صاحب اور ان کے اعزاء و اقربا میانوالی

میں اب تک بیٹھے ہیں۔ حکومت نے پہلے ۲۵ تاریخ پھانسی کے لیے مقرر کی تھی لیکن بعد میں بوجہ غیر معلوم یہ تاریخ بدل دی گئی اور اب میت کو لاہور لانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا ہے، یہ کھلی ہوئی بے انصافی ہے۔ ہم ذمہ دار ارباب حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ میاں علم الدین کی وصیت کے مطابق اس کی میت کو لاہور لانے کی اجازت دی جائے۔ حکومت اس سے قبل جتندر ناتھ داس کی میت کو لاہور سے کلکتہ لے جانے کی اجازت دے چکی ہے، کوئی وجہ نہیں کہ میاں علم الدین کے متعلقین کے ساتھ بے انصافی برتی جائے۔

## میاں علم دین کی شہادت کا فیصلہ

مسلمانان لاہور کا اضطراب اور جوش

میاں صاحب کی میت لاہور لانے کی اجازت کا زبردست مطالبہ

لاہور۔ ۳۰ اکتوبر: یہ خبر کہ میاں علم دین کو کل صبح جام شہادت پلا دیا جائے گا اور ورثاء کو ان کی میت لاہور لانے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ شہر میں بجلی کی سرعت رفتار کے ساتھ پھیل گئی اور لوگ مضطرب ہو کر اخباروں کے دفتروں کی طرف خبر کی تصدیق معلوم کرنے کے لیے جوق جوق آنے لگے۔ منادیوں اور ڈھنڈور چوں نے ڈھول اور نقاروں کی صداؤں کے ساتھ خود بخود شہر میں اعلان کرنا شروع کر دیا۔ اور لوگ مختلف جلوسوں کی شکل میں مرتب ہو کر شہر کا گشت کرنے لگے۔ ہر طرف سے ”اللہ اکبر“ اور ”غازی علم دین زندہ باد“ کے نعروں کی گونج سنائی دینے لگی۔ مسلمان عام طور پر اس خبر پر بہت مشتعل ہو رہے ہیں کیوں کہ حکومت نے مسٹر جتندر ناتھ داس کی نعش کو ہندوؤں کی ایجیٹیشن (Agitation) سے ڈر کر کلکتہ لے جانے کی اجازت دے دی تھی اور میاں علم دین کی میت کو لاہور لانے سے روکنے میں حکومت نے مسلمان قوم کی سخت توہین کی ہے۔

چوں کہ جلوس بہت بڑھ گیا تھا اس لیے رات کے نو بجے کے قریب باغ بیرون موچی دروازہ میں آکر جلسہ کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ مجمع خود بخود پچیس پچیس ہزار کے قریب ہو گیا۔ میاں محمد بخش مسلم صدر قرار پائے۔ ڈاکٹر سلطان احمد اور دیگر اشخاص نے برجستہ تقریریں

کیس اور اس امر کی قرارداد منظور کی گئی کہ حکومت کو چاہیے کہ میاں علم دین کی نعش کو بلا شرط اس کے ورثا کے حوالے کر دے تاکہ وہ میاں صاحب موصوف کی وصیت کے مطابق اسے لاہور لا کر دفن کر سکیں نیز فیصلہ ہوا کہ کل صبح مسلمان ہڑتال کریں۔

گورنر اور دیگر حکام کو برقی پیغامات

لاہور کی مختلف مقتدر اسلامی انجمنوں ذی اثر معززین شہر اور عامۃ الناس کی طرف سے گورنر پنجاب چیف سیکرٹری حکومت پنجاب ڈپٹی کمشنر میانوالی اور بعض دیگر حکام اعلیٰ کو برقی پیغامات بصیغہ ضروری بھیجے گئے جس میں ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ میاں علم دین کے ورثا کو ان کی نعش لاہور لانے کی اجازت دے دیں۔

مجلس خلافت پنجاب کا تار

مجلس خلافت پنجاب (الحاق شدہ مرکز) نے حسب ذیل برقی پیغام گورنر چیف سیکرٹری حکومت پنجاب، وزیر مال کو بھیجا۔

”ڈپٹی کمشنر میانوالی نے میاں علم دین کی میت کو ان کی وصیت کے مطابق لاہور واپس لانے کے لیے ان کے ورثا کو دینے سے انکار کر دیا ہے۔ گورنر صاحب سے درخواست ہے کہ وہ میت مذکور کو لاہور میں دفن کرنے کی اجازت دے دیں۔“

ڈاکٹر سلطان محمود

سیکرٹری مجلس خلافت پنجاب

ہڑتال کا فیصلہ

نیز جلسہ میں فیصلہ کیا گیا کہ کل مسلمان سارے شہر میں ہڑتال کریں۔ معلوم ہوا ہے کہ تمام تجارتی منڈیوں کے چوراہوں کے لیے کاروبار بند کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔



انقلاب یکم نومبر ۱۹۲۹ء

## لاہور میں مسلمانوں کا ہیجان واضطراب

ہڑتال جلسے جلوس اور پُر جوش مظاہرے

رضا کاروں کی بھرتی شروع

مسلمانان لاہور کا اضطراب اور جوش: جس وقت سے یعنی ۲۰ اکتوبر کی شام سے یہ خبر ملی تھی کہ حکام نے میاں علم الدین شہید کی نعش کو لانے کی اجازت نہیں دی۔ یہاں کے مسلمانوں میں حکومت کے خلاف ایک زبردست ہیجان کی لہر دوڑ گئی۔ رات کے جوش واضطراب کی کیفیت ہم گزشتہ اشاعت میں درج کر چکے ہیں، صبح ہوئی تو شہر بھر میں مسلمانوں کی تمام دکانیں بند تھیں اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق تھا ہر طرف مکمل ہڑتال نظر آتی تھی۔ لوگ صبح ہی سے جلسہ گاہ یعنی دہلی دروازہ میں آنے شروع ہو گئے تھے۔ ہر طرف جوش و خروش کا عالم تھا۔ ”غازی علم الدین زندہ باد“، ”ڈپٹی کمشنر مردہ باد“، ”استبداد کا بیڑا غرق“ کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔

پولیس کا مظاہرہ

مسلمان تو [اس لیے] مضطرب ہوئے تھے کہ [حکومت] نے میاں صاحب شہید کی [نعش و رثاء] کے حوالے اور لاہور لانے سے انکار کر دیا تھا لیکن پولیس جسے رات بھر چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ صبح سویرے ہی سرکار انگریزی کے رعب کا مظاہرہ کرنے لگی۔ ہر طرف پولیس کے متحرک دستے گشت کرنے لگے۔ مسلح گاڑیاں، پولیس کے سپاہیوں سے بھری ہوئی لاریاں گھومنے لگیں۔

دہلی دروازہ کا جلسہ

دس بجے دن سے پہلے پہلے دہلی دروازہ کے باغ میں بیس پچیس ہزار مسلمانوں کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا اور جلسہ کی کارروائی چودھری محمد گھسیٹا کی زیر صدارت شروع ہوئی۔ ان کے جانے پر ملک بھوکو صدر چنا گیا۔ مولوی مظہر علی اظہر، مولانا ظفر علی خان اور دیگر حضرات نے تقریریں کی

اور سب نے مسلمانوں کو تاکید کی کہ وہ پولیس کے اشتعال دلانے پر بھی مشتعل نہ ہوں۔ جلسہ میں گورنر کو تار بھیجنے کا فیصلہ ہوا اور اسی وقت بھیجا گیا۔

### جلوس

جلسہ گاہ سے سارا ہجوم جلوس کی شکل میں مرتب ہو کر شہر میں گیا۔ تیس ہزار سے زائد مسلمان ننگے سر بانی کو توالی ہوتے ہوئے چوک مفتی باقر میں گئے اور میاں علم دین شہید کے مکان سے ہوتے ہوئے بازار تیزابیاں، ڈبی بازار، چوک سر جن سنگھ، واٹر ورکس، ہیرا منڈی، بازار حکیمان میں سے گزرے اور بھائی دروازہ سے نکل کر باغ میں سے ہوتے ہوئے موچی دروازہ میں آگئے۔ اس سے قبل لاہور میں اتنا عظیم الشان جلوس نہ نکلا تھا۔ اس جلوس کا انتظام کسی جماعت کے ہاتھ میں نہ تھا لیکن جلوس بڑا کامیاب رہا۔ راستہ میں زبردست نعرے لگائے گئے۔ اسلامی حمیت کا ایک بے پایاں سمندر تھا جو لاہور کے بازاروں میں اُٹا چلا آ رہا تھا۔

ہجوم میں بعض پر جوش اشخاص نے یہ کہا کہ ہمیں گورنمنٹ ہاؤس تک جلوس لے جانا چاہیے۔ بعض ایسے لوگ بھی شامل ہو رہے تھے جو مسلمانوں کے مشتعل جذبات سے فائدہ اٹھا کر فساد برپا کرنا چاہتے تھے لیکن ذمہ دار اصحاب نے ہجوم کو سمجھایا کہ جو کام کیا جائے وہ صبر اور تحمل کے ساتھ ہونا چاہیے۔

### عام ہڑتال

شہر میں ہڑتال کے لیے کوئی خاص تحریک و تجویز نہیں ہوئی تھی اور پھانسی کی تاریخ مقرر کرنے کی اطلاع بدھ کی رات کو بڑی دیر میں ملی تھی۔ تمام رات جو جلوس شہر میں پھرا تھا، اس میں ہزاروں آدمی جمع ہو گئے تھے کہ صبح ہوتے ہی دکانیں بند کرنے کی تحریک ہوئی اور نو دس بجے تک سارے شہر کی اسلامی دکانیں بند ہو گئیں۔

### برکت علی مسلم ہال میں مشورہ

مولانا سید حبیب، ڈاکٹر سلطان محمد، شیخ حسن دین وکیل، ملک لال دین قیصر، میاں عبدالعزیز کے مکان پر گئے۔ وہاں فیصلہ ہوا کہ گورنر کے پاس وفد بھیجا جائے۔ شیخ حسن دین اور میاں عبدالعزیز کے دستخطوں سے اکابر لاہور کا ایک جلسہ تین بجے برکت علی محمدن ہال میں بلایا گیا جس میں اکابر اور رضا کاروں کے ایڈیٹر موجود تھے، علامہ اقبال صدر قرار پائے۔ چوں کہ

گورنر کے متعلق کوئی قطعی اطلاع نہ تھی کہ کہاں ہے، اس لیے جلسے کی رائے کے مطابق علامہ اقبال نے مسٹر سٹوئمبرفنپانس سے فون پر وقت مقرر کر کے ان سے ملاقات کی۔ جہاں مسٹر ایمرسن چیف سیکرٹری بھی موجود تھے۔

### علامہ اقبال کی مساعی

یہ گفتگو تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہی جس میں ڈاکٹر صاحب نے مسلمانانِ لاہور کے جذبات کی ترجمانی کی۔ قیام امن کی ذمہ داری اٹھائی۔ میت کے لیے راستہ مقرر کرانے پر رضا مندی کا اظہار کیا مگر آخری جواب یہ ملا کہ گورنر کی رائے کے مطابق میت کو میا نوالی دفن کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اب گورنر کی رائے کے بغیر اس حکم میں رد و بدل نہیں ہو سکتا۔

### تاروں پر سنسر

اس دوران میں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تاروں پر سنسر ہے اور جو تار یہاں سے بھیجا جاتا ہے وہ روک لیا جاتا ہے یا دیر میں پہنچایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دن بھر میں جتنے تار دیے گئے ان کا کوئی جواب نہ آیا۔

### گورنر کا پتہ نہ ملا

چھ بجے کے قریب علامہ اقبال مسٹر سٹو اور مسٹر ایمرسن سے مل کر برکت علی محمدن ہال میں آئے۔ جہاں لوگ بدستور جمع تھے۔ علامہ مدوح نے ساری حقیقت بیان کر دی۔ دوبارہ فیصلہ ہوا کہ وفد بھیجا جائے لیکن اب مصیبت یہ پیش آئی کہ گورنر کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ جس ذمہ دار سے پوچھا گیا اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ جمع شدہ اصحاب کا خیال تھا کہ دیدہ و دانستہ گورنر کے پتہ سے لاعلمی ظاہر کی جا رہی ہے۔ آخر جلسہ مشورت ملتوی کیا گیا۔ علامہ اقبال، میاں امیر الدین اور میاں عبدالعزیز آخر الذکر کے مکان پر چلے گئے تاکہ فون کے ذریعہ سے تحقیق کریں کہ آیا گورنر گجرات میں ہے یا نہیں۔ اس لیے کہ زیادہ روایات یہی تھیں کہ وہ گجرات میں ہیں۔ مولانا سید حبیب شاہ اور غلام رسول مہر جلسہ عام میں چلے گئے۔

### عظیم الشان اجتماع

جلسہ گاہ میں اس۔۔۔ جمع تھے اور ابھی بے شمار لوگ آرہے تھے۔ مسلمانوں میں بے حد جوش تھا۔ پولیس کے آدمی بہ کثرت موجود تھے۔ کوتوالی کے سامنے خاص انتظام تھا۔ گورہ فوج

۔ تو پیس اور موٹریں موجود تھیں۔ جلسہ گاہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ مولانا ظفر علی خان ایک تار سنا گئے ہیں جس کا مفاد یہ ہے کہ پھانسی دے دی گئی اور جیل کے قبرستان میں شہید کو دفن کر دیا گیا ہے۔ مسٹر منور شیردل کی تقریر کے بعد قیصر صاحب نے ایک ولولہ انگیز تقریر فرمائی۔ پھر مولانا ظفر علی خان اور مولانا سید حبیب شاہ صاحب نے یکے بعد دیگرے تقریریں فرمائیں جن میں تجویز پیش کی گئی کہ ایک کمیٹی بن جائے اور جتھہ بندی شروع کر دی جائے تاکہ ان جتھوں سے جو کام مناسب ہو، لیا جائے۔

سنا گیا ہے کہ رات کے گیارہ بجے کے قریب مسلمانوں کے اجتماع نے دفتر ”زمیندار“ کے نیچے مظاہرہ کیا اور مولانا ظفر علی خان سے استدعا کی کہ وہ پہلے جتھے کی قیادت فرمائیں۔ مولانا نے انہیں سمجھا کر رخصت کیا۔



انقلاب یکم نومبر ۱۹۲۹ء

## سرتاج کائنات کی شمع حرمت کا پروانہ شہید ہو گیا

میانوالی جیل میں نماز کے بغیر میت کی تدفین

میانوالی۔ ۳۱ اکتوبر: آج صبح سات بجے میاں علم الدین کو میانوالی جیل کے اندر پھانسی کے تختے پر شہید کر دیا گیا۔ آٹھ بجے لاش اتار لی گئی اور ۹ بجے حکام جیل نے شہید کے جسد پاک کو بغیر جنازہ کے سپرد خاک کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تختہ دار کا منظر

میانوالی سے آنے والے ایک شخص کا بیان ہے کہ علی الصبح میاں صاحب کو غسل دیا گیا اور جیل کے قواعد کے مطابق سیاہ لباس پہنایا گیا۔ ساڑھے چھ بجے داروغہ جیل سپرنٹنڈنٹ اور ڈاکٹر چند اور اشخاص کے ہمراہ پھانسی کی کوٹھری کے سامنے پہنچے۔ میاں صاحب کی مشکیں کسی ہوئی تھیں لیکن ان کے چہرہ پر بشاشت، طمانیت اور تسکین خاطر کا نور چمک رہا تھا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ:

میں حاضر ہوں۔ بسم اللہ چلئے۔

داروغہ انہیں سپاہیوں کے گھیرے میں لے کر تختہ دار کی طرف روانہ ہوئے۔ حرمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فدائی نے تختہ پر کھڑے ہو کر کلمہ شہادت پڑھا اور کہا کہ؛ مجھے پھانسی کی رسی کو بوسہ دینے کی اجازت دی جائے۔

چنانچہ آپ نے رسی کو چوما اور کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے پھندے کو گلے میں ڈال لیا۔ سیاہ ٹوپی پہننے سے پہلے آپ جیل کے مسلمان ارکان کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور یہ شعر پڑھا:

بنا کردند خوش رسمے بنحاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

ٹھیک سات بجے تختہ گرا دیا گیا اور آپ واصل بحق ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون  
میاں صاحب ہشاش بشاش تھے اور اپنے اقربا سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملے۔ لوگ رو رہے تھے لیکن آپ انہیں تسکین دے رہے تھے۔

## شہید علم الدین کے آخری اوقات

والد ماجد شہید کا رقت انگیز بیان

میاں طالع مند نے حسب ذیل بیان دیا ہے:

میانوالی میں غازی صاحب کے شہید ہونے کی خبر آنا فانا مشتہر ہو گئی۔ بدھ کی رات کو نوبجے کے قریب موسیٰ خیل، عیسیٰ خیل اور داؤد خیل کے مسلمان شہید کے آخری درشن اور نماز جنازہ کے لیے جوق در جوق آنا شروع ہو گئے۔ جیل سے لے کر شہر تک ہزاروں کی تعداد میں انسانوں کا ایک سمندر لہریں مارتا نظر آتا تھا۔

غازی صاحب کی وصیت کے مطابق وہ لوگ اپنے ساتھ ڈھول لائے ہوئے تھے اور ”اللہ اکبر“ کے فلک شکاف نعروں میں اس زور سے ڈھول بجاتے تھے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ وہ لوگ ریتلے میدان میں رات بھر درود شریف پڑھتے رہے اور ان کی یہ بڑی تمنا تھی



کہ وہ صبح اول ہی اول شہید کا چہرہ مبارک دیکھیں گے۔

### جام شہادت

بروز جمعرات صبح آٹھ بجے کے قریب غازی صاحب کو جام شہادت پلایا گیا۔ آپ کے چہرے سے مسرت ٹپکتی تھی اور وہ ”اللہ اکبر“ کے نعرے لگا رہے تھے۔ تمام دوسرے قیدی آپ کے جواب میں اس قدر زور سے ”اللہ اکبر“ کا نعرہ لگاتے کہ باہر تک آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ غازی صاحب کو آپ کے ورثا سے آخری ملاقات کا کوئی موقع نہیں دیا گیا۔ پونے نو بجے آپ کو ڈار سے اتارا گیا۔ پُرامن ہجوم شہید کو دیکھنے کے لیے بیتاب تھا۔ ان کی نگاہیں جیل کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ دس بجے کے قریب غازی صاحب کی لاش کو ایک چارپائی پر ڈال کر جیل سے باہر لایا گیا۔

میانوالی کی تمام پولیس شہر کے مختلف حصوں اور جیل کی سڑک پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھی۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس، سپرنٹنڈنٹ ان کو جیل کے قریب لاوارثوں والے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا جائے گا۔ خان محمد اکبر خاں صاحب نے ہر ممکن طریقہ سے یقین دلایا کہ میں بذات خود اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ غازی صاحب کی لاش کو بغیر کسی شور و غوغا کے لاہور پہنچا دوں گا۔ آپ کو چاہیے کہ آپ غازی صاحب کی لاش کو ان کے ورثا کے حوالے کر دیں تاکہ وہ غازی صاحب کی وصیت کے مطابق اس کو لاہور لے جائیں۔ لیکن ان کی ہر ایک آرزو کو ڈپٹی کمشنر نے ٹھکرا دیا۔ آخر میں محمد اکبر خاں صاحب نے کہا کہ اچھا شہید کو شہر والے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت دی جائے لیکن اس بات کی بھی پروا نہ کی گئی اور اس لاش کو جس کے وارث دنیا کے بیالیس کروڑ مسلمان ہیں۔ جانب دار ظالم حکومت نے لاوارثوں کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

### پولیس کا تشدد

حکومت کی طرف سے ظلم و تشدد کے باوجود ہجوم شہید کا چہرہ دیکھنے کے لیے بیتاب تھا۔ گروہ کے گروہ اس میدان کی طرف بڑھے۔ جہاں غازی موصوف کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے حکم دیا کہ لاش کو اٹھا کر لے چلو۔ لوگ جنازے کے پیچھے کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے پُرامن طریقے سے ہوئے۔ جب شہید کے جنازے کو لاوارثوں کے قبرستان میں لے جا

کر رکھا گیا تو اس وقت تمام ہجوم قبرستان کے سامنے سڑک پر عاشق رسول کے چہرہ انور کو دیکھنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ حکام نے جب یہ دیکھا کہ لوگ اب گھروں کو نہیں جاتے تو سپرنٹنڈنٹ پولیس نے سپاہیوں کو پرامن ہجوم پر پتھر برسانے کا حکم دیا جس پر لوگ پتھر کھاتے رہے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے اپنے اختیارات کا خیال نہ کرتے ہوئے پولیس کو حکم دیا کہ گولی چلاؤ۔ لیکن ڈیوٹی مجسٹریٹ نے اجازت نہ دی۔ آخر پولیس کو لاٹھیاں برسانے کا حکم دیا گیا اور نوکر شاہی نے دل کھول کر حسرتیں نکالیں۔

پولیس اپنی ہمت مردانہ میں مشغول تھی۔ ادھر ڈپٹی کمشنر نے غازی صاحب کے لاشے کو ایک کھودے ہوئے گڑھے میں رکھوانا چاہا۔ وہ گڑھا غازی صاحب کی لاش کے لیے کافی نہ تھا۔ اس کی کوئی اسامی نہ تھی۔ ایک فرزند توحید کو بغیر کفن گڑھے میں ڈال دیا گیا اور نماز جنازہ کی بھی اجازت نہ دی گئی۔

### علم دین زندہ باد

تختہ دار پر غازی علم دین کی وصیت جو انہوں نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو لکھوائی۔ وہ بھی دینے سے انکار کر دیا گیا۔ غازی علم دین صاحب کو جب کوٹھڑی سے نکال کر تختہ دار پر لے گئے تو آپ کلمہ شریف اور ”اللہ اکبر“ کے نعرے لگا رہے تھے۔ آپ نے جلا د سے کہا کہ تو مسلمان نہیں، اس لیے تو اپنے ہاتھ میرے گلے میں نہیں ڈال سکتا۔

جلا د نے جواب دیا کہ مسلمان ہوں۔

غازی صاحب نے سپرنٹنڈنٹ سے کہا کہ تو گواہی دیتا ہے کہ یہ مسلمان ہے؟

اس نے جواب دیا کہ ہاں یہ مسلمان ہے۔

پھر میاں علم دین مسکرائے اور جام شہادت پینے کے لیے خود کو آقائے دو جہاں حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر نثار کر دیا۔

### میاں طالع مند کی تشریف آوری

لاہور۔ یکم نومبر: علم الدین کے والد طالع مند نے میانوالی سے تار بھیجا تھا کہ وہ ۴ بجے بعد دوپہر لاہور پہنچیں گے۔ چنانچہ اس وقت مسلمانوں کا جم غفیر اسٹیشن پر جمع ہو گیا۔ ”علم دین زندہ باد“ کے نعرے لگائے گئے۔ سوا چار بجے کے قریب ٹرین پہنچی اور میاں طالع مند باہر آئے،

عوام نے دلی خلوص سے آپ کا استقبال کیا۔

سول نافرمانی کے لیے رضا کاروں کی بھرتی

لاہور۔ یکم نومبر: میانوالی پہنچ کر علم الدین نعش حاصل کرنے کے لیے سول نافرمانی کرنے کے واسطے کل رات ہی چار پانچ سو آدمیوں نے اپنے نام لکھا دیے تھے۔ والنٹیروں [والنٹیرز یعنی رضا کار] (Volunteers) کی تعداد حیرت انگیز طریق پر بڑھتی جا رہی ہے۔ والنٹیرز کی بھرتی کے لیے محمدن ہال میں دفتر کھولے جانے کی تجویز ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر اقبال نقض امن کی حفاظت کے ضامن بنتے ہیں

لاہور۔ یکم نومبر: اگر حکومت کو میاں علم الدین کی نعش کے جلوس سے نقض امن کا خطرہ ہے تو ڈاکٹر سر محمد اقبال ہر قسم کی ضمانت دینے اور ذمہ داری اٹھانے کو تیار ہیں۔



انقلاب ۲ نومبر ۱۹۲۹ء

## [میاں طالع مند کا تار]

لاہور۔ یکم نومبر: آج صبح میانوالی سے میاں طالع مند صاحب والد ماجد میاں علم الدین مرحوم کا ایک تار دفتر انقلاب میں موصول ہوا جو رات کے ساڑھے گیارہ بجے میانوالی سے بھیجا گیا تھا اور پونے چھ بجے صبح لاہور پہنچا۔ تاریخ یہ ہے:

”شہید کا چہرہ دیکھے بغیر آ رہا ہوں۔ میت کو بہ طور امانت چھوڑ کر آ رہا ہوں۔

اسے بڑی طرح دفن کیا گیا ہے۔“ طالع مند

میانوالی سے آئے ہوئے آدمی کا بیان

میانوالی سے آئے ہوئے ایک شخص کا بیان منظر ہے کہ ۳۰ اکتوبر کو دس بجے علم الدین سے جیل میں ملے۔ دو بجے واپس آئے۔ میاں طالع مند نے سپرنٹنڈنٹ جیل سے دریافت کیا کہ میرے لڑکے کے شہید ہونے کی تاریخ اور وقت سے کیوں مجھے آگاہ نہیں کیا جاتا۔

سپرٹنڈنٹ نے کہا کہ ڈپٹی کمشنر سے مل کر مطلع کروں گا پھر پانچ چھ آدمی ڈپٹی کمشنر کے پاس گئے تاکہ پہلے اطلاع مل جائے تو ریلوے والوں کو نوٹس دے کر گاڑی کا انتظام کر لیا جائے۔ ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ اگر علم الدین کی میت کو لاہور لے جانے کی اجازت دینی منظور ہوتی تو اسے میانوالی کیوں لایا جاتا۔ پھر بتایا کہ علم الدین کوکل (۳۱ اکتوبر) کو پھانسی دی جائے گی۔ میاں طالع مند نے واپس آ کر لاہور تار دیے۔ میانوالی میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ قرب و جوار سے موسیٰ خیل اور عیسیٰ خیل کے لوگ ہزاروں ہزاروں کی تعداد میں پہنچ گئے۔ وہ کہتے تھے کہ علم الدین کے والد اجازت دیں تو پندرہ منٹ میں لاش لے دیں گے مگر میاں طالع مند اور خان محمد اکبر خان کی کوشش سے نازک صورت پیدا نہ ہوئی۔ بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات میں لوگ سردی میں سڑک پر بیٹھے رہے۔ جمعرات کے دن صبح سات بجے غازی کو جام شہادت پلایا گیا اور آٹھ بجے میت کو اتار کر نوبے صبح جیل سے باہر قبرستان میں دفن کر دیا۔ کسی رشتہ دار کو جنازے کے نزدیک نہ جانے دیا۔ اس شخص کا بیان ہے کہ میت کو بغیر غسل کفن اور ادائے نماز جنازہ کے دفن کیا گیا۔ میانوالی جیل کے قیدیوں نے ایک سو قرآن ختم کر کے شہید کی رُوح کو ثواب پہنچایا۔

### کانگریس سے مطالبہ

مولانا ظفر علی خان نے کانگریس سے مطالبہ کیا ہے کہ حکومت نے میاں علم الدین کی لاش کو شہید کے ورثا کے حوالے نہ کرنے میں جس بیہودگی کا ثبوت دیا ہے۔ کانگریس اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے۔ ڈاکٹر گوپی چند نے اس مطالبہ کے جواب میں اطلاع دی کہ وہ اس ارشاد کی تعمیل کی کوشش کریں گے۔

### علامہ اقبال کے مکان پر جلسہ

آج پھر حضرت علامہ اقبال کے مکان پر جلسہ ہوا۔ جس میں میاں عبدالعزیز صاحب اور دوسرے اکابر جمع تھے۔ ملک لال دین صاحب قیصر اور ڈاکٹر سلطان محمد اور ہمارے محترم بھائی بشیر احمد صاحب خاص طور پر کوشاں تھے۔ تین بجے کے قریب ملک لال دین قیصر نے برکت علی محمد ن ہال میں ایک خاص مجلس شوریٰ بلا رکھی تھی۔ قیصر صاحب جتھ بندی کا کام پورے زور سے

کر رہے ہیں، رضا کار بھرتی ہو رہے ہیں اور سنا جاتا ہے کہ رئیس الاحرار مولانا محمد علی سے بھی اس باب میں خاص مشورہ طلب کیا گیا ہے۔



انقلاب ۵ نومبر ۱۹۲۹ء

## شہید علم الدین کی نعش کا مطالبہ

مسلمانانِ لاہور کا پُر جوش اجتماع

یکم نومبر بروز جمعہ دہلی دروازہ کے باہر باغ میں سات بجے بعد نماز مغرب مسلمانانِ لاہور کا ایک جلسہ زیر صدارت ملک لال دین قیصر منعقد ہوا۔ تعداد حاضرین تیس ہزار تھی۔ جلسہ کی غرض و غایت علم الدین شہید کی نعش کا مطالبہ تھا۔ سب سے پہلے جناب صدر نے موجودہ صورت حال پر موثر الفاظ بیان کیے۔ لوگوں کے مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کیا اور بتایا کہ ہمارے تمام کارکن چھوٹے یا بڑے اس کارِ خیر میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ چیف سیکرٹری وغیرہ پنجاب گورنمنٹ کا بیان ہے کہ حکومت کا ابھی تک یہی فیصلہ ہے اور ہم گورنر کی عدم موجودگی میں کچھ نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہمیں گورنر کے آنے تک انتظار کرنا چاہیے۔ میں بھی یہ نہایت ضروری سمجھتا ہوں کہ کل تک صبر سے کام لیں ورنہ ہم گورنمنٹ کو بتادیں گے کہ حکومت کو علم الدین شہید کی نعش دینی پڑے گی اور ہم لے کر چھوڑیں گے۔ اس مقصد کے لیے ایک دفتر ”غازی علم الدین کمیٹی“ کے نام سے کوچہ چابک سواراں میں ہم نے قائم کر لیا ہے۔ آپ لوگ وہاں پر آئیں اور اپنا نام بطور وولنٹیر (Volunteer) درج کرائیں۔

(۲) شیخ عبدالرشید صاحب نے نہایت بلند آواز کے ساتھ غازی علم الدین صاحب کے

والد کا بیان پڑھ کر سنایا۔ جو اسی پرچہ میں دوسری جگہ درج ہے۔

رضا کار بنو!

خواجہ بشیر احمد صاحب رفیقی نے گزشتہ واقعات راج پال ایچی ٹیشن کو بیان کرتے ہوئے مجمع کو منظم رہنے کی تلقین کی۔ آپ نے سید عطاء اللہ شاہ مشہور و اعظما کا ذکر کیا جو انہوں نے احاطہ

عبدالرحیم میں نہایت رقت انگیز طریق پر بیان کیا تھا جس میں خواجہ صاحب خود ایک ماہ کے لیے قید ہوئے تھے۔ موجودہ کمیٹی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ بھرتی کے لیے دفتر میں تشریف لائے اور منظم طریق پر ایچی ٹیشن کیجئے تاکہ گورنمنٹ کو نغش دینی پڑے۔

### جذبہ قربانی پیدا کرو

ماسٹر محمد شفیع صاحب رکن مسلم والنظیر کور (Muslim Volunteer Core) نے اکالی سکھوں کے واقعہ حسن ابدال کی قربانی بیان کرتے ہوئے لوگوں کو بتایا کہ کس طرح گورنمنٹ کو سکھوں کے آگے جھکنا پڑا۔ ہم میں بھی یہ جذبہ پیدا ہونا چاہیے۔

### موت کے لیے تیار ہو جاؤ

مولانا ظہیر الدین صاحب نے کہا کہ مسلمان کی زندگی چار اصولوں پر مبنی ہے۔ اول: مسلمان کا ایمان ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے۔ دوم: موت کو کوئی قوت آگے پیچھے نہیں کر سکتی۔ سوم: موت ضروری ہے۔ چہارم: موت کے بعد جنت یقینی ہے۔ اس لیے مسلمان کو موت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

### منظم مظاہرہ کی ضرورت

مولانا اختر علی خان صاحب نے بیان کیا کہ ہمارا صرف جائز مطالبہ یہ ہے کہ ہمیں شہید کی نغش دے دی جائے اور ہم کسی سے لڑائی کرنا نہیں چاہتے لیکن افسوس کہ ہم منظم نہیں ہیں۔ اگر ہم منظم مظاہرہ کریں گے تو گورنمنٹ کو نغش دینی پڑے گی۔

### مختلف تقریریں

مسٹر عمر اشرف رکن والنظیر کور (Volunteer Core) نے نہایت وسیع اور جامع الفاظ میں مسلمان کا مقصد زندگی بیان کیا۔

جناب عبدالکریم صاحب ثمر نے چند پنجابی اشعار جو شہید کی شان میں تھے۔ سنائے۔  
قاری حافظ عبدالرزاق صاحب نے قرآن پاک کی تلاوت کے بعد ایک درد بھری نظم سنائی۔

### حیرت اور استاد گام کی نظمیں

جناب حیرت صاحب نے چند پنجابی اشعار سنائے۔ اس کے بعد جناب صدر نے

حاضرین کے پُر امن رہنے کا شکریہ ادا کیا اور استاد گام کی خدمت میں عرض کی کہ وہ اپنا کلام سنائیں۔ چنانچہ استاد صاحب ”اللہ اکبر“ کے نعروں میں تشریف لائے اور پنجابی کے چند اشعار سنائے جو شہید کی شان میں تھے اور جو بے حد مقبول ہوئے۔ جناب صدر نے کہا کہ جو لوگ بھی اپنا نام درج کرا چکے ہیں وہ ابھی دفتر میں تشریف لائیں اور۔۔۔۔۔ کہ ۳ نومبر کو اتوار کے دن اسی جگہ اور اسی وقت۔۔۔۔۔ کے بعد جلسہ پُر اطمینان برخواست ہوا۔

بشیر احمد رفیقی

معمد سیکرٹری غازی علم الدین کمیٹی



## علم الدین شہید ہو گیا

علم الدین زندہ باد

بنا کردند خوش رسمے به خون و خاک غلطیدن

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

آج یکم نومبر ہے علم الدین ۳۱ اکتوبر کی صبح تک ہمارے درمیان تھا، آج ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو چکا ہے۔ نہیں، ہم نے غلط کہا اس کا عنصری جسد ہم سے جدا ہوا ہے لیکن اس کی رُوح ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گی۔ اُس کی قوتِ ایمان، اُس کا جذبہٴ عمل، اُس کا عشقِ رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم، ہمیشہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے نورِ ہدایت اور راہنمائی کا ابدی مینار بنے رہیں گے۔ ۳۱ اکتوبر کی صبح کو علم الدین کو پھانسی نہیں ملی، بل کہ اُس کے عنصری جسم کو پھانسی ملی، علم الدین کو دنیا کی کوئی حکومت پھانسی نہیں دے سکتی تھی، وہ اسی روز لا تقولو المن یقتل فی سبیل اللہ اموات کے مقدس گروہ میں شامل ہو چکا تھا جس روز اس دنیا کی ایک عدالت نے اسے پھانسی کا آخری و قطعی حکم دے دیا تھا، علم الدین زندہ ہے اور وہ اس وقت تک زندہ رہے گا جب تک یہ دنیا قائم ہے۔

## دو گروہ

علم الدین شہید کے بیان کردہ جرم قتل کے متعلق لوگوں کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ شہید کو بے گناہ پھانسی پر چڑھایا گیا اور یہ شہادت اسے عشق رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں نصیب ہوئی، اس لحاظ سے یہ مقدس ہستی بڑے سے بڑے اعزاز اور بڑے سے بڑے اجلال کی مستحق ہے اور کوئی انسانیت دوست انسان اس کے سامنے گردن نیاز خم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ شہید نے اپنے مقدس و محبوب آقا، چالیس کروڑ فرزندانِ توحید کے مقدس و محبوب آقا گروہ انبیاء کے تاجدار، کائنات انسانیت کے سر تاج محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت کی حفاظت میں اپنی جان عزیز قربان کی۔ اس لحاظ سے وہ چالیس کروڑ فرزندانِ توحید کی بہترین ہستیوں میں داخل ہے اور جس مقدس ہستی کا ایثار ناموس رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا ضامن ہو، اس کی عزت و حرمت کو کون سا کلمہ گودل کے معزز ترین گوشے میں جگہ نہ دے گا، نہیں یہی نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہر مذہب دوست انسان اور مقدس بانیانِ مذاہب و ادیان کو اعزاز و احترام حقیقی کا مستحق سمجھنے والا ہر انسان ایسے اولوالعزم شہید کے پاؤں چومے گا۔

## راج پال، چندر ناتھ داس اور علم الدین

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے یہ الفاظ شاید ہندو بھائیوں کو بُرے معلوم ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہیں رنج کا کوئی حق نہیں، ابھی کل کی بات ہے کہ وہ راج پال کی آرٹھی کا جلوس نکال چکے ہیں اور اسے ”قومی ہیرو“ ظاہر کر چکے ہیں۔ راج پال کیا تھا؟ اس کی شخصیت کیا تھا؟ محض یہ کہ اُس نے ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک ناپاک کتاب لکھی اور ایک حج کی ناشنیدہ قانونی موشگافی سے (فائدہ) اٹھا کر رہا ہو گیا۔ جو قوم اپنے کروڑوں ہمسایوں کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر ناپاک حملے کرنے والے کو ”قومی ہیرو“ بنا سکتی ہے۔۔۔۔۔ کی شہادت کو بڑے سے بڑے قومی فخر کا۔۔۔ نہیں کر سکتی۔

پھر ابھی کل کی بات ہے کہ اسی لاہور۔۔۔۔۔ روز بھوکے رہ کر جان دے دی۔ اس لیے



جان دے دی کہ سیاسی قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہوتا تھا۔ ہندوستانیوں نے اس کے جلوس نکالے۔ بنگال نے اُس کی یادگار قائم کرنے کے لیے دو لاکھ روپے کی اپیل کی۔ سیاسی قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک بجائے خود کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو مگر حرمت سر تاج کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے!!!

پھر جو اولوالعزم انسان اس آخر الذکر مقصد کے لیے شہید ہوا ہے۔ اس کے روبرو کیوں سب کے سر ہائے تعظیم تکریم خم نہ ہوں۔ ہم اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو لوگ قاتلوں، ڈاکوؤں اور بے گناہوں کی جان لینے والوں کو قومی ہیرو بنا سکتے ہیں وہ شہید علم الدین کی مقدس ہستی کے خلاف زبان کھولنے کا کیا حق رکھتے ہیں۔

### حکومت کی دل آزار روش

حکومت نے اس سلسلے میں جس دل آزار روش کا ثبوت دیا ہے اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے۔ کم ہے۔ اس نے راج پال کی اڑھی کا جلوس نکلنے دیا اور شہید علم الدین کا چہرہ بھی اس کے ورثا کو نہ دیکھنے دیا، نماز جنازہ بھی ادا نہ کرنے دی۔ حکومت نے جتنی رناتھ داس کی لاش۔۔۔ اور اس کا لاہور میں بھی جلوس نکلا، کلکتہ میں بھی جلوس نکلا۔ [لاہور اور] کلکتہ کے درمیانی اسٹیشنوں پر بھی مظاہرے ہوتے رہے مگر حکومت کے (انتظام/امن) میں کوئی خلل پیدا نہ ہوا۔ آخر مسلمانوں نے کیا گناہ کیا تھا کہ (ان) محبوب و مقدس ہستی کی میت کو لاہور نہ لانے دیا۔ عام مسلمانوں والے قبرستان میں دفن نہ کرنے دیا۔۔۔



شہید علم الدین کی لاش لانے کے لیے خاموش مقابلہ کی تیاریاں خاموش

سرکردہ مسلمانوں کے وفد کی گورنر سے ملاقات

لاہور ۴ نومبر: میاں علم الدین کی نعش کو لاہور لائے جانے کے متعلق معاملہ سنجیدہ صورت

حالات اختیار کر رہا ہے۔ کوچہ چابک سواراں واقع اندرون موچی دروازہ میں ایک باقاعدہ دفتر کھولا گیا ہے اور ایک کمیٹی ”علم دین کمیٹی کمیٹی“ کے نام سے قائم کی گئی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ نعش کے حصول کی خاطر خاموش مقابلہ کرنے کے لیے یک صد کے قریب رضا کار جمع کیے جا چکے ہیں

اور پہلا دستہ جو سترہ (۱۷) والٹئیر وں پر مشتمل ہے۔ ستیہ آگرہ کے لیے گورنمنٹ ہاؤس جانے کے لیے تیار بیٹھا ہے۔

### گورنر سے ملاقات کرنے کے لیے وفد

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آج چند میونسپل کمشنروں، مقامی ممبران کونسل اور شہر کے چند معززین پر مشتمل ایک وفد گورنر کے پاس جانے والا تھا جس کی ملاقات کا وقت اڑھائی بجے مقرر تھا لیکن گورنر کی طرف سے صرف خان بہادر ملک محمد حسین صدر میونسپل کمیٹی کو اطلاع دی گئی۔ چوں کہ وقت تھوڑا تھا اس لیے خان بہادر ملک محمد حسین، میاں امیر الدین اور شیخ حسن دین نے گورنر سے ملاقات کی۔ گورنر نے وفد سے ملاقات کے لیے کل ساڑھے چار بجے بعد دوپہر کا وقت مقرر کیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سر محمد شفیع، سر محمد اقبال، مولوی غلام محی الدین وغیرہ اصحاب بھی وفد میں شامل ہوں گے۔

اندریں حالات ڈاکٹر سلطان محمد سیکرٹری جدید خلافت کمیٹی اور میاں فیروز الدین احمد وغیرہ اصحاب محلہ چابک سواراں میں گئے۔ جہاں ۷ والٹئیر (رضا کاروں) کا دستہ چلنے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ مولوی غلام محی الدین نے ان سے درخواست کی کہ وہ گورنر کے جواب کے موصول ہونے تک انتظار کریں چنانچہ آپ نے والٹئیر (رضا کاروں) کو اس بات پر رضامند کر لیا اور انہوں نے سات بجے شام تک انتظار کرنے کا وعدہ کیا۔

رضا کاروں کو پولیس کی سختیاں برداشت کرنے کے لیے تربیت دی جا رہی ہے اور عدم تشدد رہنے کے لیے کہا جا رہا ہے۔

### پولیس کا زبردست انتظام

اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ علم دین کے متعلق رضا کاروں کا ایک دستہ گورنمنٹ ہاؤس میں ستیہ آگرہ کرنے کے لیے جائے گا۔ شہر میں جا بجا پولیس کا انتظام تھا۔ خاص کر موچی دروازہ، گوال منڈی، انارکلی، دہلی دروازہ اور دیگر مشہور مرکزوں پر پولیس کا زبردست پہرہ تھا۔ مگر یہ دیکھ کر کہ ستیہ آگرہ کل تک ملتوی کر دیا گیا ہے۔ پولیس کا پہرہ ہٹا لیا گیا۔

### شان دار جلوس اور جلسہ

لاہور۔ ۴ نومبر: آج شام کو مسلمانان لاہور کا ایک اور شان دار جلوس شہید علم الدین کی

نعش کے مطالبہ کا مظاہرہ کرنے کے لیے شہر کے بازاروں میں سے گزرا اور بعد نماز مغرب باغ بیرون دہلی دروازہ میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ مولانا ظفر علی خان صدر جلسہ تھے۔ مولانا نے اس منظم ایچی ٹیشن پر مسلمانانِ لاہور کی تعریف کی اور کہا کہ مسلمان چند روز میں جبر کی تلوار کو توڑ ڈالیں گے اور صبر قائم رہے گا۔ اسی اثنا میں جلوس آگیا اور حاضرین کی تعداد گنی چوگنی ہو گئی۔ مولانا نے اپنی تقریر جاری رکھی۔ مولانا ظفر علی خاں کے بعد مولانا محمد نعیم لدھیانوی نے برجستہ تقریر کی۔ ملک لال دین قیصر نے کہا کہ ہر خیال کا مسلمان ہمارے ساتھ ہے۔ حکومت کے وزیر بھی ہماری قرارداد کے موید ہیں۔ حکومت کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان جب کرنے پر آیا کرتے ہیں تو حکومت کا تختہ الٹ دیا کرتے ہیں۔ آخر میں مولانا ظفر علی خان نے اعلان کیا۔ میں یہاں پچاس ہزار روپیہ جمع کر دوں گا اور اس فنڈ میں اپنی گرہ سے پانچ سو روپیہ پیش کروں گا۔ نظموں کے بعد غازی علم الدین کمیٹی کی رپورٹ پڑھی گئی۔

### پہلے دستے کے رضا کار

لاہور۔ ۴ نومبر: غازی علم الدین کی نعش حاصل کرنے کے لیے جو دستہ لاہور میں گورنر کی کوٹھی پر مورچہ لگانے کے لیے روانہ ہوگا۔ اس کے رضا کاروں کے اسماء درج کیے جاتے ہیں۔

- ۱۔ امیر بخش پہلوان، بھائی دروازہ لاہور
- ۲۔ محمد رمضان ولد عمر بخش حویلی میاں خان
- ۳۔ محمد اسحاق ولد خان صاحب میراں بخش کوچہ سکے زبیاں
- ۴۔ محمد امین ولد میاں عبداللطیف باغبان پورہ
- ۵۔ ایم محمد شریف ولد میاں مہر دین محلہ پٹنگاں کوچہ بھوریاں بھائی دروازہ
- ۶۔ ایم اللہ دتا ولد مستری نور دین ملازم مسلم کمیٹی چنڈ محلہ
- ۷۔ غلام مصطفیٰ ولد محمد حسنین نیا محلہ شیرانوالہ دروازہ
- ۸۔ ظہور الدین ولد محمد حسین محلہ سکے زبیاں
- ۹۔ محمد جمیل ولد فضل دین خرا دی محلہ
- ۱۰۔ عبداللہ ولد بڈھا محلہ پٹنگاں گلی بھوریاں
- ۱۱۔ خیر دین ولد عبداللہ کوٹلی پیر عبدالرحمن ڈاک خانہ باغبان پورہ

- ۱۲۔ ایم کرامت بیگ ولد فوجدار بیگ حویلی کابلی مل  
 ۱۳۔ محمد اشرف خان ولد فیروز خان کوچہ سکے زبیاں  
 ۱۴۔ مرزا میر احمد خان ولد میرزا علی احمد خان پشاور سٹی ٹھیکیدار  
 ۱۵۔ کرم بخش ولد ماہی قوم گوجرا کبری دروازہ معرفت بسا ولد ماہی  
 ۱۶۔ محمد عمر ولد ملک فضل دین بازار تیزابیاں  
 ۱۷۔ مولوی تاج الدین ولد کریم بخش محلہ سادھواں

### مسلمان تاجروں کی حمیت اسلامی

لاہور۔ ۴ نومبر: معلوم ہوا ہے کہ کشمیری بازار کے مسلمان تاجروں نے علم الدین کمیٹی سے درخواست کی ہے کہ غازی کی نعش لانے کے سلسلے میں رضا کاروں کے جس قدر قافلے تیار ہوں گے اور سول نافرمانی کے لیے روانہ ہوں گے۔ ان کے خورد و نوش کے تمام اخراجات اور انتظامات ہماری طرف سے ہوں گے۔ ان کی درخواست کمیٹی مذکور نے منظور کر لی ہے۔ چنانچہ آج جو قافلہ تیار ہوا تھا ان کے لیے کھانا وغیرہ ان کی طرف سے دیا گیا ہے۔

### میانوالی کے ڈپٹی کمشنر کی تبدیلی

میانوالی ۴ نومبر: یہاں کے ڈپٹی کمشنر ملک زمان مہدی کو کسی دوسری جگہ تبدیل کر دیا گیا ہے اور ان کی جگہ لالہ رادھا کشن کو مقرر کیا گیا ہے۔ جدید ڈپٹی کمشنر ۶ تاریخ کو جا کر چارج لے لے گا۔

### میانوالی میں مسلمانوں کی گرفتاریاں

میانوالی۔ ۴ نومبر: یہ معلوم کرنے کے لیے کہ شہید علم الدین کی نعش کے دفن کرتے وقت کن اشخاص نے پولیس پر پتھر پھینکے تھے۔ شناخت کی پریڈ کرائی گئی اور ۱۳، ۱۴ اشخاص گرفتار کر لیے گئے۔ ابھی تک ان لوگوں کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ جنہوں نے ڈھول کے ذریعہ سے منادی کی تھی کہ پھانسی کے دن جیل کے دروازہ پر جمع ہو جائیں۔

### غازی علم الدین کا یوم شہادت

### سید کشفی شاہ نظامی کی حریت افروز تجویز

مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کی انتہا ہے کہ گورنمنٹ پنجاب نے غازی علم الدین مرحوم کی

لاش دینے سے انکار کر دیا ہے۔ قانونی طور پر گورنمنٹ کو میاں علم الدین مرحوم پر اسی قدر اختیار تھا کہ وہ اپنا پھانسی کا آخری حکم اس پر نافذ کرے۔ جب یہ حکم نافذ ہو گیا تو گورنمنٹ کے اختیارات کی حد ختم ہو گئی۔ اب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے جسم، گوشت اور پوست پر گورنمنٹ کو کوئی قانونی حق حاصل نہیں ہے۔

مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ یہ ان کی کمزوری، نا اتفاقی اور۔۔۔ وافتراق کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک فدائے رسول کی لاش کو بھی اس کی آخری وصیت کے مطابق سپرد خاک کرانے کی قدرت نہیں رکھتے۔

علاج اس مصیبت کا یہ ہے کہ ایک دن مقرر کیا جائے اور سات کروڑ مسلمانانِ ہندوستان ایک مرکز اتحاد پر کھڑے ہو کر گورنمنٹ سے مطالبہ کریں کہ وہ مسلمانانِ لاہور سے قیام امن و امان کی ہر بڑی سے بڑی ضمانت لینے کے بعد شہید مرحوم و مغفور کی لاش مسلمانوں کے حوالے کر دے۔ اس دن تمام اسلامی ہندوستان کے لیے ایک متحدہ پروگرام تجویز کیا جائے، جمعہ کا دن بہتر ہوگا۔ اس دن ہر مقام سے حکومت کو تار بھیجے جائیں۔ اگر یہ متحدہ عرضداشت بھی منظور نہ ہو تو مسلمانوں کو حق ہوگا کہ وہ اپنی مجموعی اور متحدہ طاقت سے حصول مقصد کے لیے کوئی سرفروشانہ اقدام کریں۔

سید کشفی شاہ



انقلاب ۷ نومبر ۱۹۲۹ء

## شہید علم الدین کی قبر پر پولیس کا زبردست پہرہ

میانوالی میں گرفتاریوں کی بھرمار

شہر کے بالا خانوں پر پولیس کے مورچے

میانوالی۔ ۳ نومبر: یہاں دھڑا دھڑا گرفتاریاں عمل میں آرہی ہیں۔ نعرے لگانے والے، نعش کا مطالبہ کرنے والے اور وہ علما جنہوں نے کہا کہ ورثا کی اجازت کے بغیر نعش کا جنازہ نہیں ہو سکتا۔ بلا تحقیق گرفتار کیے جا رہے ہیں بل کہ پولیس یوم شہادت کے مجمع میں سے جس کو پہچانتی ہے، گرفتار کر رہی ہے۔

شہید کی قبر پر پہرہ اور روشنی

شہید علم الدین کی قبر پر پولیس کا زبردست پہرہ لگا ہوا ہے اور گیس کی روشنی کی جاتی ہے۔

بیرون جات کی پولیس

راول پنڈی، بنوں، کوہاٹ اور کیمبل پور سے سپاہیوں کے دستے مع اعلیٰ افسروں کے لگاتار آرہے ہیں۔ مضافات کی خفیہ پولیس بھی اپنے ہیڈ کوارٹر میں طلب کی گئی ہے۔ جیل کے ارد گرد سڑکوں، بازاروں اور گلی کوچوں پر پہرہ رہتا ہے اور خصوصاً اسٹیشن پر سب انسپکٹر گھومتے رہتے ہیں۔

بالا خانوں پر پولیس کے مورچے

پولیس نے شہر کے تمام بالا خانے کرائے پر لے کر ان پر مورچے قائم کر لیے ہیں۔

سنگ باری کرنے والوں کی شناخت

میانوالی ۳ نومبر: میاں علم الدین کی شہادت کے بعد جن لوگوں نے پولیس کے افسروں پر سنگ باری اور خشت باری کی۔ ان کی شناخت کی جا رہی ہے۔ اطلاع ملی ہے کہ تیرہ یا چودہ

اشخاص شناخت کیے گئے ہیں جن لوگوں نے ۳۰ اکتوبر کو بعد دوپہر منادی کے ذریعے سے عام مسلمانوں کو بہ تاریخ ۳۱ اکتوبر بہ وقت صبح جیل کے دروازے پر جمع ہونے کے لیے تلقین کی تھی۔ ابھی ان کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔



میاں علم الدین کی شہادت

سمبر یال میں جلسہ ماتم

آج خطبہ جمعہ میں بندہ نے مسلمانان سمبر یال کو پروانہ چراغ مصطفوی محبت محبوب رب العالمین علم الدین شہید کی شہادت کی جاں گداز خبر سنائی۔ تمام سامعین پر یہ روح فرسا خبر سن کر آرزو حد رنج و الم طاری ہوا، اور گورنمنٹ کے اس غیر منصفانہ حکم کو کہ لاش ابھی مرحوم کے والد کو سپرد نہ کی جائے۔ نمک پر جراحت سمجھا گیا۔ کئی مسلمان زار زار رونے لگے اور بعد نماز جمعہ مرحوم کے لیے دعائے مغفرت مانگی اور عوام کے اصرار سے بندہ نے نماز جنازہ غائبانہ پڑھی اور مرحوم کے والد اور کل پس ماندگان سے اظہار ہمدردی کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ شہید کو جنت الفردوس نصیب کرے اور پس ماندگان کو اجر جمیل و صبر جمیل عطا فرمائے۔ امین یا رب العالمین

لطف اللہ مولوی فاضل دیوبندی

از سمبر یال ضلع سیال کوٹ



علم الدین شہید کی نعش لینے کی سرگرمیاں

گورنر سے مسلمان اکابر کے وفد کی ملاقات

لاہور۔ ۵ نومبر: آج مسلمان معززین کا ایک وفد سوا چار بجے گورنمنٹ ہاؤس میں گورنر پنجاب سے ملا۔ ارکان وفد میں سترہ (۱۷) میونسپل کمشنر، ڈاکٹر سر محمد اقبال، سر محمد شفیع، چودھری دین محمد، مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور، سید مراتب علی شاہ، میاں عبدالعزیز بیرسٹر اور دیگر حضرات بھی تھے۔ سر محمد شفیع نے غازی علم الدین کی نعش مسلمانان لاہور کے حوالے کیے جانے کے لیے گورنر سے طویل گفتگو کی۔ گورنر نے جواب دیا کہ آپ کے بعض نکات ایسے ہیں کہ ان پر

غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ لہذا میں ماتحت حکام سے مشورہ کر کے کل پانچ بجے شام مکمل جواب دوں گا۔ سر محمد شفیع کا خیال ہے کہ حکومت ہمارا مطالبہ تسلیم کر لے گی۔ دیگر اراکین وفد بھی آپ ہی کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں۔

### خاموش مقابلہ کرنے والے رضا کاروں کا دستہ

لاہور۔ ۵ نومبر: آج شام رضا کاران اسلام کا ایک عظیم الشان جلوس دفتر علم الدین کمیٹی سے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ غازی علم الدین کے مکان پر پہنچ کر جلوس رُک گیا۔ حکیم احمد حسن صاحب نے ایک زبردست تقریر کی جس میں کل جتھانہ جانے کی وجہ بیان کی۔ نیز آپ نے زبردست الفاظ میں حکومت سے نعرش دینے کا مطالبہ کیا۔ راستے میں خرا دی محلہ کے مسلمانوں نے رضا کاروں کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے۔ جملہ رضا کار اپنے اپنے بستر کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ جلوس میں چند طلباء کالج بھی تھے جنہوں نے اپنے آپ کو بہ طور رضا کار پیش کیا۔ اہل جلوس مندرجہ ذیل مصرعہ گارہے تھے۔

غازی کی نعرش لینے ہم گھر سے جا رہے ہیں

راستے میں بعض محلوں کے مسلمانوں نے جوش عقیدت سے رضا کاروں پر پھولوں کی بارش کی۔ پہلے دستے کا قافلہ سالار امیر بخش پہلوان ہے جس کے گلے میں بہ کثرت پھولوں کے ہار پڑے تھے۔

الطاف حسین بہادر غلام مصطفیٰ حیرت نے کہا کہ اگر عورتوں کا کوئی دستہ سول نافرمانی کے لیے تیار ہو تو میری والدہ سب سے پہلے اپنا نام پیش کرنے کو تیار ہے۔

### رضا کاروں کے جلوس کا گشت

جلوس اندرون موچی دروازہ میں پہنچا تو میاں فیروز الدین احمد نے والدین کو میوے کھلائے۔ حکیم احمد حسن نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں نے نماز مغرب مسجد رنگ محل میں پڑھی۔ اس کے بعد جلوس روانہ ہوا۔ راستے میں حکیم احمد حسن اور غلام مصطفیٰ حیرت نے متعدد تقریریں کیں جن میں آپ نے بیان کیا کہ ہمارا مقابلہ صرف حکومت سے ہے۔ حکومت نے ہندوؤں مسلمانوں کو لڑانے کی کوشش کی، مگر ہندوان کے بھائی ہیں جس دن سے



جلے اور جلوس نکل رہے ہیں کوئی کہے کہ مسلمانوں نے بد امنی کی، ہرگز نہیں۔ مسلمان پُر امن رہے۔

ان حضرات کی تقریریں ہندو مسلم اتحاد میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ جلوس کے ہم راہ خلقت دم بہ دم بڑھ رہی تھی۔ یہاں تک آدمیوں کا ایک جنگل نظر آتا تھا۔ ہیرامنڈی میں خواجہ دل محمد، شیخ حسن دین میونسپل کمشنران، ڈاکٹر سلطان احمد، میاں فیروز الدین جلوس میں آئے اور آپ نے بشیر احمد صاحب رفیقی سے بصد منت التجا کی کہ گورنر نے کل جواب دینے کا وعدہ کیا۔ آپ برائے خدا اپنے ارادوں کو کل تک ملتوی کر دیں۔

### رضا کاروں کا ضبط و نظام

یہاں پہنچ کر رفیقی صاحب نے رضا کاروں کو حکم دیا کہ آمنے سامنے کھڑے ہو جائیں۔ تمام رضا کار کھڑے ہو گئے۔ آپ نے خواجہ دل محمد، شیخ حسن دین وغیرہ حضرات کو فداکاروں کے درمیان ایک طرف کھڑا کیا۔ اس کے بعد بشیر احمد صاحب نے فداکاروں سے دریافت کیا کہ اگر پولیس والے تمہیں سخت سے سخت گالی دیں تو تم کیا جواب دو گے؟ انہوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ خاموش۔ اس کے بعد آپ نے تمام فداکاروں کو لیٹ جانے کا حکم دیا۔ تمام لیٹ گئے۔ بشیر احمد صاحب نے باقی مسلمانوں کو ان پر پھینکا وہ بھی ان پر لیٹ جاتے۔ اس کے بعد آپ ان کے جسموں پر پاؤں رکھتے ہوئے دوڑے مگر کسی ایک نے بھی اُف تک نہ کی۔ ان تمام حالات کو دیکھ کر خواجہ دل محمد انگشت بندناں تھے۔ اس کے بعد جلوس بازار حکیمان سے ہوتا ہوا باغ بیرون بھائی دروازہ میں پہنچا۔

### مولانا ظفر علی خان کی تقریر

----- عظیم الشان جلسہ شروع ہوا۔ مولانا نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا (اسلام) کے سپاہیو اور لاہور کے مسلمانوں۔۔۔۔۔ کیا نتیجہ ہے۔ وہ نتیجہ یہ ہے کہ۔۔۔۔۔ از سر تا پا عزت و حمیت کا نمونہ ہے۔ یہ وہ طاقت ہے جس کے آگے کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔ رضا کاروں کو دیکھو کہ ہر ایک نو جوان صبر کی بولتی چالقی تصویر ہے۔ اگر ان پر جبر کیا جائے تو یہ استقلال سے کام لیں گے۔ ان کے جسموں پر لاٹھیاں پڑیں، انہیں ریزہ ریزہ کر دیا جائے مگر یہ اپنی جگہ

سے ایک انچ نہ ہٹیں گے۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدم تشدد کی تعلیم دی تھی۔ مولانا نے ان مظالم کا ذکر کیا جو کفار عرب نے آپ پر زور رکھے مگر آپ نے اُف تک نہ کی بل کہ کہا کہ میں رحمۃ اللعالمین ہوں۔ میری رحمت تمام دنیا کی اقوام کے لیے ہے۔ اس کے بعد آپ نے رضا کاروں سے کہا میں بہ حیثیت امیر کے حکم دیتا ہوں کہ بیٹھ جاؤ۔ کھڑے ہو جاؤ۔ رضا کاروں نے تعمیل کی۔ اس پر مولانا نے کہا کہ یہی ایک دن تمام پنجاب میں ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم ہندو مسلمان مل کر دوسروں کو بتادیں گے کہ دو ہمسایہ قومیں کس طرح مل سکتی ہیں۔ غازی علم الدین کی شہادت نے ایک نیا دور پیدا کر دیا ہے جس چیز کو مونجے کی کانگریس مالوی کی کانگریس مہاتما گاندھی کی کانگریس بھی حاصل نہیں کر سکی۔ اس کو مسلمان کر کے دکھائیں گے۔ جو عزم بالجزم کر چکے ہیں کہ خواہ ایک مہینہ ایک دن یا سو سال لگیں ہم شہید کی لاش لیں گے۔ آپ نے کہا کہ بہ حیثیت امیر میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ کل ساڑھے سات بجے شام دہلی دروازہ کے باہر پہنچ جاؤ۔ میں ایک اہم اعلان کروں گا اور میں آپ سے مقدس عہد کرتا ہوں کہ اگر اور کچھ نہ ہو تو میں لاہور سے کہوں گا کہ والنٹیر وں کے گلے میں ہار ڈال کر انہیں میانوالی روانہ کر دو۔ میں ہندوؤں سے کہتا ہوں کہ وہ آئیں، وہ ہمارے بھائی ہیں۔ آپ نے رضا کاروں کو صبر کی تلقین کی۔ امرٹ سکھر کے قریب مولوی تاج محمود کے انتقال پر اظہار افسوس کی قرارداد مکمل کی۔ اس کے بعد ملک لال دین قیصر نے والنٹیر وں کے لیے ہار پھل اور مٹھائی مہیا کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد یہاں بھی فداکاروں نے صبر و تحمل کا وہی نظارہ دکھایا جو پیشتر ازیں ہیرا منڈی میں دکھا چکے تھے۔ مولانا ظفر علی خان نے بھی بہ طور والنٹیر اپنے امیر کے احکام کی تعمیل کی، اس پر ہر طرف سے ”ظفر علی زندہ باد“ کے نعرے بلند ہوئے۔ ایک لڑکا محمد حسین نامی پیش کیا گیا جس نے بیان کیا کہ یہ چند آدمیوں کی سفارشی چٹھیاں لایا ہے کہ مجھے پہلے جتھے میں بھیجا جائے۔ وہ گھر سے میانوالی کا کرایہ دو روپے اور اپنا بستر ساتھ لایا ہوا تھا۔ باپ نے اسے بہت روکا اور زد و کوب بھی کیا مگر وہ باز نہیں آیا۔ اس لڑکے کی عمر سترہ (۱۷) سال کے قریب ہوگی۔

لاہور۔ ۵ نومبر: معلوم ہوا ہے کہ جو فداکار کل قافلہ کے لیے تیار ہو کر آئے تھے وہ ابھی تک اپنے گھروں کو واپس نہیں گئے اور انہوں نے گذشتہ رات دفتر ہی میں بسر کی اور کشمیری بازار

کے مسلمان تاجروں نے انہیں کھانا کھلایا۔ (لاہور نیوز ایجنسی)

### علم الدین شہید کی لاش

لاہور۔ ۵ نومبر: آج مسلم اکابر لاہور کا جو وفد علم الدین شہید کی لاش کے لیے گورنر کی خدمت میں گیا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ گورنر نے ان کو تسلی بخش جواب دیا ہے۔ مسلم اکابر میں ہر طبقے اور ہر گروہ کے بزرگ موجود تھے مثلاً علامہ اقبال، سر محمد شفیع، مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ، آغا سید مراتب علی شاہ، ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین، میاں عبدالعزیز بیرسٹریٹ لاء وغیرہ۔ تمام اصحاب نے مسلمانوں کے جذبات کی نہایت عمدہ طریق پر ترجمانی کی۔ حکومت کو امن قائم رکھنے کا پورا پورا یقین دلایا۔ کل شام کو پھر گورنر سے ملاقات ہوگی۔

اگر حکومت نے لاش دے دی جس کی بہ ظاہر قوی اُمید ہے تو ہمیں بے حد خوشی ہوگی اور مسلمان بھی اس بات کی بے حد قدر کریں گے اور سمجھیں گے کہ ان کے مخلصانہ جذبات سے بے پروائی نہیں برتی گئی۔ مسلمانوں کا جوش و خروش ظاہر ہے۔ لاہور کا ایک ایک فرد قربانی پر آمادہ ہے۔ باہر کے شہروں میں بھی بے حد جوش ہے۔ میانوالی غیرت و حمیت آفتاب کی طرح آشکارا ہے۔ کیا ہم اُمید رکھ سکتے ہیں کہ حکومت تمام حالات پر نظر رکھتے ہوئے صحیح فیصلہ کرے گی۔



انقلاب، ۸ نومبر ۱۹۲۹ء

## میاں علم الدین شہید

خان اصغر حسین صاحب نظیر لدھیانوی

میں رسن کو چوم لیتا ہوں تڑپ کر دار پر  
یا پلا دیتا ہے کوئی جام کوثر دار پر

یہ غلامانِ محمد کی پرانی رسم ہے  
کودتے ہیں آگ میں چڑھتے ہیں اکثر دار پر

طور پر موسیٰ کو پیہم آ رہی ہے یہ ندا  
اہل دل معراج پا لیتے ہیں چڑھ کر دار پر

یا تہ شمشیر آتا ہے نظر اعجازِ عشق  
یا گھلا کرتے ہیں جانبازوں کے جوہر دار پر

کس قدر ہے تیرے عاشق کو شہادت کی خوشی  
کس قدر مسرور ہے اللہ اکبر دار پر

کھینچتا ہے کیوں مجھے محبوب کی آغوش سے  
اور رہنے دے مجھے جلاذ دم بھر دار پر



انقلاب، ۸ نومبر ۱۹۲۹ء

## ملتان میں علم الدین شہید کے لیے جنازہ غائبانہ

ملتان شہر۔ ۳ نومبر: یکم نومبر کی صبح کو لاہور سے آنے والے اصحاب سے یہ سن کر کہ ۳۱ اکتوبر کو حسب اعلان اخبارات شمع رسالت پر جان نثار کرنے والے پروانے علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے میانوالی جیل میں تختہ دار پر داعی اجل کو لبیک کہہ کر انتقال فرمایا ہے اور لاہور میں لاش نہ دیے جانے کے باعث اور اس کے غم و اعزاز میں ہڑتال کی گئی ہے۔ جمعیتہ خدام المسلمین کے ارکان نے مختلف مساجد میں جنازہ غائبانہ و دعائے مغفرت کی تحریک کر دی۔ چنانچہ باقی مساجد میں غازی مدوح کے حق میں دعائے مغفرت کی گئی اور مسجد جامع خوجیانوالی واقعہ اندرون پاک دروازہ میں بہ تحریک عبدالعزیز صاحب سیکرٹری جمعیتہ خدام المسلمین شہید مغفور کا جنازہ غائبانہ ادا کیا گیا۔

ہفتہ کی شام کو اخبارات کے مطالعہ سے میانوالی کے ڈپٹی کمشنر اور حکومت کے عدم تدبر اور شہید کی نعش کے متعلق شرم ناک حکمت عملی کے تفصیلی کوائف پڑھتے ہی مسلمانوں کو اس سے آگاہ کرنے کے لیے جمعیتہ خدام المسلمین کے زیر اہتمام ایک جلسہ گاہ کے انعقاد کا اعلان منادی کے ذریعہ عام شہر میں کر دیا گیا۔ چنانچہ آج شام کو ۵ بجے مسجد جنازہ گاہ میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ حاضرین کی تعداد کافی تھی۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد سیکرٹری جمعیتہ مذکور نے مولانا ظفر علی خان کی نظم بہ عنوان ”اللہ والے“ پڑھ کر سنائی۔ اس سے پہلے شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دار پر کھینچے جانے کے آخری لمحات اور میانوالی جیل کے تمام واقعات جرائد اسلامیہ ”زمیندار“ اور ”انقلاب“ کے اقتباسات لے کر پڑھ کر سنائے۔ جس سے حاضرین بے حد متاثر ہوئے۔ اس کے بعد سید زین العابدین گیلانی نے حکومت کے ناپاک رویے کی کہ اس نے غازی شہید کی نعش نہیں دی۔ سخت مذمت کی اور مسلمانوں کو متحد و متفق ہونے کی تلقین کی۔ آخر میں شہید کے لیے دعائے مغفرت

کے بعد جلسہ برخواست کر دیا گیا۔ (نامہ نگار خصوصی)



## شہادت علم الدین کا مادہ تاریخ

لا تقولوا لمن يقتل فی سبیل اللہ اموات

عزیز محترم! مولوی عبد المجید صاحب سالک، السلام علیکم!

آج کے اخبار سے درد انگیز خبر پڑھی۔ میاں علم الدین رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کو یہ میرا

خط دے دیجیے۔ مادہ تاریخ ۱۹۲۹ء بہ طور تعزیت و نوید شہادت برائے تعبیہ بھیجتا ہوں۔

اس آیت پاک میں صیغہ مضارع کی جگہ صیغہ ماضی مجہول ہے۔

لا تقولوا لمن قتل فی سبیل اللہ اموات

۱۹۲۹ء

واؤ جمع کی علامت الف ساقط کر دی ہے۔

مولانا زین العابدین فرہاد از میرٹھ

یکم نومبر



## علم الدین شہید کی نعش

اس امر کی پوری توقع پیدا ہو گئی ہے کہ علم الدین شہید کی نعش مسلمانوں کو مل جائے گی۔

ابھی حکومت نے قطعی فیصلہ کا اظہار نہیں کیا۔ آج شام کے چھ بجے مسلمانوں کو اس امر کے متعلق

پوری پوری تفصیلات معلوم ہو جائیں گی۔



## علم الدین شہید کی نعش واپس لینے کی سرگرمیاں

شان دارجلوس اور جلسہ

لاہور۔ ۶ نومبر: مسلمانانِ لاہور کا ایک عظیم الشان جلسہ بیرون باغ دہلی دروازہ میں ۸ بجے شام منعقد ہوا۔ فداکاران کا جلوس ۵ بجے شام دفتر علم الدین کمیٹی سے روانہ ہوا۔ اور علم الدین شہید کے مکان سے ہوتا ہوا مسجد وزیر خان میں پہنچا۔ جہاں مسلمانوں نے نماز مغرب ادا کی۔ یہاں سے جلوس مختلف بازاروں سے ہوتا ہوا جلسہ گاہ میں پہنچا۔ فداکاروں کے گلوں میں پھولوں کے ہار بہ کثرت پڑے ہوئے تھے۔ جلسے کی کارروائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ حاضرین نہایت امن و سکون سے بیٹھے ہوئے تھے اور درود شریف پڑھتے رہے۔ اس کے بعد غازی امیر بخش پہلوان سپہ سالار قافلہ اول نے ایک مختصر تقریر کی جس میں آپ نے مسلمانوں کو سلف صالحین کے واقعات سناتے ہوئے کہا کہ مسلمان بہادر تھے۔ آپ کو بھی بہادر بننا چاہیے۔ ہم گولیاں کھائیں گے مگر اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے۔ آپ کی تقریر پر متعدد نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوئے۔ اس موقع پر مولانا ظفر علی خان آگئے۔ مولانا نے آتے ہی حکم دیا کہ سب فداکار کھڑے ہو جائیں۔ آپ نے کہا کہ ساڑھے دس بجے کی گاڑی سے جانے کے لیے تیار رہیں۔ میں ابھی پندرہ منٹ میں آتا ہوں۔ مولانا کے گلے میں بہ کثرت پھولوں کے ہار ڈالے گئے۔ اس کے بعد مولانا تشریف لے گئے۔ اس کے بعد ان بائیس (۲۲) فداکاروں کو جو پہلے قافلے میں جانے والے ہیں۔ اس ترکیب کے ساتھ ایک قطار میں کھڑا کیا گیا اور انہوں نے علم الدین شہید کے متعلق یہ نظم پڑھی:

اے علم دین تو نے مسلم کی لاج رکھ لی

اس کے بعد دوسرے قافلہ والوں نے بھی یہی نظم پڑھی۔

### امیر بخش پہلوان کی تقریر

امیر بخش صاحب پہلوان جو پہلے قافلہ کے قافلہ سالار ہیں انہوں نے مکرر تقریر کی کہ اپنے وطن کی آزادی کے لیے پھانسی پر لٹک جاؤ۔ آپ نے اپنی موجودہ غلامی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں بہادر بننا اور ملک کو آزاد کرانا چاہیے۔ آپ نے کہا کہ میں اپنے پوتے کو وصیت کر جاؤں گا کہ وہ نعش ضرور حاصل کر لے۔ آپ نے افسوس ظاہر کیا کہ ولایت کے بڑے بڑے پہلوان ہمارے پہلوانوں کے سامنے ایک منٹ نہیں ٹھہر سکتے۔ قہر کہ وہ کمزور ہو کر حکومت کریں اور ہم اتنے بڑے بڑے جوان ہو کر محکوم رہیں۔ انگریزوں کے متعلق کہا کہ ان کے ایک روز کا خرچ کم از کم ایک سو روپیہ ہوتا ہے جو ہمارے گاڑھے سپینے کی کمائی ہوتی ہے اور ہم بھوکے مرتے ہیں۔ آپ نے امیر غازی امان اللہ خاں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے مجھے کہا تھا کہ ہندوستان جب ہی آزاد ہو سکتا ہے کہ ہندو مسلمان متحد ہو جائیں۔ ایک ہو جائیں کیوں کہ یہ بھائی بھائی ہیں۔ آخر میں آپ نے تمام حاضرین سے اپیل کی کہ آپ ورزش کیا کریں اور بہادر بنیں۔ اور کوئی نیک کام کریں۔ اس کے بعد نظم ہوئی۔

### مولانا ظفر علی خان کی تقریر

کچھ عرصہ بعد مولانا پھر تشریف لائے۔ آپ نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا کہ؛  
برادران عزیز! میں لاہور کے غریب مسلمانوں کو مبارک باد دیتا ہوں جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام غریب میں آیا، غریب میں رہا۔ میں اپنے ہندو پر لیس، نوجوان بھارت سبھا کو مبارک باد دیتا ہوں جنہوں نے ہمارے ساتھ ہمدردی ظاہر کی۔ میں اونچے طبقہ والے لوگوں کو جو پس پردہ ہیں۔ مبارک باد دیتا ہوں۔ یہ فداکاران جو اپنی جان ہتھیلیوں پر لیے نکلے ہوئے ہیں، میں ایک جگہ جاؤں اور میرے دل کو یقین آ جائے کہ شہید کی لاش ہمیں مل جائے گی۔ تھوڑے دنوں میں شہید کی نعش لا کر یہیں جنازہ پڑھیں گے اور یہیں سپرد خاک کریں گے۔ ان شاء اللہ

چند دن میں فیصلہ ہو جائے گا۔ آپ انتظار میں رہیں کہ وہ نعش مبارک آئے۔ اس واقعہ نے ہندو مسلم اتحاد کو ادا کیا۔ میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ آپ گھروں کو جائیں مگر اطمینان اور سکون



سے۔ ہم ابھی محبت کی ایک نئی دنیا بسائیں گے۔ آپ نے فداکاروں کا شکر یہ پنجاب کے مسلمانوں کی طرف سے ادا کیا۔

حکیم احمد حسن، ملک لال دین قیصر، بشیر احمد رفیقی کا شکر یہ ادا کیا۔ اس کے بعد جلسہ برخواست ہو گیا۔

### ایک ڈاکٹر کی طبی خدمات

لاہور۔ ۶ نومبر: آج ڈاکٹر نثار علی صاحب بازار کریا نوالہ نے علم الدین کمیٹی سے درخواست کی کہ انہیں والنٹیر بھرتی کیا جائے چنانچہ وہ دفتر میں تشریف لائے لیکن ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے انہیں لینے سے انکار کیا گیا۔ اب انہوں نے اپنی طبی خدمات قافلوں کے لیے پیش کیں جو شکر یہ کے ساتھ قبول کیا گیا۔

### پہلے دستے کے پانچ اور فداکار

لاہور۔ ۶ نومبر: معلوم ہوا ہے کہ پہلا قافلہ جو سترہ (۱۷) آدمیوں پر مشتمل تھا لیکن اب بائیس (۲۲) ہو گئے ہیں۔ پانچ سرفروشان اسلام کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ خورشید انور ولد خواجہ فیروز الدین صاحب بیرسٹریٹ لاء، لاہور
- ۲۔ محمد رشید، ۳۔ نیک محمد، ۴۔ محمد صدیق، ۵۔ چمن دین



انقلاب ۸ نومبر ۱۹۲۹ء

## مسلمان اکابر کے وفد کی گورنر سے طویل ملاقات

صورت حال کے بہتر ہو جانے کی توقع پیدا ہو گئی

سرفیض اور علامہ اقبال کی مساعی جمیلہ

لاہور۔ ۶ نومبر: آج وقت مقررہ پر مسلمانوں کا ایک وفد جو سراقبال، سرفیض اور ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین پر مشتمل تھا۔ گورنر سے ملا۔ طویل عرصہ تک گفتگو کے بعد وفد سراقبال کے مکان پر واپس آیا اور آتے ہی بند کمرہ میں صلاح و مشورہ شروع کر دیا۔ گورنر اور وفد کی گفتگو بالکل

خفیہ رکھی گئی۔

بعض خاص ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ حکومت نے غازی علم الدین کی نعش مسلمانان لاہور کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن گورنر نے چند ایک شرائط پیش کی ہیں۔ گورنر کی شرائط پر غور و خوض کرنے کے لیے رہنمایان اسلام کا ایک پرائیویٹ اجتماع ڈاکٹر سراقبال کے بنگلے یا محڈن ہال میں منعقد ہوگا جہاں اگر ضرورت ہوئی تو ان شرائط میں ترمیم یا تہتیک کی جائے گی۔ وفد کے ارکان شرائط کا بالکل تذکرہ نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ یہ بھی نہیں بتاتے کہ گورنر نے وفد سے کیا کیا کچھ کہا۔ بہ ہر حال مسلمانوں میں مختلف قسم کی افواہیں پھیل رہی ہیں۔ ایک طبقہ تو کہتا ہے کہ علم دین کی نعش وارثوں کے حوالے کر دی جائے گی جو بادامی باغ اسٹیشن سے سرکلر روڈ پر ہوتے ہوئے چوہر جی گراؤنڈ میں نماز جنازہ پڑھ کر پیر بودیاں والے کے مقبرے کے پاس دفن کر دی جائے گی۔

غازی علم دین کی نعش لاہور سنٹرل جیل میں

عوام کے ایک طبقے کا خیال ہے کہ یہ بات مصدقہ طور پر معلوم ہو چکی ہے کہ نعش لاہور سنٹرل جیل سے مسلمانوں کے حوالے کی جائے گی چنانچہ نعش یا تو آج سنٹرل جیل میں لائی جا چکی ہے یا کل پہنچ جائے گی۔ جنازہ اس صورت میں بھی یونیورسٹی گراؤنڈ میں پڑھا جائے گا۔

کل چھ بجے فیصلہ ہوگا

مسلم رہنما کل آپس میں مشورہ کر کے چھ بجے شام پھر گورنر سے ملاقات کریں گے اور امید ہے کہ کل یا پرسوں صبح جملہ معاملات طے ہو جائیں گے۔

فساد کے متعلق مسلم رہنما ڈاکٹر سر محمد اقبال، سر محمد شفیع، ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین، میاں عبدالعزیز، مولوی غلام محی الدین قصوری و دیگر معزز مسلمان رہنما حکومت کو ضمانت دیں گے کہ مسلم ہجوم کو بے قابو نہیں ہونے دیا جائے گا۔



انقلاب ۸ نومبر ۱۹۲۹ء

## مولانا مفتی کفایت اللہ کا احتجاج

حکومت پنجاب کے فعل پر شدید نفرت کا اظہار

دہلی۔ ۵ نومبر: کل ۴ نومبر کو مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیتہ علمائے ہند نے حسب ذیل اعلان بہ ذریعہ پریس ٹیلی گرام بھیجا تھا، آج ڈاک خانہ کی اطلاع سے معلوم ہوا کہ حکومت نے تار کو روک لیا تھا:

”میاں علم الدین جن کو قتل راج پال کیس میں ۳۱ اکتوبر کو میانوالی میں پھانسی دی گئی اور ان کی نعش کو بغیر غسل و کفن اور بغیر ادائے نماز جنازہ دفن کر دیا گیا اور مرحوم کے والد کی درخواستوں اور عمائد و معززین کے پیہم مطالبوں کے باوجود گورنمنٹ نے شہید کی لاش وارثوں کو نہ دی۔ یہ تمام حرکات اس جابر غیر ملکی حکومت کے استبداد اور غیر منصفانہ جبر و تشدد اور مسلمانوں کے اموات کی توہین پر مشتمل ہیں اور میں ان حرکات پر شدید ترین اظہار نفرت و ملامت کرتا ہوں۔ اور مسلمان اس پر جس قدر رنج و غصہ کا اظہار کریں گے۔ اس میں حق بہ جانب ہوں گے۔“

محمد شفیع



انقلاب ۸ نومبر ۱۹۲۹ء

## عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت دیکھو

علم الدین کے معاملے میں سب کے سب مسلمان بلا لحاظ عقیدہ و خیال متحد ہوئے۔ سرکار۔ اور تعاون پسند حضرت گورنر صاحب کی خدمت میں وفد لے گئے۔ اخبار نویسوں نے پے در پے مضامین لکھے اور مجاہدین مخلصین نے جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر خاموش مقابلے کی ٹھان لی۔ اس تحریک میں سب سے زیادہ نمایاں اور مبارک خصوصیت یہ ہے کہ گوان سب جماعتوں کا طریق کار مختلف ہے لیکن مقصد بالکل ایک ہے۔ ہر جماعت اپنے طریقے پر کام کر رہی ہے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتی۔ کاش مسلمانان ہند ہر تحریک میں یہی طرز عمل اختیار کیا کریں مثلاً کیا اچھا ہوا اگر ساردا کے قانون کے خلاف احتجاج کرنے میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے۔



## میاں علم الدین شہید کی نعش

گورنر صاحب نے مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم کر لیا

سر محمد شفیع، علامہ اقبال اور دیگر اکابر کی شان دار کامیابی

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ گورنر صاحب پنجاب نے سر محمد شفیع، علامہ اقبال اور دیگر اکابر مسلمین کے مطالبہ کی معقولیت اور مسلمانوں کی پُر زور ترجمانی سے متاثر ہو کر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ علم الدین شہید کی نعش مسلمانان لاہور کے حوالے کر دی جائے چنانچہ اس کے متعلق عن قریب ایک اعلان شائع ہونے والا ہے۔

شہید کی نعش لاہور لانے میں غالباً تین چار دن اور لگ جائیں گے کیوں کہ حکومت نے

اسے میانوالی سے لاہور پہنچانے کا انتظام اپنے ذمے لیا ہے۔ اس کے بعد یہ نعش اکابر مسلمین کے حوالے کر دی جائے گی تاکہ وہ حسب قرار نماز جنازہ ادا کرا کر اسے سپرد خاک کر دیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اب نہایت سکون سے شہید کی نعش کے آنے کا انتظار کریں۔

بعض ہندو اخبارات مسلمانوں کی اس تحریک کے خلاف ناگوار مضامین لکھ رہے ہیں لیکن اکابر قوم کا حکم ہے کہ اسلامی جرائد ان مضامین کو نذر تغافل کریں اور ان کا کوئی جواب نہ دیں تاکہ فضا مکر نہ ہونے پائے اور شہید کی نعش کامل سکون اور پورے احترام کے ساتھ اول منزل پر پہنچا دی جائے۔

مسلمانانِ لاہور نے اپنے اس مطالبہ میں جس کا مل اتحاد کا ثبوت دیا ہے اور گورنر صاحب پنجاب نے اس مطالبہ کو تسلیم کر کے جس مدبرانہ دُور اندیشی کا اظہار کیا ہے۔ اس کا جا بجا چرچا ہو رہا ہے۔ اس کامیابی کا سہرا اکابر لاہور، مولانا ظفر علی خان، کارکنان علم الدین کمیٹی اور سرفروش مجاہدین کے سر ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ ان تمام حضرات کے تعاون سے شہید کی نعش کی تدفین بوجہ احسن انجام پا جائے گی اور کوئی ناگوار واقعہ رونما نہ ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ



### میاں علم الدین شہید کی نعش - دو فروگزاشتوں کی تصحیح

جناب مدیر انقلاب -

السلام علیکم! آپ کے اخبار میں دو فروگزاشتیں نظر آئیں جن کی تصحیح ضروری

ہے:

اول: انقلاب مورخہ ۴ نومبر میں لکھا گیا ہے کہ ۴ نومبر کو شیخ حسن الدین صاحب، ملک محمد حسین صاحب اور سردار حبیب اللہ صاحب نے گورنر صاحب سے ملاقات کی۔ حالاں کہ سردار افضال علی شاہ صاحب بھی گورنمنٹ ہاؤس میں اس مختصر سے وفد میں شامل ہو گئے تھے۔

دوم: انقلاب مورخہ ۷ نومبر کے صفحہ ۴ پر ان اکابر قوم کی فہرست درج ہے جو ۵ نومبر کو زیر سرکردگی سر محمد شفیع گورنر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس میں

چودھری دین محمد صاحب کا نام بھی شامل ہے حالاں کہ وہ شیخ دین محمد صاحب ایم ایل  
سی تھے۔ نامہ نگار نے انہیں غلطی سے ”چودھری“ لکھ دیا۔

جلال الدین - مینیجر نظامیہ ہوٹل

بیرون لوہاری دروازہ، لاہور



## علم الدین شہید کی نعش مسلمانوں کو مل جائے گی

عن قریب سرکاری اعلان کی اشاعت کی توقع

لاہور۔ ۷ نومبر: علم الدین کی نعش کے متعلق تمام معاملات طے ہو چکے ہیں۔ حکومت  
نعش مسلمانوں کے حوالے کرنے کو تیار ہے بعض معمولی شرائط کے متعلق فیصلہ ہونا ضروری تھا جو  
آج شام کے چھ بجے ہو گیا۔

ہذا یکسیلنسی نے وعدہ کیا ہے کہ علم الدین کی نعش کے متعلق کل یا پرسوں واپس دیے جانے  
کا حکم حکومت کے خاص کمیونک (اعلان) کے ذریعہ شائع کر دیا جائے گا۔ نعش یا تو چوہر جی  
گراؤنڈ میں مسلمانوں کے حوالے کی جائے گی یا پاس ہی کسی اور جگہ جس کا اعلان نعش ملنے سے  
بیس گھنٹے پیشتر کر دیا جائے گا۔ مسلمان نماز جنازہ ادا کر کے امن و امان سے اسے سپرد خاک کر  
دیں۔ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جوش میں مسلمان نعش شہر کی جانب نہ لے جائیں۔ دفن  
کرنے کے بعد مسلمانوں کا ہجوم منتشر ہو جائے اور جلوس کی صورت میں شہر کو واپس نہ آئے۔ اس  
پر ارکان وفد نے کہا کہ ہم نعش کے ساتھ ہوں گے اور کسی کو کسی قسم کی غیر ذمہ دارانہ حرکت نہ  
کرنے دیں گے۔ مسلمان خود امن پسند ہیں وہ ہرگز ہرگز کوئی ایسی کارروائی نہیں کریں گے جس  
سے امن عامہ میں نقص واقعہ ہونے کا احتمال ہو۔ حکومت کل یا پرسوں گورنمنٹ گزٹ میں نعش کی  
واپسی کا اعلان کر دے گی۔ (لاہور نیوز ایجنسی)



انقلاب ۸ نومبر ۱۹۲۹ء

انجمن شباب المسلمین کا اہم سالانہ اجلاس  
 شہید علم الدین کے متعلق زبردست احتجاج  
 بٹالہ۔ ۷ نومبر: انجمن شباب المسلمین بٹالہ کے سالانہ جلسے میں باتفاق قرارداد ذیل منظور  
 ہوئی:

”یہ مجلس میاں علم الدین (شہید) کے والد محترم میاں طالع مند کی خدمت  
 میں ان کے فرزند ارجمند کی قربانی و ایثار پر ہدیہ مبارک باد پیش کرتی ہے اور حکومت کی  
 حکمت عملی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہے کہ اس نے میاں علم الدین  
 (شہید) کی وصیت کے باوجود ان کی میت کو لاہور میں دفن کرنے کی اجازت نہیں  
 دی۔“

محرم: میاں کرم الدین  
 موید: حاجی عبدالرحمن، میر عبدالسلام ہمدانی، مولوی نور محمد



انقلاب ۹ نومبر ۱۹۲۹ء

میاں علم الدین کی میت کو لاہور میں دفن کرنے کی اجازت  
 سرکاری اعلان شائع ہو گیا  
 لاہور۔ ۸ نومبر: مسٹریج ڈبلیو امرسن چیف سیکرٹری حکومت پنجاب مندرجہ ذیل سرکاری  
 اعلان شائع کرتے ہیں:

میاں علم الدین کی میت کو لاہور میں دفن کرنے کے لیے مسلمانوں کا جو وفد  
 حکومت پنجاب کی خدمت میں پیش ہوا، اس کے متعلق حکومت نے جو فیصلہ کیا ہے وہ  
 عوام کی اطلاع کے لیے شائع کیا جاتا ہے۔ ابتدا ہی سے حکومت پنجاب کی یہ خواہش  
 رہی ہے کہ فرقہ وارانہ میں خلل پڑنے کے لیے ذرائع سے اجتناب کرے اور محض

اسی مقصد کے حصول کے لیے ۳۱ اکتوبر کو میانوالی میں دفن کرنے کے انتظامات کئے گئے تھے۔ گزشتہ چند روز کے دوران میں مسلمان رہنماؤں کے مشورے سے اس مسئلہ پر مزید غور کیا گیا تاکہ یہ معلوم کیا جائے کہ آیا ایسے انتظامات کرنا ممکن ہیں جن سے مسلمانوں کی آرزوئیں پوری ہو جائیں اور ساتھ ہی امن عامہ میں کسی قسم کا شدید خطرہ پیدا نہ ہو۔

### مسلمانوں کا وفد

۵ نومبر کو لاہور کے سرکردہ مسلمانوں کا ایک وفد زیر قیادت سر محمد شفیع گورنر کے پاس حاضر ہوا۔ علامہ سراقبال ایم۔ ایل۔ سی بلدیہ لاہور کے مسلم ارکان پراونشل مسلم لیگ کے نمائندے اور مقامی جماعتوں کے عہدے دار اس وفد میں شامل تھے۔ وفد مذکور نے ہزاریکسلنسی سے کہا کہ ہماری قوم کی جائز اور مخلصانہ آرزو ہے کہ میاں علم الدین کی میت کو ان کی وصیت کے مطابق لاہور میں دفن کیا جائے اور کہ ہم اس بات کا یقین دلانے کے لیے تیار ہیں اور اپنی قوم کی طرف سے پوری ذمہ داری اٹھاتے ہیں کہ اگر ہماری درخواست منظور کر لی گئی تو کسی قسم کا نقص امن نہیں ہوگا۔ نیز ہم مسلمانانِ لاہور کی طرف سے ایسی شرائط منظور کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ان شرائط کی تعمیل دیانت داری سے کی جائے گی۔ اہل وفد نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ظاہر کیا کہ اگر ہماری درخواست کو منظور کرنا غیر ممکن خیال کیا گیا تو جذبات کی شدت کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ ایسی حالت رونما ہو جائے گی جس سے امن عامہ کو شدید خطرہ ہے انہوں نے درخواست کی کہ کوئی تسلی بخش حل حاصل کرنے کے لیے حکومت اس مسئلہ پر مزید غور کرے۔

### گورنر کا جواب

ہزاریکسلنسی نے اہل وفد سے کہا کہ اگر مسلم قوم کی طرف سے اس بات کا یقین دلایا جائے اور حکومت مطمئن ہو جائے کہ خطرہ کا اندیشہ نہیں رہے گا اور قوم کے رہنما غیر مشروط طور پر ایسی شرائط کو جو حکومت تجویز کرے۔ منظور کیا اور ان کی کامل تعمیل کی ذمہ داری اٹھائیں تو اس مسئلہ پر دوبارہ غور کیا جاسکتا ہے۔ اس مفاہمت پر ہزاریکسلنسی مزید غور کرنے پر رضامند ہو گئے اور مسلم قوم کے نمائندوں کے ساتھ بحث و مباحثہ اور مزید غور کرنے کے بعد حکومت پنجاب نے مصرحہ ذیل فیصلہ کیا ہے:



### حکومت پنجاب کا فیصلہ

ماہ نومبر کے دوران میں اور اس قدر جلدی جس قدر ضروری انتظامات مکمل ہو سکیں۔ حکومت پنجاب (میاں) علم الدین کی میت کو لاہور میں دفن کرنے کے لیے دینے کو تیار ہے۔ بہ شرط یہ کہ من درجہ ذیل شرائط کی تعمیل کی جائے جو مسلم رہنماؤں نے مسلمانانِ لاہور کی طرف سے منظور کر لی ہیں۔

### شرائط

حکومت پنجاب میانی قبرستان کے پاس میت کو ایسے وقت حوالہ کر دے گی جو حکومت کی طرف سے مقرر کیا جائے۔ شہر لاہور یا کسی دوسرے مقام سے اس مقام تک کی جہاں میت حوالہ کی جائے گی۔ کوئی جلوس لے جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ سوائے اس جلوس کے جو مقام مذکور سے قبرستان تک جائے گا۔

لاہور میں تجہیز و تکفین کی رسوم ادا کرنے سے پیشتر یا اس کے بعد لاہور میاںوالی یا کسی دوسرے مقام پر نہ تو مظاہرے کیے جائیں گے اور نہ جلوس نکالے جائیں گے۔

مقام حوالگی سے جنازہ اسی راستے لے جانا ہوگا جو حکومت نے تجویز کیا ہے۔ مسلمان رہنماؤں نے اس بات کا یقین دلایا ہے کہ حکومت پنجاب کے فیصلے کی تاریخ سے اس معاملے کے متعلق عام جلسے اور مظاہرے بند کر دیے جائیں گے۔ نیز انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ مسلم اخبارات وغیرہ میں ہر قسم کے جوش و خروش یا پروپیگنڈے کو بند کر دیا جائے گا۔

انہوں نے عہد کیا ہے کہ ابتدائی انتظامات کرنے اور جنازے کے روز امن قائم کرنے میں وہ مقامی حکام کو امداد دیں گے۔

انہوں نے اس بات پر بالخصوص رضا مندی کا اظہار کیا ہے کہ عزاداروں کو اپنے اپنے گھروں کو منتشر کرنے میں ہر قسم کی امداد بہم پہنچائیں گے۔

### ایک کمیٹی کا قیام

اس سلسلہ میں قوم کے نمائندوں کی ایک مجلس قائم کی گئی جو کمشنر لاہور کے ساتھ براہ راست تعلق رکھے گی اور انہیں اور مقامی حکام کو ضروری انتظامات کی تکمیل وغیرہ میں مدد دے

گی۔

اس کمیٹی اور بلدیہ کے وارڈوں کے مسلمان ارکان کا اہم فرض یہ ہوگا کہ محلہ داروں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ جنازہ سے قبل اور بعد اپنے اپنے محلہ کے امن کے ذمہ دار ہوں گے۔ حکومت اپنی طرف سے ناگوار حادثات کے انہدام کے لیے تمام ممکن احتیاطیں عمل میں لائے گی۔

### حکومت کی توقعات

حکومت پنجاب کو اُمید ہے کہ مسلمانانِ لاہور من حیث القوم اور انفراداً اس عہد کا احترام کریں گے جو ان کے رہنماؤں نے ان کی طرف سے کیا ہے اور اسے یقین ہے کہ مسلمان اور دیگر اقوام کسی قسم کے مظاہرے یا پروپیگنڈے یا کسی ایسے فعل سے جس سے امن اور یک جہتی کی فضا مگر ہونے کا احتمال ہو۔ اجتناب رکھیں گے۔ حکومت کو اس بات کا بھروسہ ہے کہ رسوم جنازہ کی تکمیل سے حادثات کا وہ سلسلہ جو زمانہ ماضی میں فرقہ وارانگمانی اور اختلافات کا موجب رہا ہے۔ مستقل طور پر بند ہو جائے گا۔



انقلاب ۱۲ نومبر ۱۹۲۹ء

### شہید اسلام

میاں علم الدین صاحب کا عکسی دورنگا فوٹو سا ۱۰x۷/۲۔ انچ حاشیے پر خوش نمائیل مع تاریخ ولادت و شہادت کا غزعمہ یادگار زمانہ اور کمروں کی زیبائش کے لیے نایاب تحفہ ہے۔ قیمت فی درجن ۱۲ مع محصول ڈاک ۲۔ اخبارات کے ایجنٹ صاحبان:

فوراً قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیج کر منگوالیں ورنہ بعد میں افسوس کرنا پڑے گا۔  
ملنے کا پتہ: مینیجر رشید بک ایجنسی کوچہ آہنگراں لاہور



انقلاب ۱۵ نومبر ۱۹۲۹ء

## تاریخ شہادت میاں علم الدین مرحوم

عاشق جان باز احمد داد جان مردانہ وار  
خویشتن را سوخت بر شمع پروانہ وار

بر سردار آمد و سردار شد حلاج وار  
یافت تشریف و سلام و رحمت پروردگار

در جوانی جان شیریں باخت در عشق نبی  
زندہ جاوید شد آن خوش نصیب سرمدی

ہاتف غیبی بسال فوت آن فخر فحول  
گفت "باروح قدس پروانہ شمع رسول"

۱۳۲۸ھ

محمد افضل ہاشمی، لاہور



انقلاب ۱۵ نومبر ۱۹۲۹ء

## علم الدین شہید کے جنازہ کی تیاریاں

چو بر جی گراؤنڈ میں انتظامات کی درستی

لاہور۔ ۱۳ نومبر: آج منادی کے ذریعے شہر میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ شہید علم الدین کی نعش ۱۴ نومبر بروز پنج شنبہ صبح ساڑھے آٹھ بجے چاند ماری گراؤنڈ میں مسلمانوں کے حوالے کی جائے گی۔ اس گراؤنڈ میں نماز جنازہ کے لیے صفیں کھڑی کرنے کی لکیریں بنا دی گئی ہیں۔ امید ہے اس جگہ کل مسلمانوں کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوگا۔ یہ گراؤنڈ پونچھ ہاؤس کے سامنے واقع ہے۔ خلیفہ شجاع الدین، چودھری فتح شیر، میاں مبارک دین، شیخ جان محمد، مہر خدا بخش، مسٹر رچرڈز واٹروائس اکنیر اور چودھری اللہ دتتا نے وہاں جا کر پانی وغیرہ کا انتظام کیا۔



قاضی عبدالرشید اور غازی علم الدین شہید

ایک مشترک مرقع

اعوان بک ڈپونے حال ہی میں ایک سہ رنگی تصویر چھاپی ہے جس کے بالائی حصے میں مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور روضہ اطہر کا نقشہ ہے اور نیچے ایک طرف قاضی عبدالرشید مرحوم اور دوسری طرف غازی علم الدین مرحوم تشریف فرما ہیں۔ غازی علم الدین کی تصویر گرفتاری سے پہلے کی ہے۔ شہیدانِ راہِ حق کا یہ مشترک مرقع اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اپنے گھر میں رکھے۔ قیمت فقط دو آنے

ملنے کا پتہ: اعوان بک ڈپو: نولکھا نمبر ۶، لاہور



## علم الدین شہید کی نماز جنازہ پر خلائق و ملائکہ کا بے نظیر ہجوم

چار لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کا ٹھاٹھیں مارنا ہوا سمندر  
رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی سرفرازیاں  
مسلمانوں کا بے نظیر ضبط و نظام

آج مورخہ ۱۴ نومبر روز پنج شنبہ لاہور بل کہ مسلمانان پنجاب کی تاریخ میں ایک نہایت غیر معمولی دن تھا کیوں کہ آج مسلمانوں نے اپنے شہید کی نماز جنازہ جس نے اپنی جان کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس پر پروانہ وار فدا کر دیا تھا۔ اس شان و شوکت کے ساتھ ادا کی جس کا یہ مبارک موقع مستحق تھا۔ گوکل میت کے آنے کے متعلق منادی شام کے بعد ہوئی تھی تاہم صبح ہی سے لوگ چوہر جی کے چاند ماری کے وسیع میدان میں جمع ہونے لگے تھے۔ لاہور کی سڑکوں پر مسلمانوں کے اس اثر و حاکم کثیر کا نظارہ جو آج چوہر جی کے میدان کی طرف جا رہا تھا۔ کبھی عیدین کے موقع پر بھی نظر نہ آیا تھا۔ پیغمبر خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و ناموس کے محافظ اور سرور کائنات علیہ افضل التحیات کے نام لیوا اور اس ذات پاک کا کلمہ پڑھنے والے مسلمان کسی قسم کے جوش و خروش کے اظہار کے بغیر میدان میں جمع ہو رہے تھے۔ موٹریں، تانگے، لاریاں، پیدل غرض کہ آمد و رفت کی اس قدر بھینٹ تھی کہ لیک روڈ کا وسیع ترین راستہ بھی اس بھینٹ کا مشکل سے متحمل ہو رہا تھا۔

### پولیس اور فوج کے انتظامات

حکومت نے بھی اس موقع کے لیے پولیس اور فوج کے زبردست انتظامات راستوں، چوراہوں اور شہر کے اہم مقامات پر کر رکھے تھے۔ یہ انتظامات رات کے بارہ بجے سے شروع تھے۔ گورنر پلٹین سول لائن اور شہر کے اہم مقامات پر بٹھادی گئی تھیں۔ ڈاک خانہ اور تار گھر کے قریب مشین گنیں رکھی ہوئی تھیں اور مسلح گاڑیاں بھی متعدد مقامات پر دیکھی گئیں۔ حفظ امن کی

خاطر مزنگ، انارکلی، لوہاری دروازہ سے سید مٹھا تک سوتر منڈی، چوک منی، پاڑ منڈی، چوک رنگ محل، بزاز ہٹ، لنگے منڈی، ڈبی بازار، کشمیری بازار، پرانی کوتوالی اور بڑی کوتوالی میں پولیس کے دستوں کے علاوہ ہندو مسلمان معززین کی ڈیوٹیاں لگادی گئی تھیں تاکہ مفسدہ پرداز شرارت نہ کرنے پائیں۔

### علم الدین شہید کی اسپیشل ٹرین

لاہور کے دو مسلمان میونسپل کمشنر اور ایک مسلمان مجسٹریٹ شہید علم الدین کی میت لانے کے لیے میانوالی گئے ہوئے تھے۔ کل انہوں نے قبر سے نعش نکالی۔ جس کو کسی قسم کی ایذا نہ پہنچی تھی۔ نہ اس میں تعفن پیدا ہوا تھا نہ بُو پیدا ہوئی تھی۔ نعش کو نکال کر ایک صندوق میں بند کیا اور میانوالی کے اسٹیشن پر پہنچایا گیا۔ جہاں ایک اسپیشل ٹرین میت کو لاہور لانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ اسپیشل میں ایک ڈبہ فرسٹ کلاس کا ایک سیکنڈ کلاس کا اور دو ایک بوگیاں لگائی گئی تھیں۔ کل شام ساڑھے چار بجے اسپیشل میانوالی سے روانہ ہوئی۔ اور راستہ میں کسی اسٹیشن پر نہ ٹھہرتی ہوئی ایک بج کر چالیس منٹ پر لالہ موسا سے گزری۔ علی الصبح پانچ بج کر ۳۵ منٹ پر لاہور چھاؤنی کے اسٹیشن پر پہنچ گئی۔ اور اسٹیشن سے درے نہر کے پل پر جو سنٹرل جیل سے نزدیک ہے۔ کھڑی کر لی گئی۔ وہاں جیل کی دو لاریاں پہلے ہی سے کھڑی تھیں۔

### شہید کی میت مسلمانوں کے حوالے

اس مقام پر شہید کی نعش سنٹرل جیل کے حکام کے حوالے کی گئی جنہوں نے پونے سات بجے پونچھ ہاؤس کے سامنے وہ صندوق جس میں حرمت اسلام کا فدا کار بند تھا۔ مسلمان معززین کے حوالے کر دیا۔ اور رسید لے لی۔ معززین میں سر محمد شفیع، سر محمد اقبال اور چند ایک میونسپل کمشنر تھے۔ وہاں سے میت سات بجے کے قریب جنازہ گاہ یعنی چوہر جی کے میدان میں لائی گئی، وہاں بھی عام مسلمان اکابر موجود تھے۔

### کلمہ گویان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بے نظیر اجتماع

دس بجے تک چاند ماری کا وسیع میدان خلق خدا سے پُر ہو گیا۔ پانی کا خاطر خواہ انتظام کیا گیا تھا۔ ٹیوب ویل سے میونسپلٹی کے انجن پانی نکال رہے تھے، جو نالیوں کے ذریعے سے ماشکیوں میں تقسیم کیا جا رہا تھا۔ ماشکی مسلمانوں کو وضو کر رہے تھے۔ ساڑھے نو بجے جب کہ

مسلمانوں کے اس ہجوم کا قریب تر از صحت اندازہ دو لاکھ کیا جاتا تھا اور جس طرف نگاہ اٹھائی جاتی تھی۔ مسلمان ہی مسلمان نظر آتے تھے اور ابھی آمد کا تانتا بندھا ہوا تھا، لوگ جھاڑیوں اور سرکنڈوں میں بھی کھڑے تھے۔ پہلی نماز جنازہ ادا کی گئی جس کے امام مولوی بخاری صاحب تھے۔ نماز جنازہ ہو چکی تو مسلمانوں نے سمجھا کہ شاید اب جنازہ اٹھایا جائے گا۔ اس لیے وہ شہید کی میت اٹھانے کے لیے آگے بڑھے لیکن ہجوم کو پھر قابو میں کر لیا گیا اور اسے بتایا گیا کہ ابھی مسلمان جوق جوق نماز جنازہ کے لیے آرہے ہیں اور دوسری نماز پڑھی جائے گی۔ لہذا آپ لوگوں کو حصول ثواب کے دوسرے شائقین کے لیے جگہ خالی کر دینی چاہیے۔ اس پر مسلمان مختلف راستوں سے منتشر ہونے لگے اور ان کی جگہ دوسری جماعتیں آتی رہیں اور شائقین کی آمد کا تانتا لگا رہا۔

### خواتین

بہت سی مسلمان خواتین بھی جنازہ میں شامل ہوئیں اور بے شمار خواتین میانی صاحب کے قبرستان میں پیر بودیاں والے کے مزار کے پاس جمع ہو رہی تھیں، بہت سی راستہ میں بیٹھی تھیں۔ جو مسلمان خواتین جنازہ گاہ میں تھیں وہ بھی نماز میں شامل ہوئیں۔

### مسلمانوں کا حیرت انگیز ضبط و نظام

اتنا بڑا عظیم الشان اتنا زیادہ اور اتنا پُر شوکت اور متین و منظم ہجوم پنجاب کی آنکھوں نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ اس موقع پر مسلمانوں نے اسلام کی حقیقی عظمت کا شان دار مظاہرہ کر دکھایا جیسا کہ وعدہ کیا گیا تھا، مسلمانوں نے کسی قسم کا نعرہ نہیں لگایا، نہ کسی قسم کے جوش و خروش کا اظہار کیا، جنازہ گاہ میں جوں جوں اجتماع ہوتا جا رہا تھا، لوگ خود بہ خود قطاریں بنا بنا کر بیٹھتے جاتے تھے اور نماز جنازہ ادا کر کے کسی قسم کے جوش و خروش کے اظہار کے بغیر خود بہ خود منتشر ہو گئے۔ مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ مذہب مقدس اسلام نے ان میں کس قدر ضبط و نظام کی کس قدر محیر العقول خوبیاں پیدا کر دی ہیں اور مسلمان وعدے کے کس قدر پابند ہوتے ہیں۔

### تدفین شہید

نماز جنازہ کے بعد بارہ بجے تک مسلسل ہزار ہا مسلمان شہید کی زیارت کے لیے جمع ہوتے رہے۔ اندازہ ہے کہ کم سے کم چار لاکھ مسلمانوں نے شہید اسلام کی نماز جنازہ میں شریک

وشامل ہو کر ثواب حاصل کیا۔ بارہ بجے میت کو اٹھا کر مسلمان کلمہ پڑھتے ہوئے قبرستان میں لے گئے، جہاں شہید کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

### بیرون جات کے مسلمان

نماز جنازہ میں شامل ہونے کے لیے بیرون جات کے مسلمان تعداد کثیر شریک ہوئے۔ پندرہ بیس ہزار مسلمان امرت سر سے آئے ہوئے تھے اور انبالہ اور لدھیانہ، جالندھر اور ادھر راول پنڈی اور وزیر آباد تک مسلمان راتوں رات لاہور پہنچ گئے۔ لاہور کے مضافات کے دیہاتی باشندے بھی بہ تعداد کثیر نماز جنازہ کے لیے آئے۔

آسمان کی آنکھ نے اس سے پہلے بھی کئی بار دیکھا تھا اور اب پھر دیکھ لیا کہ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق انسان کو کس معراج کمال پر پہنچا دیتا ہے اور ایک ذرہ حقیر کو کس طرح معزز و سر بلند و سرفراز کرتا ہے۔ لاہور کا ایک غیر معروف لڑکا علم الدین محض عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس قدر عزت پا گیا کہ اس کی نماز جنازہ میں بڑے سے بڑے مسلمان سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے مسلمان شریک ہوئے اور خلق اللہ کا اس قدر ہجوم ہوا کہ باید و شاید۔

شہر کے تمام مسلم اکابر، تمام مسلم میونسپل کمشنر، تمام مسلم اخباروں کے ایڈیٹر شریک تھے۔



## میاں علم الدین شہید کی بہترین یادگار

### بیرون دروازہ شاہ عالمی کی مسجد

میاں فیروز الدین احمد (موچی دروازہ لاہور) کی طرف سے ایک تجویز موصول ہوئی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ شاہ عالمی دروازہ لاہور کے باہر جو شکستہ ”مسجد شہید“ کے نام سے موسوم ہے اور جو مسلمانوں نے ایک ہی رات میں تعمیر کر لی تھی۔ وہ آج کل انجمن اسلامیہ پنجاب کی تولیت میں ہے، جو اسے از سر نو مکمل کرنے کے لیے سرمایہ فراہم کر رہی ہے۔ اور غالباً ایک رقم فراہم بھی ہو چکی ہے۔ بعض حلقوں میں یہ تجویز کی جا رہی ہے کہ علم الدین شہید کے نام سے کوئی



یادگار قائم ہونی چاہیے۔ میاں فیروز الدین احمد صاحب کی یہ تجویز ہے کہ اس یادگار کے طور پر مسجد کا نام ”مسجد علم الدین شہید“ رکھ دیا جائے اور انجمن اسلامیہ پنجاب ایک ایک آنہ یا دو دو آنے کی بہت سی رسیدیں چھپوا کر اس مسجد کے لیے چندہ فراہم کرنا شروع کر دے۔ اس طرح بہت سا روپیہ باسانی جمع ہو جائے گا اور یہ مسجد سنگ مرمر سے تعمیر کی جاسکے گی۔

میاں فیروز الدین احمد صاحب اعلان کرتے ہیں کہ اگر انجمن اسلامیہ پنجاب اس کام کو شروع کر دے تو وہ اپنی طرف سے پچاس روپے کی رقم اس سرمائے میں عطا کریں گے اور اس کے علاوہ پانچ سو روپے کی ایک اور رقم خود برادران اسلام سے جمع کر کے دیں گے۔ ہمارے نزدیک تجویز نہایت مبارک ہے۔ مسلمان علم الدین شہید کی یادگار قائم کرنے کے لیے چندہ دینے میں ہرگز بخل نہ کریں گے اور یہ مسجد اپنی روایات، اپنے محل وقوع اور اپنی یادگاری نسبت کے اعتبار سے ہمیشہ شوکت اسلام کا مظہر رہے گی۔ انجمن اسلامیہ پنجاب کے کارپردازوں کو چاہیے کہ فوراً اس تجویز پر عمل کریں اور اس مبارک موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

(مدیران انقلاب)



انقلاب ۱۶ نومبر ۱۹۲۹ء

## علم الدین شہید کی تدفین کی تفصیلات

رضا کاروں کا حسن انتظام۔ اکابر کی مساعی جمیلہ

تقریریں

نماز جنازہ پڑھے جانے کے بعد لوگوں کا بے شمار ہجوم جنازہ کی طرف کندھے دینے کی خاطر والہانہ طریق پر ٹوٹ پڑا۔ مولانا ظفر علی خان اور سر شفیق اس بھیڑ میں آگے جنہیں بمشکل نکالا گیا۔ اس کے بعد حکیم احمد حسن اور مولانا ظفر علی خان نے مسلمانوں کو متحمل اور پُرامن رہنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ آپ کامیاب ہو گئے ہیں۔ آپ نہایت پُرامن طریق پر رہیں۔ آپ سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جس سے حکومت کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ مسلمان منظم نہیں رہ

سکتے۔

### جنازہ

ساڑھے دس بجے کے قریب جنازہ اٹھایا گیا۔ ہزار ہا لوگ کندھا دینے کے اشتیاق میں آگے بڑھے۔ بہت سے لوگ جو کندھا دینے سے محروم رہے، انہوں نے اپنی پگڑیاں تابوت کے بانسوں میں ڈال لیں جن کو سینکڑوں لوگوں نے تھام رکھا تھا۔ چند ایک بد باطن اشخاص نے نظام کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی مگر مولانا ظفر علی خان، حکیم احمد حسن اور دیگر رضا کاران علم الدین کمیٹی کی مساعی نے نظام کو درست کر دیا۔ مسلمان کلمہ شہادت اور درود شریف پڑھتے چلے آ رہے تھے۔ لوگ نہایت امن و سکون کے ساتھ میانی صاحب کی طرف جا رہے تھے۔ گاہے بہ گاہے ”اللہ اکبر، غازی علم الدین زندہ باد، اسلام زندہ باد، اور ہندوستان زندہ باد“ کے نعرے لگائے جاتے تھے۔

### لوگوں کا تانتا

اس وقت بھی لوگ دُور دُور سے بھاگے چلے آ رہے تھے جہاں تک نظر کام کر سکتی تھی۔ دُور تک آدمیوں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آ رہا تھا۔

### مستورات

راہ میں اور میانی صاحب میں مستورات ہزاروں کی تعداد میں جمع تھیں جو اونچے ٹیلوں اور چھتوں پر بیٹھی کلمہ پڑھ رہی تھیں۔

### میاں طالع مند والد شہید علم الدین

جنازہ لانے سے قبل میاں طالع مند والد علم الدین شہید میانی صاحب کے قبرستان میں آئے۔ لوگ ان کے گرد پروانہ وار گر رہے تھے۔ آپ کے گلے میں پھولوں کے ہار تھے۔

### جنازہ میانی صاحب میں

۱۲ بجے جنازہ میانی صاحب پہنچا۔ وہاں ہزار ہا لوگ پہلے سے ہی موجود تھے۔ راہ میں لوگ مٹھیاں بھر بھر پھول جنازہ پر پھینک رہے تھے۔ کئی گڈے پھولوں سے لدے ہوئے تھے جو مفت پھول تقسیم کر رہے تھے۔

### قبر میں پھول

قبر نہایت صاف ستھری بنائی گئی تھی۔ لوگ پھول لا کر قبر میں پھینک رہے تھے۔ یہاں تک کہ قبروں کا ایک زبردست فرش بچھا ہوا تھا۔ ۱۲ بجے کے بعد نعش قبر میں اتاری گئی۔ اس وقت تمام ہجوم کلمہ شہادت پڑھ رہا تھا۔ لوگوں نے لاتعداد ہار اور پھول قبر میں پھینکے۔ اس کے بعد فاتحہ پڑھی گئی۔

### رضا کاروں کا انتظام

علم الدین کمیٹی کے رضا کار اس تمام عرصہ میں نہایت جاں فشانی سے کام کرتے رہے۔ انہوں نے تمام گم شدہ چیزوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور اعلان کر دیا کہ اگر کسی کی چیز کھو گئی ہو تو کل علم الدین کمیٹی کے دفتر میں آکر لے سکتا ہے۔ ان کو بہت سی چیزیں دستیاب ہوئیں۔

### مولانا ظفر علی خان کے ارشادات

تمام رضا کار ایک جگہ اکٹھے ہوئے تو مولانا نے تمام نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے

فرمایا:

عزیزو! میں نے آپ کی کمیٹی میں بہ طور رضا کار بھرتی ہو کر حلف اٹھایا۔ آپ نے مجھے اپنا امیر بنایا اور میرے حکم کی تعمیل بہ احسن انجام دی۔ تمہاری قربانی، ایثار اور والہانہ جذبے نے تیر و توپ سے بڑھ کر کام کیا ہے۔ میں تمہیں اس کامیابی پر مبارک باد دیتا ہوں۔ آج حکومت کو معلوم ہو گیا ہے کہ مسلمان صبر سے وہ کام کر سکتے ہیں جو حکومت جبر سے نہیں کر سکتی۔ میں نے تم سے جو عہد کیا تھا وہ آج ختم ہو گیا۔ میں تم سے نیا عہد لینا چاہتا ہوں وہ ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ ہے۔ دیگر اقوام کہہ رہی تھیں کہ مسلمان مردہ قوم ہے۔ آج انہیں معلوم ہو گیا ہوگا کس طرح موت سے زندگی اور اندھیرے سے نور پیدا ہوتا ہے۔ اب تم اعلان کرو کہ ہم ہندوستان کو آزاد کرا کے ہندو بھائیوں کو بھی اس غلامی سے نجات دلائیں گے۔ مسلمان ناموس رسول اور اسلام پر پروانہ وار نثار ہونے کو تیار ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میرے مذہب میں کسی قسم کی مداخلت نہ ہو لیکن مذہب جب ہی آزاد ہو سکتا ہے کہ جب کہ ہم خود آزاد ہوں۔ ہمارا

مذہب ہمیں آزادی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ آزادی کی جدوجہد میں ہمسایہ اقوام سے چار قدم آگے رہیں۔

واپسی

قبر پر مٹی پڑ جانے پر بھی لوگ ہزار ہا کی تعداد میں آ کر پھول چڑھا رہے تھے اور دوسرے شہروں کے لوگ بھی بھاگے چلے آ رہے تھے۔ علم الدین کمیٹی کے رضا کار امیر بخش پہلوان کی معیت میں اپنے دفتر کو چلے گئے۔

اکابرین کی مساعی

سرفیض، ڈاکٹر سراقبال، مولانا ظفر علی خان، ملک لال دین قیصر، غلام مصطفیٰ حیرت، حکیم احمد حسن جنہوں نے ہجوم کو قابو میں رکھنے کی انتہائی کوشش کی۔ کی خدمات قابل استحسان ہیں۔

حکیم احمد حسن کا ایثار

معلوم ہوا ہے کہ حکیم صاحب کورات دیر سے نعش ملنے کی اطلاع ملی۔ آپ فوراً اسٹیشن پر پہنچے لیکن گاڑی نہ مل سکی۔ تمام رات آپ نے اسٹیشن پر جاگ کر گزاری اور پہلی ٹرین سے لاہور پہنچ گئے۔ دو تین ہزار کے قریب لوگ امرت سر سے آئے ہوئے تھے۔

شہر میں ہڑتال

شہر لاہور میں آج تمام مسلمان دکان داروں نے مکمل ہڑتال کی ہوئی تھی۔ ۱۲ بجے کے بعد کئی دکان داروں نے دکانیں کھول لیں۔ میوہ منڈی، سبزی منڈی، قصاب منڈی بالکل بند رہیں۔ تمام سکولوں کے طلباء اور مسلمان ملازمین دفاتر نے بھی تعطیل منائی اور جنازہ میں شرکت کی۔



## غازی علم الدین کی میت لاہور میں

غلامان رسول کے جوش عقیدت کا موج سمندر

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ بہ عشق

ثبت است بر جریدہ عالم و دام ما

۱۴ نومبر کی صبح کو غازی علم الدین کی میت لاہور میں مسلم اکابر کے حوالے کی گئی اور چوہدری کے میدان میں حضور خواجہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں نے اپنے آقا و مولیٰ (بآبائنا ہو و امہاتنا) کی عزت و حرمت کے شہید کی پر جلال بارگاہ میں آخری عقیدت و نیاز مندی کے پھول پیش کیے جن لوگوں نے یہ منظر دیکھا ہے، وہ جانتے ہیں کہ الفاظ کا کوئی ذخیرہ، ادب کا کوئی خزینہ، قوت بیان کی کوئی وسعت اور استعداد اظہار حق کی کوئی پہنائی اس منظر کا نقشہ اتارنے میں سازگار نہیں ہو سکتی جو ۱۴ نومبر کی صبح کو چوہدری کے میدان میں رونما ہوا۔ یہ کہنا کہ وہاں لاکھوں مسلمان جمع ہوئے، جن میں سے ہر شخص کا قلب، ہر شخص کی زبان، ہر شخص کی آنکھیں شہید حرمت سرور لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت سے لبریز تھیں۔ اس منظر کی روح افروزی کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ جنازے کی پہلی نماز میں دو لاکھ سے زائد مسلمان شریک ہوں گے، یہ تحقیقی بیان ہے اور اسے عام اجتماعات کی تعداد کے متعلق سخن طرازی کا کرشمہ نہیں سمجھنا چاہیے اور یہ اجتماع کس مقام پر ہوا؟ اس مقام پر جو لاہور شہر کے ایک طرف آبادی سے کم و بیش تین میل باہر ہے اور جہاں پہنچنے کے لیے شہر کے اکثر حصوں کے مسلمانوں کو چھ چھ سات سات میل کا فاصلہ طے کرنا پڑا، اور جن لوگوں کے پاس سواری کے تمام وسائل مہیا تھے، انہیں بھی بہ درجہ اقل ایک میل پیدل جانا پڑا، پہلی نماز کے اختتام پر کثیر التعداد لوگ واپس لوٹ آئے۔ وسیع و عریض سڑکیں آدمیوں سے اس طرح بھری پڑی تھیں کہ قدم اٹھانا دشوار تھا لیکن جس تعداد میں لوگ واپس آ رہے تھے اس سے زیادہ تعداد میں جا رہے تھے۔

### اجتماع کا نظارہ

چو برجی کے میدان کی طرف جتنے راستے جاتے ہیں وہ سب زندہ انسانوں کی دو بے پناہ موجوں کا رقص زار بنے ہوئے تھے۔ ایک موج شہر کی طرف آرہی تھی اور دوسری موج میدان کی طرف جارہی تھی۔ چو برجی کے حصے میں جتنے رہت تھے۔ چل رہے تھے، بلدیہ لاہور کے جتنے سقے تھے انتہائی جوش عقیدت کے ساتھ اپنے مشکیزے بھرے لیے کھڑے تھے۔ بلدیہ کے فائر بریگیڈ کا انجن پائپ کے ذریعہ سے میدان میں پانی بہم پہنچا رہا تھا۔ یہ عقیدت مندان شہید کے وضو کا سامان تھا۔ جنازے میں لاہور کا بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا آدمی شریک تھا، برقعہ پوش خواتین بھی اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کا آخری منظر دیکھنے کے لیے بہ تعداد کثیر میدان میں پہنچی ہوئی تھیں اور پہنچ رہی تھیں۔ ستر ستر (۷۰، ۷۰) اسی اسی (۸۰، ۸۰) سال کے بوڑھے جن کی کمریں کہولت سن کی وجہ سے جھک گئی تھیں اور جنہیں قدم اٹھانا دشوار تھا، بے تابانہ وہاں پہنچے ہوئے تھے اور شہید حق کے نظارے سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر رہے تھے۔ انسانوں کی صحیح تعداد کا اندازہ محال ہے لیکن بلاشبہ مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ اس منظر میں پانچ چھ لاکھ سے کم مسلمان شریک نہ ہوں گے۔ دنیا نے اسلامی علوم کی کتابوں میں ”شہادت“ اور ”شہید“ کے الفاظ بارہا پڑھے ہوں گے۔ اسے کہتے ہیں شہادت۔ اس کا نام ہے شہید۔ یہ ہے کائنات انسانیت کے لیے زندہ گواہی۔

### میت کی کیفیت

لبے بانسوں پر ایک چار پائی بندھی ہوئی تھی، اس چار پائی پر پھولوں کا بستر تھا، اس بستر پر ایک چوبی صندوق رکھا تھا جس میں اس شہید راہ حق کا خاموش جسم بند تھا، جسے آج سے پندرہ روز پیشتر ایک دنیاوی عدالت کے حکم کے ماتحت پھانسی دی گئی تھی، صندوق کے بالائی حصے پر ایک سادہ چادر پڑی ہوئی تھی جس کے حاشیوں پر یہ شعر لکھا ہوا تھا؛

شنیدم کہ در روز امید و بیم

بداں را بسہ نیکان بہ بخشد کریم

[میں نے سنا کہ قیامت کے روز اللہ کریم گنہگاروں کو نیک لوگوں کے طفیل بخش دے گا۔]

اس چادر پر دو ڈھائی بالشت اونچی پھولوں کی تھی۔ عقیدت مند ٹوکریوں میں، جھولیوں میں اور ٹوپوں میں پھول بھر بھر کر لارہے تھے اور شہید کی میت پر عقیدت مندانہ ڈال رہے تھے۔ عرق گلاب کی بوتلوں پر بوتلیں چھڑکی اور انڈیلی جا رہی تھیں۔ خدا معلوم کتنے من پھول اور کتنے من عرق شہید علم الدین کی نذر کیا گیا۔ خدا معلوم کتنی زبانیں اس روز ”بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم“ کو دہرا رہی تھیں۔ یہ ہے ”شہادت“۔ یہ ہے صداقت اور سچائی کی ”زندہ گواہی“۔

### شہادت اسے کہتے ہیں

چو بی صندوق کی، ہر اندیشہ اختلال سے محفوظ تنہائی میں ایک بہ ظاہر کاملاً خاموش جسم مگر حقیقتہً ہمہ تن گویا وجود گواہی دے رہا تھا۔ علی الاعلان گواہی دے رہا تھا۔ زمین کی وسعت میں بسنے والے ہر زندہ وجود اور سطح ارض سے لے کر ملاء اعلیٰ تک کی ہر سامع ہستی کو سنا رہا تھا کہ جب تک فرزند ان توحید میں قربان ہونے والے باقی ہیں۔ ان کے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت کو کوئی اندیشہ نہیں اور پانچ لاکھ کلمہ پڑھنے والی زبانیں اس قول حق کی سچائی پر گواہی دے رہی تھیں۔ یہ جو تم بار بار سنتے ہو ”شہادت“، ”شہادت“۔ تو یہ ہے شہادت، یہ ہے زندہ گواہی۔ وہ گواہی جسے دنیا کی کوئی طاقت جھٹلا نہیں سکتی۔ حتیٰ کہ وہ عدالت بھی جھٹلا نہیں سکتی جس کے حکم کے ماتحت شہید علم الدین نے ۳۱ اکتوبر کی صبح کو میانوالی کی غربت میں جام شہادت نوش کیا۔

### اندیشہ مرگ سے پاک زندگی

تم نے قرآن حکیم میں پڑھا ہوگا، مقررروں کی زبانوں سے سنا ہوگا، اخباروں اور رسالوں کے صفحوں پر دیکھا ہوگا کہ

و لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احياء و لكن لا

تسعون. (البقرة: ۱۵۴/۲)

[اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بل کہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔]

تو یہ ہے وہ زندگی، جو موت کی دسترس سے باہر ہے جس پر سارے فرزند ان توحید گواہی دے رہے ہیں۔

لاہور میں ۱۴ نومبر کی صبح کو چوہر جی کے میدان کے اندر پانچ لاکھ مسلمانوں نے جمع ہو کر

گواہی دی۔ حکومت کی عدالتیں اپنے اصول و قواعد کے مطابق انسانوں کے جرم و بے جرمی کے فیصلے کر سکتی ہیں۔ اپنے اصول و قواعد کے مطابق لوگوں کو پھانسیاں دے سکتی ہیں اور ان کے جی و زندہ جسموں کو لمحوں اور منٹوں میں عام مسلمات کے مطابق بے جان بنا سکتی ہیں مگر اس زندگی پر انہیں کیا دسترس حاصل ہے جس کا ایک منظر ۱۴ نومبر کی صبح کو چوہر جی کے میدان میں رونا ہوا۔ جس میں نہ محض لاہور و مضافات ہی کے لاکھوں مسلمانوں نے شرکت کی بل کہ انبالہ، امرتسر، لدھیانہ، جالندھر، قصور، گوجراں والہ، جہلم، گجرات اور میانوالی تک کے مسلمان سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مندانہ شریک ہوئے۔

### مقام شہادت کی بلندی

ہم نے ان لوگوں کے جنازوں کی کیفیتیں دیکھی اور سنی ہیں جن کی عمریں خدمت، علوم دین میں صرف ہوئیں۔ ہم نے ان لوگوں کے جنازوں کی کیفیتیں دیکھی اور سنی ہیں جن کی عمریں وعظ و تذکیر میں گزریں۔ ہم نے اکابر صوفیا و اتقیا کے جنازوں کی کیفیتیں دیکھی اور سنی ہیں۔ علم الدین شہید عالم دین نہ تھا، واعظ نہ تھا، کوئی مشہور یا غیر مشہور صوفی و متقی نہ تھا، کسی گروہ یا جماعت کا قائد نہ تھا، کسی ملک یا اس کے کسی حصے کا بادشاہ اور سلطان نہ تھا۔ ۱۴ نومبر کو چوہر جی کے میدان میں جمع ہونے والے لاکھوں مسلمانوں میں سے شاید چند افراد کا ذاتی شناسا ہوگا۔ مگر اس کی شہادت نے اور حرمت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی زندہ گواہی نے اسے وہ مقام بلند عطا کیا جو ہزاروں اتقیا ہزاروں سلاطین اور ہزاروں علماء کو بھی نصیب نہیں ہوا۔ جن کے آوازہ شہرت میں ایک دنیا رہی تھی۔ یہ ہے مقام شہادت، یہ ہے منصب بلند؛

من یقتل فی سبیل اللہ.....

..... ان ہذہ تذکرہ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلاً.

### ارمغان تشکر و سپاس

علم الدین شہید کی میت کو لاہور لانے کے لیے جن بھائیوں اور بزرگوں نے سعی و جدوجہد فرمائی، ان کا دلی شکریہ۔ حضرت علامہ اقبال، سر محمد شفیع، جملہ مسلم ارکان بلدیہ لاہور اور جملہ مسلم اکابر کا دلی شکریہ جو ساری تحریک میں عام مسلمانوں کی خواہشات کے مطابق پوری کوششیں فرماتے رہے اور جنہوں نے امن کی ضمانت دے کر شہید کی آخری وصیت پوری کی یعنی



اسے لاہور میں دفن کیا۔

ان نوجوان رضا کاروں کا دلی شکر یہ جنہوں نے اس تحریک کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں نہایت پُرامن اور ایثار پرور خد متیں انجام دیں۔ علی الخصوص برادر محترم ملک لال دین صاحب قیصر اور برادر محترم جناب بشیر احمد صاحب رفیقی کا شکر یہ جنہوں نے ۳۱ اکتوبر کی صبح سے لے کر ۱۲ نومبر تک اپنا سب کچھ اس تحریک کی کامیابی کے لیے وقف کیے رکھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور ان کی نیک مثالوں کو ہر مسلمان کے لیے شمع ہدایت بنائے۔

سب سے آخر میں دعا ہے کہ جس طرح خدا نے مسلمانوں کو علم الدین شہید کے معاملے میں یک جا کیا ہے اسی طرح انہیں زندگی کے ہر دائرے میں متحد و یک جا رکھے اور انہیں اپنی ملت کی مستقل زندگی کے لیے قابل فخر کارنامے انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین !!



انقلاب ۷ نومبر ۱۹۲۹ء

## اعلانِ جلسہ عام

بروز یک شنبہ مورخہ ۷ نومبر بعد نماز مغرب باغ بیرون دہلی دروازہ میں مسلمانان لاہور کا ایک عظیم الشان اجتماع منعقد ہوگا جس میں مسلمانوں کو علم الدین شہید کی نعش مل جانے اور مرحوم و مغفور کے حسب وصیت لاہور میں دفن ہو جانے پر مبارک باد دی جائے گی۔ نیز انہیں اس اتحاد اور ضبط و نظام اور وقار و تمکنت پر جو انہوں نے اس جنازہ کے تاریخی اجتماع پر دکھایا۔ مبارک باد دی جائے گی اور قومی زندگی میں اتحاد و تنظیم کی ضرورت پر تقریریں ہوں گی۔

سیکرٹری علم الدین کمیٹی



انقلاب ۱۷ نومبر ۱۹۲۹ء

## افکار و حوادث

میاں علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے کے مفصل حالات تمام اخباروں میں شائع ہوئے لیکن لاہور کے اینگلو انڈین اخبار ”سول اینڈ ملٹری گزٹ“ نے اس بارے میں جو خصوصیت حاصل کی ہے۔ وہ بے نظیر ہے۔ اول یہ کہ جنازے کے حالات کا زیادہ حصہ حکومت کی پیش بندی اور پولیس کی مستعدی کی قصیدہ خوانی میں صرف کیا گیا ہے۔

دوم: مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ بالکل درج نہیں کیا گیا یعنی سول کے نامہ نگار کی روداد پڑھ کر یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ جنازے میں کتنے آدمی شریک تھے۔

سوم: تیسری چیز نہایت دل چسپ ہے۔ صفحہ اول کو پڑھنے سے معلوم ہوا کہ علم الدین کے جنازے کی تصاویر آخری صفحے پر دی گئی ہیں۔ ہم نے آخری صفحے پر نگاہ ڈالی تو صرف دو تصویریں تھیں جس میں دس دس بارہ بارہ گورے بندوقیب لیے کھڑے ہوئے دکھائے گئے تھے اور بس۔

یعنی جناب ”سول“ کی کوتاہ بینی ملاحظہ ہو کہ انہیں اتنے بڑے عظیم الشان اجتماع اور مظاہرہ میں صرف چند گورے ہی قابل تصویر نظر آئے جن کا اس جنازے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بجز اس کے کہ حکومت کے گھبرائے ہوئے افسروں نے محض غلط فہمی کی بنا پر انہیں حفظ امن کے لیے طلب کر لیا تھا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کانگریس کے اجلاس کے دن ”سول“ یہ اعلان کر دے کہ کانگریس کی تصویریں اشاعت امروزہ میں درج کی گئی ہیں اور بہرہ تصاویر میں موچی دروازے کی پولیس گارڈ دکھادی جائے۔



انقلاب ۱۸ نومبر ۱۹۲۹ء

## شہید علم الدین کی نعش مل جانے پر جلسہ تہنیت

میانوالی کے اسیروں کی رہائی کا مطالبہ

لاہور۔ ۱۷ نومبر: آج رضا کاران علم الدین کمیٹی کا ایک جلوس دفتر سے مرتب ہو کر باغ بیرون دہلی دروازہ میں پہنچا جہاں جلسے کا انتظام کیا گیا تھا۔ ابھی جلسہ کی کارروائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ امیر بخش پہلوان نے ایک تقریر کی جس میں آپ نے بتایا کہ ورزش نہایت اچھی چیز ہے ہمیں طاقت و رہنما چاہیے، اس کے ساتھ ہی نیک بھی ہونا چاہیے تاکہ ہماری جوانی کسی نیک کام میں صرف آئے۔ آپ نے کہا جو بچے ہمارے سگریٹ پیتے اور سینما دیکھتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ گھی اور دودھ کھائیں تاکہ ہم طاقت ور ہوں اور اپنی جان کے علاوہ دوسروں کی جانیں بھی بچا سکیں۔ حکیم احمد حسن صاحب کی تحریک پر ملک لال دین قیصر صدر جلسہ قرار پائے۔ ملک صاحب کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے۔ تلاوت قرآن کریم اور نعت کے بعد جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔

شکریہ

سب سے پہلے حکیم صاحب نے مندرجہ ذیل قرارداد پیش کی جو اتفاق آرا سے منظور ہوئی:

”مسلمانانِ لاہور کا یہ عظیم الشان جلسہ ان تمام اشخاص، جماعتوں اور

اخبارات کا بہ صمیم قلب شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ

علیہ کی نعش کے حصول میں سعی فرمائی۔ یہ جلسہ فرزند ان توحید سے پُر زور استدعا کرتا

ہے کہ انہیں متحدہ و مشترکہ مقاصد کی سرانجام دہی کے لیے کامل خلوص سے مل جل کر

کام کرنا چاہیے۔“

آپ نے یہ ریزولوشن پیش کرتے ہوئے قرآن مجید کی آیات سے مسلمانوں کو متحد رہنے

کی تلقین کی، آپ کی تقریر بہت دل پذیر تھی۔

## اتحاد اور زندگی

حکیم احمد حسن نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آج سے چند یوم پیشتر جو جلسے ہوتے رہے ہیں۔ ان میں میں نے کہا تھا کہ حکومت ہمیں صرف اس لیے نعش نہیں دیتی کیوں کہ وہ سمجھتی ہے کہ مسلمانوں میں زندگی نہیں۔ میں نے کہا تھا کہ مسلمان اگر اپنی اجتماعی طاقت سے کام لیں گے تو یقیناً کامیاب ہوں گے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ آپ نے متحدہ کوشش کی تھی وہ کامیاب ہوئی اور ثابت کر دیا کہ مسلمان ابھی تک زندہ ہیں۔ آپ نے اپنی اور بشیر احمد صاحب رفیقی کی طرف سے پیغام دیتے ہوئے فرمایا کہ چند مخلص آدمیوں نے حلف لیا تھا کہ ایک برس یا سو برس لگ جائیں ہم شہید کی نعش لے کر رہیں گے۔ اس مختصر جماعت نے مسلمانانِ لاہور کو ایک بار اور زندہ کر دیا۔ ہم نے اشتہار شائع نہیں کیا۔ صرف چند ایک جلسے کیے، کسی سے چندہ نہیں لیا۔ بہت سادہ کام کیا تاہم مسلمانانِ لاہور نے نہایت فراخ دلی اور دریا دلی سے کام لیا۔ آپ نے لوگوں کو اس طریق پر کار بند ہونے کی تلقین کرتے ہوئے متحد رہنے کے لیے کہا۔ آپ نے مندرجہ ذیل قرارداد کی تلقین کرتے ہوئے متحد رہنے کے لیے کہا۔ آپ نے مندرجہ ذیل قرارداد پیش کرتے ہوئے حکومت کو چیلنج کیا کہ اگر حکومت نے ہمارے اس مطالبہ کو منظور نہ کیا تو ہم اس کے لیے سول نافرمانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ گورنمنٹ کو چاہیے کہ دانش مندی سے کام لے کر ان اسیرانِ بلا کو رہا کر دے۔

## اسیروں کی رہائی کا مطالبہ

”مسلمانانِ لاہور کا یہ عظیم الشان نمائندہ اجتماع حکومت سے پُر زور مطالبہ کرتا ہے کہ اب جب کہ حکومت نے مسلمانوں کے اس جائز مطالبہ کو کہ غازی علم الدین کی نعش مسلمانوں کے حوالے کر دی جائے۔ صحیح تسلیم کرتے ہوئے شہید کی نعش مسلمانوں کے حوالے کر دی، میانوالی کے اُن تمام گرفتارانِ بلا کو جنہیں شہید کی نعش کا مطالبہ کرنے والے مظاہرہ کے سلسلہ میں گرفتار کیا گیا ہے۔ فوراً رہا کر دیا جائے کیوں کہ مظاہرہ کرنے والوں کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ نعش مسلمانوں کو

مل جائے چوں کہ حکومت مسلمانوں کے اس مطالبہ کو تسلیم کر چکی ہے، اس لیے اب اس کا فرض ہے کہ وہ تمام گرفتارانِ بلا کو فوراً رہا کر کے اپنی دانش مندی کا ثبوت دے۔“

مولانا چودھری غلام رسول مہرنے قرارداد کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ:

”ہم اس صورت میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ ایک مقصد کے لیے متحد ہو کر کوشش کریں۔ حکومت کے لیے لازم ہے کہ ان اسیرانِ بلا کو جنہیں اس سلسلہ میں گرفتار کیا گیا۔ رہا کر دے۔ یہ مطالبہ بالکل جائز ہے کیوں کہ حکومت نے بھی اس کو جائز تسلیم کیا ہے۔“

مولانا قرشی نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

”یہ مبارک باد کا جلسہ ہے لیکن تمام ہندوستان میں غازی علم الدین شہید کا وجود ہی نہ صرف قابل مبارک باد ہے جس نے اپنے خواجہ دو جہاں کے ناموس کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔ غازی علم الدین شہید نے اس گندگی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ اب کوئی راج پال جیسا بد زبان پیدا نہیں ہو سکتا۔ لاہور کی زمین ناپاک ہو چکی تھی، علم الدین کے وجود نے اس ناپاک زمین کو پاک کر دیا۔ اس نے بتا دیا کہ کامیابی کا طریقہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے تحفظ کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ لی جائے۔“

اس کے بعد امام علی صاحب نازش نے فارسی میں ایک نظم پڑھی۔

رضا کاروں کا شکر یہ

آخر میں میاں غلام مصطفیٰ حیرت نے حسب ذیل تحریک پیش کی۔ جو اتفاق آرا سے منظور

ہوئی:

”یہ جلسہ رضا کارانِ علم الدین کمیٹی کو مبارک باد دیتا ہے کہ انہیں غازی علم الدین شہید کی نعش کے حاصل کرنے کی کامیابی ہوئی اور یہ کہ انہوں نے کامل حق پر

سکون اور قابل فخر حوصلہ سے کام لیا نیز یہ جلسہ ان تمام رضا کارانِ اسلام کا جنہوں نے بیرون جات مثلاً راول پنڈی، ڈیڑھ دون، بٹالہ وغیرہ سے اپنی خدمات علم الدین کمیٹی کو پیش کیں۔ تہ دل سے شکر یہ ادا کرتا ہے۔“  
اس کے بعد جلسہ برخواست ہوا۔



انقلاب ۱۹ نومبر ۱۹۲۹ء

## شہیدِ اعظم علم الدین کی تجہیز و تکفین

مسلمانانِ لاہور کی طرف سے حکومت کا شکر یہ

لاہور۔ ۱۸ نومبر: سر محمد شفیع اور چھ دیگر ممتاز مسلمانوں نے ایسوسی ایٹڈ پریس کو مصرح ذیل بیان دیا جاتا ہے:

”چوں کہ میاں علم الدین شہید کی میت حکام نے ہمارے حوالہ کر دی اور شہید موصوف کی وصیت کے مطابق پُر امن اور بغیر کسی ناگوار واقعہ کے میانی صاحب میں سپرد خاک کر دی گئی۔ ہم مسلم قوم کی طرف سے ہزار یکسلنسی سر جافرے ڈی مونٹ مورسی کا دلی شکر یہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے از راہ عنایت ہمارے وفد کی اس درخواست کو منظور کر لیا کہ میت کو لاہور میں دفن کرنے کے لیے ہمارے حوالہ کر دی جائے۔ حکومت پنجاب کی طرف سے دورانِ نشانہ تدبیر کا یہ فعل نہ صرف اہل وفد بل کہ تمام مسلم قوم کے لیے عمیق اطمینان کا موجب ہوا ہے۔

ہم اُمید کرتے ہیں کہ جنازہ کے موقع پر مسلمانوں کے عظیم الشان اجتماع نے جس بُرد باری کا ثبوت دیا ہے۔ وہ تمام جماعتوں اور فرقوں کے باشندگانِ لاہور اس کی تعریف کرتے ہیں۔

اس اعلان پر دستخط کرنے والے اکابر کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ سر محمد شفیع،
- ۲۔ سر محمد اقبال،
- ۳۔ خلیفہ شجاع الدین،
- ۴۔ میاں عبدالعزیز،
- ۵۔ میاں امیر الدین،
- ۶۔ سید محسن شاہ،
- ۷۔ ملک محمد حسین،
- ۸۔ مولوی غلام محی الدین



انقلاب ۲۱ نومبر ۱۹۲۹ء

## ہدیہ تشکر و سپاس

شہید علم الدین کی میت کے معاملے میں ہر چھوٹے بڑے مسلمان نے پوری سرگرمی اور تن دہی سے حصہ لیا اور اس لیے ہر مسلمان تشکر و سپاس خصوصی کا مستحق ہے لیکن بعض مسلمان اکابر اور بعض مسلمان نوجوان خاص طور پر شکر یہ کے مستحق ہیں جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

علامہ اقبال، سر شفیع، میاں عبدالعزیز بیرسٹرایٹ لاء، مولانا غلام محی الدین  
قصور ایڈووکیٹ، خلیفہ شجاع الدین، تمام اسلامی اخباروں کے ایڈیٹر، ملک لال  
دین صاحب قیصر، جناب بشیر احمد صاحب رفیقی، غلام مصطفیٰ صاحب حیرت، حکیم  
احمد حسن صاحب امرتسری، امیر بشیر صاحب پہلوان

ان اشخاص کے بالخاصہ ذکر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ باقی اصحاب نے سرگرمی اور جوش عمل

کام ثبوت دیا۔ حاشا وکلا ایک ایک بزرگ، ایک ایک مسلم میونسپل کمشنر، ایک ایک نوجوان رضا کار اور ایک ایک مسلمان یکساں طور پر شکر یہ کا مستحق ہے۔

نامہ نگار



انقلاب ۲۱ نومبر ۱۹۲۹ء (مراسلہ)

[ملک عبدالقیوم صاحب، بی اے بیرسٹریٹ لا، گوجراں والہ کا ایک مراسلہ بہ عنوان ”تین تاریخی جنازے“ شائع ہوا، جس میں حضرت امام ابوحنیفہ، مصطفیٰ کمال پاشا اور غازی علم الدین شہید کے جنازے کی کیفیت بیان کی گئی تھی۔ اس مضمون سے غازی علم الدین شہید کے متعلق تحریر کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔  
قادری:]

”میاں علم الدین کی وفات حسرت آیات کے اسباب سے اس وقت بحث نہیں، بل کہ مدعائے تحریر ان جذبات فوق العادہ کا اعادہ ہے جو لاہور کے اہل اسلام سے سرزد ہوئے اور جن کے اظہار سے وہ صورت پیدا ہوئی، جس کی مثال اسلامی تاریخ میں بہ صد کوشش و جستجو مل سکی۔ مخلصانہ بل کہ والہانہ جذبات کا وہ بحر متلاطم جو ۱۴ ماہ حال کو جنازہ گاہ علم الدین مرحوم میں از خود رفتہ انسانوں کے مکرر قلوب کی تزئین کا باعث ہوا، اور جس نے معنوی زندگی سے محروم انسانوں پر حرکت اور برکت کے دروازے کھول دیے۔ حیات افروز موت کے وجود کا ایک موثر ثبوت ہے نیز اس سے ثابت ہوا کہ جمعیت اسلامیہ کا تخیل ایک اُمید موہوم نہیں بل کہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ابتدائے اسلام کا موجب ہوئی جو ارتقائے مسلمین کا باعث تھی اور جو بقائے اسلام کی ضامن ہوگی۔

مزید لکھتے ہیں:

”لیکن کیا لاہور کے اجتماع مسلمین کا مقصد غیر مسلم ابنائے وطن کے خلاف جذبات غیظ و غضب کا اظہار تھا؟ ہرگز نہیں!

کیا جنازہ میاں علم الدین کا مدعا اشتعال انتقام تھا؟ یہ بھی نہیں!



جنازہ علم الدین اس امر کا اظہار تھا کہ جمعیت اسلامیہ کے قلوب کے اندر وہ حیثیات سر نہیں ہوئیں جن کا وجود زندگی کا ثبوت اور جن کا عدم افراد نہیں بل کہ قوموں کے جمود اور ان کی موت کی علامت ہے۔ لاہور کے مسلمانوں نے صوبہ پنجاب کے مسلمانوں نے بل کہ بیرون جات کے مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ امت مرحومہ کے نام لیوا، اس رہبر اعظم و کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اجتماعی زندگی کی پہلی اور آخری شرط یعنی اخوت اسلامیہ کے اصول اور اس کی بے لوث صورت عمل سے بے بہرہ نہیں۔ اور گو کہ ان کی قوت عمل چندے معرض جمود میں ہے مگر عشق محمدی کی شمع فروزاں سے سینے بے نور نہیں ہوئے۔

حُب اسلام زندگی کی بنیاد ہے اور اخوت اسلامیہ اس کا ایوان سربہ فلک ہے۔ آؤ اس پر عبرت سانحہ سے سب مل کر سبق حاصل کریں اور جمعیت اسلامیہ کے امکان کی علامت اور ثبوت سے جو جنازہ میاں علم الدین سے پیدا ہوا۔ اس دور کشمکش میں اپنے مستقبل کا سامان پیدا کریں۔ میاں علم الدین کا جنازہ ایک آیۃ من آیات اللہ تھا، جو مسلمانوں کو قرار اخوت اور قیام مودت کا کبھی نہ بھولنے والا سبق دے گیا۔ پس کوئی ہے جو اس سبق سے عبرت حاصل کرے!!!



انقلاب ۲۱ نومبر ۱۹۲۹ء

## مہاشہ کرشن اور شہید علم الدین

مہاشہ کرشن نے اپنے اخبار ”پرتاپ“ کی ۱۹ نومبر [۱۹۲۹ء] کی اشاعت میں حسب عادت مسلمانوں کے اس ہدیہ عقیدت کے خلاف زہرا گلا ہے جو انہوں نے ۱۴ نومبر کو اپنے ایک شہید کی پر جلال بارگاہ میں پیش کیا۔ مہاشہ جی نے مسلمانوں سے گلہ کیا ہے کہ وہ ”قاتلوں کو آسمان پر چڑھا کر“ ایک نئی رسم کی بنیاد ڈال رہے ہیں۔ گورنمنٹ سے خاص رنگ میں گلہ کیا ہے

کہ اسے اگر شہید علم الدین کی میت دینی ہی تھی تو پہلے کیوں نہ دے دی !!!  
ہندوؤں سے گلہ کیا ہے کہ وہ کچھ نہیں کرتے۔

ہم نہیں چاہتے کہ ان مباحث میں پڑیں لیکن مہاشہ کرشن کو بتانا چاہتے ہیں کہ جب راج پال کی اڑھی اٹھائی گئی تھی تو کیا اس وقت ہم نے ہندوؤں سے اور مہاشہ کرشن سے یہ باتیں نہیں کہی تھیں؟ کیا اس وقت ہندوؤں نے کوئی توجہ کی تھی؟ ہمیں بتایا جائے کہ راج پال کی حیثیت کیا تھی؟؟؟

کیا اس کے سارے کارنامہ ہائے زندگی کا خلاصہ یہی نہ تھا کہ اس نے مسلمانوں کے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک ناپاک کتاب چھاپی؟؟؟  
ہندو اخباروں کے قول کے مطابق جن پچیس ہزار ہندوؤں نے اس کی اڑھی میں شرکت کی تھی۔ کیا وہ حقیقتہً راج پال کے مذکورہ فعل کی تائید و تحسین نہیں کر رہے تھے؟؟؟  
مہاشہ کرشن لکھتے ہیں کہ راج پال کی یادگار بنانے کے لیے ابھی تک ہندوؤں نے صرف پانچ ہزار روپیہ جمع کیا ہے۔ خدا کے لیے بتاؤ کہ یہ یادگار کس بات کی ہے؟ اور راج پال کی وہ کون سی خصوصیت ہے جسے نمایاں کیا جانا ضروری سمجھا گیا ہے؟ پھر دوسروں سے شکوے کا کیا مطلب!!!

ہم رات دن دیکھ رہے ہیں کہ ان لوگوں کو اوپر اٹھایا جاتا ہے جنہوں نے بے گناہ انسانوں کو قتل کیا یا اس قتل میں حصہ لیا۔ لیکن اعتراض مسلمانوں پر ہے!!!  
مہاشہ کرشن چاہیں تو اس قسم کے صد ہا واقعات ہم انہیں سنا سکتے ہیں۔ گائے کے تحفظ کی خاطر اب تک کئی مسلمانوں کو شہید کیا جا چکا ہے لیکن ایک ہندو ایسا نہیں نکلا جس نے کبھی ان غریب مسلمانوں کے لیے ہمدردی کا کلمہ استعمال کیا ہو۔ بل کہ شورہ پشت اور ہمسائیگی و انسانیت کو ذبح کرنے والے ہندوؤں کی تائیدیں کی جاتی ہیں۔ آخر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟؟؟  
مسلمان از سر تا پا تطف، رحم، رواداری اور نیکی کے پیکر ہیں مگر ان کے دلوں میں نشتر چھوچھو کر رحم اور رواداری کی توقع رکھنا انتہا درجہ کی حماقت ہے۔

آؤ ہم آج بھی آپس میں مل بیٹھیں اور ایسی صورت حالات پیدا کر دیں کہ کوئی ہندو کوئی مسلمان کسی مذہب کے بزرگ پر کوئی حملہ نہ کرے۔ کسی کے مذہب اور مسلمہ شعار پر حملہ نہ کرے

تا کہ ناگوار واقعات کا منبع رُک جائے۔ آگ برسا کر پھولوں کی توقع رکھنا نادانی ہے۔



انقلاب ۲۱ نومبر ۱۹۲۹ء

## [ہندو اخبار کی اشتعال انگیزی]

کیا حکومت پنجاب علم الدین شہید کے جنازے پر چار لاکھ انسانوں کے اجتماع کو بالکل فراموش کر چکی ہے؟؟؟

کیا اسے معلوم نہیں کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ علم الدین کو ”شہیدِ حرمت رسول اللہ“ [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] سمجھتا اور ان کا دلی احترام کرتا ہے؟

اگر حکومت کو یہ سب کچھ معلوم ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ سوائے عالم دریدہ دہن آریہ سماجی اخبار ”پرناپ“ کو اس قسم کے ناپاک اشعار لکھنے کی اجازت دی جاتی ہے:

نہیں ہے مجھ کو قاتلِ علمِ دین سے واسطہ کچھ بھی

کہ اس کے فعل نے خود کو دیا دوزخ رسید اس کو

جس شخص کو لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان قطعاً مغفور اور جلتی خیال کرتے ہیں۔ اس کے

متعلق ایک غیر مسلم کا ”دوزخ رسید“ لکھنا انتہائی کمینگی کا ثبوت ہے۔ اور اگر اس قسم کے ناپاک

حملے جاری رہے۔ تو امن و امان میں خلل پڑنے کا شدید احتمال ہے۔ شہید کے جنازے پر تو حفظ

امن کی ضمانت سر شفیق اور علامہ اقبال نے دے دی تھی لیکن ایسے حملوں کی موجودگی میں کوئی شخص

ایسی ضمانت نہیں دے سکے گا۔



انقلاب ۲۱ نومبر ۱۹۲۹ء

## مسلمانو! متحد ہو جاؤ

سرفیض نے علم الدین شہید کی میت کو سپرد خاک کرنے کے بعد میانی صاحب کے قبرستان میں جو تقریر کی، اس میں درد بھرے دل سے فرمایا:

”اگر مسلمان متحد ہو کر کام کریں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ ہر مرحلہ پر کامیابی حاصل کریں۔ ہم اگر باہم جھگڑنا چاہیں تو ضروری ہے کہ گھر میں بیٹھ کر جھگڑ لیں، ایک دوسرے کی مخالفت کر لیں۔ لیکن جب باہر نکلیں تو سب بھائی بھائی نظر آئیں۔ جن جن باتوں میں مسلمانوں کو اختلاف ہو، ان پر علاحدگی میں بحث کر لیں اور جن جن باتوں پر متفق ہو جائیں ان کے لیے متحدہ حیثیت سے جدوجہد کریں۔ یہ کامیابی کا گر ہے۔ فائز المرامی کی تقلید ہے۔“

ہمیں اُمید ہے کہ ہر مسلمان سرفیض کے اس قول کی تہ دل سے تائید کرے گا۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی اس کے خلاف زبان کشا نہیں ہو سکتے جنہیں صاحب موصوف سے بعض معاملات میں اختلاف ہے۔ مسلمانوں ہی کی نہیں بل کہ دنیا کی ہر قوم، ہر گروہ اور ہر جماعت کی کامیابی اتحاد عمل پر موقوف ہے۔ دور افتراق سے بڑھ کر اور کوئی دشمن نہیں۔

مسلمانو! متحد ہو جاؤ۔ ایک ہو جاؤ۔

کامیابی قدم قدم پر تمہارے پاؤں چومے گی۔



انقلاب ۲۱ نومبر ۱۹۲۹ء

## شہید علم الدین کا بے نظیر مادہ تاریخ

ارجمند گوہر: مولوی عبدالمجید خان صاحب سالک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ کل کے سنڈے ایڈیشن میں شہید مرحوم کے جنازہ کی کیفیت اور حیات بعد الممات کی شائستہ و زیبا توجیہ دیکھ کر خیال آیا کہ میں نے جو مادہ تاریخ پہلے بھیجا۔ وہ سن عیسوی کا ہے۔ سن ہجری کا مادہ بھی بھیجوں، دل نے کہا کہ:

رحمت اللہ و برکاتہ

۱۳۲۸ھ

پورا مادہ ہے۔ خط نسخ میں بھی اسی طرح لکھا جائے۔

دعا گو: فرجاد از میرٹھ



انقلاب ۲۳ نومبر ۱۹۲۹ء

## شاہ عالمی دروازہ کی مسجد شہید

علم الدین کے نام پر موسوم کرنے کی تحریک

لاہور۔ ۲۰ نومبر: کل انجمن معین الاسلام، لاہور کی مجلس انتظامیہ کا ایک جلسہ زیر صدارت

ڈاکٹر سراج الدین صاحب منعقد ہوا۔ اس میں اتفاق آراء سے یہ قرارداد منظور کی گئی کہ:

”یہ جلسہ میاں فیروز الدین احمد کی اس تجویز کی حرف بہ حرف تائید کرتا ہے کہ

بیرون شاہ عالمی دروازہ کی مسجد شہید کو سفید سنگ مرمر کا بنا کر اس کا نام ”مسجد علم

الدين شهيد“ رکھ ديا جائے۔ نیز ارکان انجمن اسلاميه کو دعوت ديتا ہے کہ وہ اس کارِ خیر کے لیے میدان میں آئیں اور ارکان انجمن معين الاسلام ہر طرح کی امداد کرنے کے لیے تیار ہیں۔“



انقلاب ۲۳ نومبر ۱۹۲۹ء

## میاں علم الدین غازی بازار

لاہور، ۲۲ نومبر: (اخبار) ”ملاپ“ رقم طراز ہے کہ سریانوالہ بازار لاہور کے سرے پر مسلمانوں نے ایک بورڈ لٹکایا ہے جس پر یہ الفاظ لکھے ہیں:  
”میاں علم الدین غازی بازار“



انقلاب ۲۳ نومبر ۱۹۲۹ء

## حسابات غازی علم الدین کمیٹی

مکرم ایڈیٹر صاحب انقلاب۔ السلام علیکم!  
اب جب کہ غازی علم الدین کمیٹی کام ختم ہو جانے کے باعث توڑ دی گئی ہے۔ میں کمیٹی کے حسابات آمد و خرچ ارسال کرتا ہوں، اپنے موقر اخبار میں شائع فرمادیجئے؛  
مبلغ ۳-۱۴-۲۲ روپے بقایا اور دو عدد سیٹیاں بہ امانت میرے پاس موجود ہیں۔ میں برادر م عبد الرشید صاحب (صدر کمیٹی) اور مولانا ظفر علی خان صاحب (امیر جماعت) سے ملتس ہوں کہ وہ مطلع فرمائیں کہ یہ روپے کہاں منتقل کروں۔ ان کے احکام کا منتظر ہوں۔  
میں تمام رضا کاران کمیٹی کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے شہید علیہ الرحمۃ کی

وصیت کو سنا اور اسے پورا کرنے کے لیے سربہ کف میدان میں نکل آئے۔ یقیناً ان کے حوصلوں نے دشمنوں کے عزائم کو پست کر دیا۔ خداوند کریم ان سب کو اجر عظیم عطا فرمائے اور سب مسلمانوں میں ایثار کا ولولہ پیدا کرے۔

ناشکر گزاری ہوگی اگر میں تاجر ان کشمیری بازار اور اہل محلہ چابک سواراں کا شکر یہ ادا نہ کروں کہ انہوں نے رضا کاروں کے لیے لنگر جاری کر کے ہماری امداد فرمائی۔ والسلام

خادم ازلی بشیر احمد رفیقی، معتمد کمیٹی مذکور

آمد

۱۰-۰-۰	ایک مسلم
۵-۰-۰	حضرت پروفیسر
۲۵-۰-۰	مولانا ظفر علی خان
۲-۳-۰	رضا کاران
۵-۰-۰	ایک مسلم
۱۰-۰-۰	ایک مخلص مسلم
۱-۰-۰	ایک مسلم
۵۸-۳-۰	میزان:

خرچ

۰-۱۴-۰	۵ گتے سائن بورڈ اور موٹوز کے لیے
۰-۹-۲	کاغذ، پنسل، چاک، رنگ
۰-۱-۲	بانس
۱۰-۴-۰	ٹانگے کا خرچ برائے منادی (کل)
۰-۰-۹	ٹریکٹ
۲-۱۵-۰	پھول
۰-۱۲-۰	کرایہ گیس

۵-۰-۰	گیس والے کو علی الحساب
۱۰-۰-۰	گیس کے لیے غلام مصطفیٰ حیرت کو دیے
۰-۳-۰	تیل مٹی
۰-۱۰-۰	دو سیٹیاں مع چین
۱-۸-۰	دوا برائے حلق
۰-۸-۰	دوا برائے حلق
۰-۱۲-۰	متفرق معرفت محمد امین صاحب رضا کار
۱-۱-۰	دوائی اور ٹانگہ جو بے ہوش ہو گئے تھے
۳۵-۲-۹	میزان
۲۲-۱۲-۳	بقایا جو میرے پاس ہے
۵۸-۳-۰	

بشیر احمد رفیقی



انقلاب ۱۰ دسمبر ۱۹۲۹ء

## مسجد شہید لاہور کے لیے چندہ

بنگلور۔ ۷ دسمبر: مسجد اعظم بنگلور میں (پیر) سید جماعت علی شاہ (محدث علی پوری) کی زیر صدارت مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا، جس میں غازی علم الدین شہید کے لیے دعائے مغفرت کی گئی اور مسجد شہید لاہور کے لیے چھ سو روپیہ چندہ جمع کیا گیا۔

محمد شریف





## اخبار الفقہ، امرت سر

[راقم کو غازی علم الدین شہید کے متعلق اول اخبار الفقہ (امرت سر) ہی دستیاب ہوا تھا، اور اسی کے مندرجات پر مشتمل ایک کتابچہ مرتب کرنے کا خیال آیا لیکن دستیاب مواد کو نا کافی خیال کرتے ہوئے مزید اخباری ریکارڈ کی تلاش میں لگ گیا اور یوں پیش نظر کتاب ترتیب پائی۔ سابقہ صفحات میں غازی علم الدین شہید کے مقدمہ اور شہادت کا مفصل حال اگرچہ روزنامہ انقلاب، لاہور کی فائلوں سے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ لیکن اخبار الفقہ کے مندرجات بھی خاصی اہمیت کے حامل ہیں اس لیے یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ قادری]



الفقیہ ۲۸ جولائی ۱۹۲۷ء

## جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کا جلسہ احتجاج

شہر کہنہ بریلی میں کتاب ”رنگیلا رسول“ کے خلاف مسلمانوں کا اجتماع ۲۴ جون ۱۹۲۷ء کو بہ صدارت عالی جناب خان بہادر منشی محمد اصغر علی خان صاحب رئیس اعظم بریلی و سابق چیرمین پرانے شہر میں جلسہ ہوا۔ جناب حکیم مولوی محمد اسمعیل صاحب مہتمم تبلیغ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی تقریر ہوئی۔

حسب ذیل تحریکات اس میں ہوئیں:

۱۔ مصنف کتاب ”رنگیلا رسول“ نے مورخانہ حیثیت سے یہ کتاب نہیں لکھی تھی بل کہ ۱۹۲۳ء سے جو باقاعدہ اور منظم طور پر آریہ سماج کی طرف سے مسلمانان ہندوستان کے خلاف شورش برپا ہو رہی ہے۔ اس مخالفت میں یہ اور اس کے مثل دوسری کتابوں لکھی گئی ہیں۔ اس کتاب کے ذریعہ سات کروڑ مسلمانان ہند رعایا

گورنمنٹ کا دل دکھایا گیا ہے۔ ایسی حالت میں مسلمانانِ شہر بریلی گورنمنٹ سے پُر زور الفاظ میں یہ احتجاج کرتے ہیں کہ اس معاملہ میں گورنمنٹ نظر ثانی فرمائے۔

۲۔ مسلمانانِ بریلی کو کارکنان (اخبار) مسلم آؤٹ لک (Muslim Outlook) سے پوری ہمدردی ہے اور ان کو کتاب ”رنگیلا رسول“ کے ضمن میں جو تکلیف پہنچی ہے اس پر جلسہ و سہاکنان شہر رنج و افسوس ظاہر کرتا ہے۔



الفتیہ ۲۸ جولائی ۱۹۲۷ء

## انجمن خدام الصوفیہ راول پنڈی کا جلسہ

بغالی خدمت جناب قبلہ حکیم معراج الدین احمد صاحب ایڈیٹر الفتیہ !!!  
السلام علیکم - ۲۶ ماہ جون کو شاخ انجمن خدام الصوفیہ نقش بند یہ جماعتیہ راول پنڈی صدر کا ایک عام جلسہ زیر صدارت مستری محمد شفیق صاحب جلسہ منعقد ہوا اور حسب ذیل ریزولوشن پیش کیے گئے:

۱۔ یہ انجمن کنوردلیپ سنگھ کے فیصلے کو جو انہوں نے مقدمہ کتاب ”رنگیلا رسول“ کیا ہے نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور گورنمنٹ سے بزور درخواست کرتی ہے کہ کوئی ایسا آرڈیننس بنایا جائے جس سے مسلمانوں کی یہ دل آزاری اور (پیغمبر) اسلام کی یہ توہین نہ صرف ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے بل کہ مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ گورنمنٹ آف انڈیا آں جہانی ملکہ و کٹوریہ کے ..... پر قائم ہے۔ اس کتاب سے نہ صرف مسلمانوں کی دل آزاری ہوئی بل کہ وہ اس کی پاداش میں ہر ممکن قربانی کے واسطے تیار ہیں۔

۲۔ یہ انجمن (اخبار) مسلم آؤٹ لک کے ایڈیٹر اور پبلشر کو جو سزا ”رنگیلا رسول“ کے فیصلے کے برخلاف احتجاج بلند کرنے میں دی گئی ہے۔ نہایت حقارت کی

نظر سے دیکھتی ہے اور دعا کرتی ہے کہ خداوند کریم ہر ایک مسلمان کو توفیق دے کہ وہ ان کے نقش قدم پر چل کر ثواب دارین حاصل کریں۔

۳۔ یہ انجمن گورنمنٹ آف انڈیا سے استدعا کرتی ہے کہ وہ حضور نظام حیدرآباد کے اندرونی معاملات میں دخل دے کر جو مسلمانان ہند کے جذبات کو مجروح کر رہی ہے۔ اس سے فوری دست برداری اختیار کرے اور ایک تردیدی بیان شائع کر کے مسلمانوں کے دلوں کو تسلی و تسکین دے۔



الفقیہ ۷ ستمبر ۱۹۲۷ء

## مسلمانانِ مویہ ضلع لکھنؤ کا جلسہ

۱۷ اگست ۱۹۲۷ء کو مسلمانانِ مویہ ضلع لکھنؤ نے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں مولانا ابوالمنظر سید محمد ابراہیم صاحب مراد آبادی کو مدعو کیا گیا۔ مولانا نے اپنے خطاب میں مسلمانوں کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا:

”آج جو مسلمان ذلیل ہو رہے ہیں اس کی یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے آپس میں جھگڑے پیدا کر لیے ہیں اور خدا اور اس کے رسول کی تعلیم سے رُوگردانی کرنے لگے اور نافرمانیاں کرنے میں چست و چالاک ہو گئے اور نفاق و افتراق کو اپنا مایہ زندگی سمجھنے لگے اور اسی وجہ سے جب دشمنان اسلام نے دیکھا کہ مسلمانوں کو آپس ہی کے جھگڑوں سے فرصت نہیں ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں لہذا وہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتے۔ اسی وجہ سے وہ تم کو ذلیل سمجھنے لگے اور تمہاری اور تمہارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اسلام کی توہین کرنے لگے اور ہر طرف سے تمہارے مٹانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔

دیکھو یہ تمہاری غفلت ہی کا نتیجہ ہے کہ ”سیر دوزخ“ جیسے گندے مضامین اور

”رنگیلا رسول“ جیسی ناپاک کتابیں [تصنیف کر کے] تمہارے مذہب اسلام اور بانی مذہب اسلام کی توہین کرنے لگتے ہیں اور یہ تمام ناپاک غلیظ تقریریں اور تحریریں شائع ہوتی ہیں لیکن اس پر بھی مسلمان اپنی نیندوں سے نہیں جاگتے ہیں تو گورنمنٹ بھی مسلمانوں کو غافل دیکھ کر ان دریدہ دہنوں اور بدگوئیوں کو صاف صاف بری کر دیتی ہے اور ان کو کسی قسم کی بھی سزا نہیں دیتی مگر اس کے بعد کچھ اللہ کے بندے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے کو جیلوں میں دے دیتے ہیں اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ناموس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تحفظ کرنے کے لیے اپنی تمام راحتوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے اور ان کو تسکین دے کر پھر سُلا دینے کے لیے مقدمہ ”ورتمان“ کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور اس میں بتلایا جاتا ہے کہ ہمارا قانون کافی ہے جس سے مقصد یہ ہے کہ مسلمان خاموش ہو جائیں اور تحفظ ناموس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطمئن ہو جائیں۔

لہذا ہم تمام مسلمان بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم ناموس رسول کی حفاظت اپنی جانیں اور اپنی عزت و حرمت اور مال و اولاد اور دنیا کی تمام راحتیں اور نعمتیں قربان کر دینے کے لیے تیار ہیں۔ ہم ایک کلمہ بھی اپنے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین میں نہیں سن سکتے اور اگر اس کا کوئی انتظام حکومت کی طرف سے کافی نہ ہو اور اس کے بعد بھی پھر کسی قسم کی توہین آمیز تقریر یا تحریر کسی مذہبی پیشوا کی شان میں کی گئی تو پھر اس وقت مسلمانوں کے پاس سوائے جانوں کے اور کچھ نہ ہوگا اور وہ اپنے..... کے زور سے اپنے اسلام اور بانی اسلام فداہ ابی و امی کی حفاظت کریں گے اور پھر وہ کسی کی بھی نہ سنیں گے وہ اپنے آپے سے باہر ہوں گے۔

تمام مسلمان اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کے غلاموں سے اس قدر محبت رکھتے ہیں کہ وہ تمام جان و مال سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اپنے رسول

کریم کے ادنیٰ غلام کی بھی توہین [برداشت] نہیں کر سکتا اور اپنے نبی امی کی ناموس کی حفاظت کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔



الفقیہ ۷ اکتوبر ۱۹۲۷ء

## راج پال کی کتاب

حکومت دہلی نے پمفلٹ ”رنگیلا رسول“ کو جسے دہلی میں دوبارہ چھاپا گیا۔ زیر دفعہ ۹۹ الف ضابطہ فوجداری ضبط شدہ قرار دیا ہے۔ ضبطی کا حکم پنجاب اور تمام برٹش انڈیا پر حاوی ہوگا۔  
مقدمہ راج پال میں ملزم کو سزا

مجسٹریٹ نے مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے خدا بخش ملزم کو سات سال قید سخت جس میں تین ماہ قید تنہائی بھی شامل ہے۔ میعاد قید کے بعد ملزم کو ہزار روپیہ کی تین [ضمانتیں] داخل کرنی ہوں گے، اگر ملزم ضمانت نہ دے سکے تو تین سال مزید قید بھگتنی ہوگی۔



الفقیہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۷ء

## سوامی ستیانند پر مفروضہ حملہ

لاہور، ۹ اکتوبر۔ کہا جاتا ہے کہ عبدالعزیز نامی کسی شخص نے سوامی ستیانند پر حملہ کر دیا۔ ملزم اسی وقت گرفتار کر لیا گیا جس نے پولیس کے سامنے حسب ذیل بیان دیا:

”میں تھوڑے عرصہ سے لاہور میں آیا ہوا ہوں، میں پہلے پہل لنڈے بازار کی سرائے میں رہتا رہا، اس کے بعد میں شاہ محمد غوث کی مسجد میں ٹھہرا رہا۔ آج چار بجے کے قریب اس گلی [جہاں راج پال کی دوکان ہے۔ الفقیہ] جا رہا تھا کہ ایک دوکان پر میں نے ہندوؤں کو باتیں کرتے سنا جو اسلام اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین

کر رہے تھے۔ میں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا تو ان میں سے ایک نے مجھے ڈنڈا مارا، میرے ماتھے پر زخم لگا ہوا ہے۔ اس پر میں نے انہیں چاقو مارا، اتنے میں دس بارہ دوکان داروں نے حملہ کر دیا۔“

ملزم نے ابھی پورے بیان ختم نہیں کیے تھے جب اس نے افسر پولیس سے نماز پڑھنے کے لیے مہلت مانگی چنانچہ اسے مصلہ بچھا دیا گیا، نماز سے فراغت کے بعد اس نے اپنے محولہ بالا بیان کو مکمل کیا۔

ملزم کے بیان اگر صحیح ہیں تو ہندو ذہنیت کا ماتم کرنا چاہیے جو خواہ مخواہ اشتعال دلانے کا موجب بن رہا ہے اور ملک کی فضا کو مکدر کر رہا ہے۔ کیا آریہ سماجی لیڈر اس گندہ ڈہنی کے انسداد کے لیے کوشش کریں گے!!!



الفقیہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۷ء

## سوامی ستیانند پر حملہ

سرکاری اطلاع کے حسب بیان ۹ اکتوبر چار بجے شام کے وقت راج پال کی دوکان واقع اسپتال روڈ پر سوامی ستیانند پر حملہ کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ حملہ آور غزنی کا ایک پٹھان ہے جو کہ چھ سال سے اجمیر میں رہتا ہے۔ سوامی ستیانند رُوبہ صحت ہے، اس کے زخم شدید ہیں مگر خطرناک نہیں۔ نانک چند اور سوہن لعل نامی دو اور شخصوں کو بھی خفیف سے زخم لگے۔ بعض اخبارات میں جو یہ شائع کیا گیا ہے کہ صاحب ڈپٹی کمشنر نے ملزم سے ملاقات کی۔ درست نہیں ہے۔ بعد کی خبر ملزم کے خلاف جس کا نام عبدالعزیز ہے، تین دن متواتر مقدمہ چلتا رہا۔

۱۳ اکتوبر کو چار بجے صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور نے فیصلہ سنا دیا اور ملزم کو سوامی ستیانند لالہ نانک چند اور ان کے بھائی جونی لال پتر میں قاتلانہ حملے کرنے ہر ایک جرم میں سات سال قید سخت کی سزا دی اور سزا بھگتنے کے بعد امن قائم رکھنے کے لیے ملزم سے تین سال کے لیے پانچ ہزار کی ضمانت داخل کرنے کا حکم دیا، اگر ضمانت داخل نہ کرے تو اسے تین سال

مزید قید محض بھگتنی پڑے گی۔

لالہ نانا چند اور جوئی لال پر قاتلانہ حملوں کے جرائم میں قید اکٹھی شروع ہوگئی، اس لیے ملزم کو ۱۴ سال قید با مشقت بھگتنی پڑے گی۔



الفقیہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۷ء

## مہاشہ راج پال کے مکان پر پولیس

مہاشہ راج پال کے مکان پر چار کانٹھیل اور ایک ہیڈ کانٹھیل جان و مال کی حفاظت کے لیے متعین ہیں، دوکان پر بھی دو کانٹھیل متعین ہیں۔



الفقیہ ۱۴ اپریل ۱۹۲۹ء

## مشہور راج پال کا دن دہاڑے قتل

ایک مسلمان قتل کے الزام میں گرفتار

لاہور-۶ اپریل، صبح ۵ بجے کے قریب انارکلی ہندو ہوٹل کی چھت گرنے سے ہوٹل کے دو ملازموں کی ہلاکت سے شہر میں نہایت سنسنی پھیلی ہوئی تھی کہ دوپہر کے قریب مہاشہ راج پال کو جوکل گورڈکل کے جلسہ سے آئے تھے۔ کو آج اڑھائی بجے (۰۲:۳۰) کے قریب کسی نے آپ پر قاتلانہ حملہ کر کے آپ کے سینہ میں اس زور سے چٹھرا گھونپا کہ مہاشہ جی وہیں ہمیشہ کے لیے اس جہاں سے کوچ کر گئے۔

حملہ کس طرح ہوا؟

مہاشہ راج پال دکان پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص جس کا رنگ گندمی بتایا جاتا ہے اور عمر تقریباً ۲۵ برس ہوگی، آپ کی دکان کے سامنے کھڑا ہوا، اور مہاشہ جی کو کام میں مصروف دیکھ کر

آپ کے سینہ میں چھرا گھونپ دیا اور اسپتال کی طرف بھاگ نکلا۔ ابھی چند قدم مشکل سے گیا ہوگا کہ مہاشہ سیتارام کے لکڑیوں کے ٹال کے اندر داخل ہو گیا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ٹال کے بڑے دروازہ کو دیکھ کر اسے راستہ سمجھا لیکن وہاں مہاشہ سیتارام کے فرزند نے اسے پکڑ لیا۔

### قاتل کا کیا نام ہے؟

مفروضہ قاتل کا نام ”علم دین“ بتایا جاتا ہے اور ۲۵ سالہ گندی رنگ کا جوان ہے۔ قاتل مہاشہ راج پال پر حملہ کرنے کے بعد چھرا ان کے کیش باکس کے پیچھے پھینک کر بھاگ گیا۔

### پولیس اور راج پال

بیان کیا جاتا ہے کہ جب سے مہاشہ راج پال گوروکل کے سالانہ جلسہ پر گئے تھے، پولیس کا پہرہ جو ان پر کئی ماہ سے لگا ہوا تھا۔ ہٹا لیا گیا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ واپس آ کر کل انہوں نے پولیس کو عرضی بھیجی تھی کہ میری حفاظت کا دوبارہ انتظام کیا جائے۔

### نوائیچ لمبا چھرا

راج پال کی لاش کے قریب ایک خون آلود چھرا پایا گیا، اس کا پھل نو (۹) انچ لمبا تھا۔

### چاقو جسم کے آر پار ہو گیا

قتل کے بعد مہاشہ کرشن سب سے پہلے دکان میں داخل ہوا۔ اس نے نمائندہ (اخبار) سول اینڈ ملٹری گزٹ سے کہا کہ میں نے راج پال کو اس حالت میں پڑے پایا کہ اس کی چھاتی کے بائیں جانب ایک بہت بڑا زخم تھا۔ چاقو جسم کے آر پار ہو گیا۔ پولیس پوسٹ مارٹم کے لیے نعش میو اسپتال لے گئی۔

### پولیس کا زبردست انتظام

پولیس امن قائم رکھنے کے لیے شہر کا گشت لگا رہی ہے اور شہر کی کوتوالی میں گورہ فوج ایسبولینس منگائی گئیں، شہر میں بڑا جوش برپا ہے لیکن ہفتہ کی شب تک کوئی ناگفتہ بہ حادثہ نہ ہوا۔ معلوم ہوا ہے کہ اتوار کی صبح کو شہر میں مزید پولیس تعینات کی جائے گی۔



اتوار کو صبح ۷ اور ۸ بجے کے درمیان میواہسپتال سے نعش کو جلوس کے ہمراہ نکالی دروازہ کے باہر مرگھٹ پر لایا جائے گا۔ راستہ میں پولیس کا انتظام ہوگا۔

### راج پال

راج پال کی عمر تقریباً ۴۵ سال کی تھی۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ اس شخص نے ۱۹۲۳ء میں دل آزار کتاب شائع کی، جس کی بنا پر اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اسے عدالت ماتحت سے پانچ سال قید سخت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی تھی لیکن عدالت عالیہ نے سزا منسوخ کر دی۔ مسلمانوں نے تعزیرات میں تبدیلی کا زبردست مطالبہ کیا اور انہوں نے سول نافرمانی شروع کر دی۔ حکومت کے امتناعی احکام کے باوجود جلسے منعقد کیے، آخر اسمبلی میں تعزیرات ہند میں ایک دفعہ منظور ہوئی جس میں اس تعزیرات میں سزا مقرر کی گئی۔



الفقیہ ۱۴ اپریل ۱۹۲۹ء

### ملزم علم الدین کاریمانڈ آٹھ روز کے لیے

مہاشہ راج پال کے قتل کے سلسلہ میں گرفتار شدہ ملزم علم الدین کا آٹھ (۸) روز کے لیے ریمانڈ لے لیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مقدمہ مکمل ہے۔ پولیس یہ تحقیقات کر رہی ہے کہ آیا اسے کوئی برا بیختم کرنے والا تھا یا نہیں۔



الفقیہ ۷ مئی ۱۹۲۹ء

## قتل راج پال کا مقدمہ

علم الدین کا بیان

لاہور-۲۴ اپریل۔ مسٹر لوئیس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے سنٹرل جیل میں مقدمہ قتل راج پال کی سماعت کی..... عدالت نے فرد جرم مرتب کر کے ملزم کو بتایا کہ ملزم کے خلاف اسپتال روڈ پر راج پال کو عمداً قتل کرنے کے جرم میں زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند فرد جرم عائد کر کے سپردشن کیا جاتا ہے..... مقدمہ کل پرملتوی ہو جب کہ ملزم فہرست گواہان صفائی داخل کرے گا۔



الفقیہ ۲۸ مئی ۱۹۲۹ء

## مقدمہ قتل راج پال کا فیصلہ

علم الدین کو پھانسی کی سزا

لاہور-۲۲ مئی۔ آج صبح مسٹریٹیشن جج لاہور نے راج پال کے قتل کے مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا۔ احاطہ عدالت کے باہر اور کمرہ میں بھی بہت سے اصحاب سننے کے لیے موجود تھے۔ ملزم کو ہتھکڑی لگا کر عدالت میں لایا گیا۔ پولیس کا زبردست پہرہ تھا۔

واقعات قتل یوں ہیں کہ ۶ اپریل کو دوپہر کے وقت میں اپنی دکان میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ قاتل نے چہرے سے وار کیا۔ راج پال کو ایسا کاری زخم لگا کہ وہ وہیں مر گیا۔ ہندوؤں نے علم الدین کو گرفتار کر لیا، جس جگہ قتل ہوا تھا۔ اس سٹریٹ کے مسلمانوں کو گواہان صفائی میں شامل کیا گیا..... سشن کورٹ میں ملزم نے صفائی کے گواہ پیش کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ آج قریباً

سوادس بجے سیشن جج صاحب نے راج پال کے مفروضہ قاتل علم الدین کو پھانسی کی سزا کا حکم دیا۔ فیصلہ میں سیشن جج نے لکھا کہ ملزم کو اس وقت تک پھانسی پر لٹکایا جائے جب تک کہ جان نہ نکل جائے۔



الفقیہ ۱۳ جولائی ۱۹۲۹ء

## علم الدین کا مرافعہ

سماعت ۱۵ جولائی کو شروع ہوگی

لاہور- ۱۱ جولائی۔ عدالت عالیہ لاہور نے علم الدین کے مرافعہ کی سماعت کے لیے ۱۵ جولائی کی تاریخ مقرر کی ہے۔



الفقیہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء

## میاں علم الدین کی سزائے موت بحال رہی

لندن- ۱۵ اکتوبر۔ پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے آج علم الدین کا مرافعہ مسترد کر دیا جسے راج پال کے قتل کے جرم میں سزائے موت کا حکم دیا گیا تھا۔ جوڈیشل کمیٹی کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے۔



الفقیہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء

## میاں علم الدین کی وصیت

ماں اور باپ سے استدعا

لاہور۔ ۲۷ اکتوبر۔ ابھی ایک آدمی میانوالی سے لاہور آیا جو بیان کرتا ہے کہ میاں علم الدین کی پھانسی کی تاریخ مقرر نہیں ہوئی۔ میاں علم الدین کے رشتہ دار اور والدین وہاں پہنچ گئے ہیں اور علم الدین نے اپنے باپ کو وصیت کی ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں کہ:

”میری نعش لاہور لے جانا اور صندوق میں رکھ کر بہ طریق سنت دفن کرنا کیونکہ مجھ میں کوئی وصف نہیں۔ میں صرف آقائے دو جہاں کا غلام ہوں، میری قبرنگی ہوتا کہ بارانِ رحمت کے راستے میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔“

آپ نے اپنی والدہ سے کہا کہ:

”تُو مجھے اپنا دودھ بخش دے اور تُو خوش ہو کہ مجھے ایسی موت نصیب ہوتی ہے جس کے لیے بڑے بڑے نمازی آرزو کرتے ہیں۔“



الفقیہ ۱۳ نومبر ۱۹۲۹ء

## غازی علم دین شہید کی قبر پر پولیس کا زبردست پہرہ

میانوالی۔ ۳ نومبر۔ افسوس ہے کہ غازی علم الدین شہید کی وصایا میں سے کسی ایک پر بھی عمل درآمد نہ ہو سکا اور اس حسرت کی وجہ سے ان کا قالبِ خاکِ زیر زمین اور روحِ پُرفروش بالائے عرشِ غلطاں و پیچاں ہوں گے۔

ان کی یہ استدعا کہ تختہ دار پر نفل پڑھنے کی اجازت دی جائے اور آدھ گھنٹہ شہادت سے

پہلے لے جایا جائے اور خاکروب میرے گلے میں رستہ نہ ڈالے اور میری مشکلیں کس کر مجھے شہادت گاہ کی طرف کشاں کشاں نہ لے جایا جائے بلکہ بطیب خاطر آزادی عام جانا چاہتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ ان کی جملہ آرزوؤں پر پانی پھیر دیا گیا اور اس کے بالکل برعکس عمل درآمد ہوا۔

اہالیانِ میانوالی کی بد قسمتی کہ جنازہ بھی نہ پڑھ سکے اور غازی شہید کی یہ خواہش کہ میری نعش کو لاہور پہنچایا جائے اور ہر ریلوے اسٹیشن پر درود اور کلمہ پڑھا جائے جس سے یقیناً میری روح خوش ہو۔ کس قدر زبردست خواہش تھی جس کی تکمیل نہ ہو سکی، جس وقت تختہ دار پر آپ کو لے جایا گیا، آپ نے چند وصایا اور بھی کہیں اور مختصر سی تقریر بھی کی اور چند شعر بھی پڑھے اور تحریر کرائے لیکن وہ بصریہ راز رکھے گئے ہیں اور ان کے ورثاء کو بھی باوجود استدعا کے نہیں بتلائے گئے۔ صرف وعدہ یہ کیا گیا کہ بعد میں رجسٹری کر کے بھیجے جائیں گے، شاید اس میں بھی کوئی حکمت ہوگی۔

مردہ شوکا کا بیان ہے کہ ان کا چہرہ نہایت نورانی تھا حالاں کہ مصلوب کا حلیہ تبدیل ہو جاتا ہے اور اس کی ہیئت کذائی نہایت مکروہ اور خوف ناک ہوتی ہے۔ غازی شہید کی آنکھیں نہیں پھوٹیں اور نہ ہی گردن بوجھ پڑنے سے لمبی ہوئی ہے۔ یہ تمیز نہ ہو سکتی تھی کہ آپ سوئے ہوئے ہیں یا مردہ۔

مردہ شوکا جیل کا سرکاری ملازم ہے جو مشاہرہ پاتا ہے۔ اس کا بیان ہے تمام عمر میں یہ پہلا موقع ہے کہ ڈار پر کھینچی ہوئی لاش ایسی مبارک اور پریمین ہو۔ وہ یہی کہتا ہے کہ سول سرجن اور دیگر حکام کو بھی جو شہادت گاہ کے اندر موجود تھے۔ اس بات کا یقین نہ آتا تھا کہ فی الواقع غازی رحمۃ اللہ علیہ نے جان دے دی ہے اور وہ شہید ہو چکے ہیں، جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ بہ وقت شہادت ہرگز نہیں پھڑ پھڑائے اور نہ اس قسم کی حرکات و سکنات ہی آپ سے سرزد ہوئیں جو ایسی حالت میں مصلوب سے سرزد ہوتی ہیں۔

### بیرون جات سے خلق خدا کی آمد

شہادت کے روز جیل کی حدود کے باہر مقامی لوگوں کے علاوہ ڈور دراز سے بھی سینکڑوں کی تعداد میں لوگ آئے ہوئے تھے۔ ضلع کے مضافات اور دیگر مقامات سے آئے ہوئے لوگوں نے مقامی آبادی میں معتد بہ اضافہ کر دیا تھا۔ یہ خبر ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو بجلی کی طرح پھیل گئی اور

رات کی گاڑی اور موٹروں پر لوگ تمام دن اور رات آتے رہے اور پولیس بھی مکانات سے طلب کر لی گئی۔

### پولیس کا زبردست پہرہ

۳۱ اکتوبر کو جیل کے باہر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور اس کے اسٹنٹ کے علاوہ حکام ضلع اور محکم پولیس کے بڑے بڑے منصب دار موجود تھے اور پولیس کا نہایت ہی کڑا پہرہ تھا۔ ”اللہ اکبر“ کے فلک شکاف نعروں سے فضائے آسمانی گونج اٹھی تھی۔ مسلمانوں کے مجمع میں بے حد جوش و خروش کا اظہار کیا جا رہا تھا لیکن شہر کے معززین اور سفید پوشوں کی پیہم تلقین نے انہیں قابو میں کر رکھا تھا۔

نیز ۳۰ اکتوبر کو جلسہ میں اس امر کی زبردست تلقین کی گئی تھی کہ کوئی شہری دیگر فساد نہ کرے اور جنازہ کے لیے خالی ہاتھ جائے، کسی کے ہاتھ میں لکڑی یا کوئی ایسی چیز ہرگز نہ ہو۔ اس لیے تمام لوگ اکٹھے ہو کر جنازہ کو گئے اور جنازہ خوانی کی غرض سے گئے، لڑنے کے لیے نہیں گئے تھے تاہم پولیس کے مقابلہ میں خالی ہاتھوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ اگر پولیس پر ہلہ بول دیتا تو پولیس کی بوٹی کبھی کسی کے ہاتھ نہ آتی۔

افسوس ہے کہ ان کو تو عدم تشدد کی ہدایت کی گئی اور ڈنڈا پولیس نے غایت درجہ تشدد روا رکھا۔ جنازہ خوانوں کو بڑی طرح سے زد و کوب کیا گیا اور ان کے منہ سے اُف تک نہ نکلی۔ جنازہ خوانوں کی حمیت قومی ان کو اجازت نہ دیتی تھی کہ قیدی ان کی نعش کو اٹھا کر بے اطلاع چل دیں اور ان کو شہر کے اندر قبرستان تک پہنچانے کی اجازت بھی نہ دی جائے۔

### حکومت پنجاب کو متعدد تار

چہ جائیکہ حسب وصیت شہید اُن کو لاہور تک پہنچایا جاتا اور دیگر معززین شہر کی طرف سے ہار گورنر صاحب بہادر کو اور دیگر حکومت کے اراکین کو دیے گئے مگر کوئی جواب نہ آیا۔

### شہر میں گرفتاریوں کی بھرمار

اب حالت موجودہ یہ ہے کہ گرفتاریاں دھڑا دھڑا عمل میں آرہی ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے نعرے لگائے یا نعش کا مطالبہ کیا یا وہ علماء جنہوں نے کہا کہ نعش کا جنازہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ورثانے اجازت نہیں دی۔ کو بغیر تحقیق گرفتار کیا جا رہا ہے۔ ماسٹر اللہ جوایا کو مجبوس کر دیا گیا ہے۔ پولیس

اس وقت کے مجمع میں سے جس کو پہچانتی ہے یا جسے وہاں دیکھا تھا۔ گرفتار کر رہی ہے۔

### غازی کی قبر پر پہرہ اور روشنی

غازی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گیس لیمپ لگا دیے گئے ہیں اور رات کو زبردست پہرہ رہتا ہے۔ اس وقت ۱۵۰ کے قریب سپاہی لوگ جمع سب انسپکٹروں کے اس گورستان پر متعین ہیں۔ خیمہ جات نصب کر دیے گئے ہیں اور ایسا کڑا پہرہ رہتا ہے کہ خزانہ پر بھی ایسا زبردست پہرہ کبھی نہیں ہوا۔ رات کو چلنے والوں کو جو قبرستان سے آدھ میل دور شارع عام پر چلتے ہیں۔ لٹکارا جاتا ہے۔

### مزید پولیس کی آمد

راول پنڈی بنوں کو ہاٹ کیمبل پور سے سپاہیوں کے دستے مع اپنے اعلیٰ منصب داروں کے دھڑا دھڑا آرہے ہیں۔ جیل کی اپنی پولیس، مقامی ضلع کی پولیس، مضافات کی خفیہ پولیس بھی اپنے ہیڈ کوارٹر میں طلب کی گئی ہے۔ تمام سڑکیں جیل کے ارد گرد اور بازاروں اور کوچوں اور گلی کوچوں پر پہرہ رہتا ہے اور خصوصاً اسٹیشن پر سب انسپکٹر بھی گھومتے رہتے ہیں۔ پولیس کے دستوں میں فوجی سکھ اور دیگر غیر مسلم بھی ہیں، اس کے علاوہ خفیہ پولیس پنجاب کے اضلاع میں تشریف لائی ہوئی ہے، ابھی تک پولیس آرہی ہے۔

شہر کے اندر جس قدر بالا خانے ہیں۔ پولیس نے کرایہ پر لے لیے ہیں اور ان پر سپاہی لوگ مع ایک آدھ افسر کے چوبیس گھنٹہ پہرہ دیتے ہیں اور عارضی مورچے ان بالا خانوں پر تیار کر دیے گئے ہیں۔

غیر مسلموں کے حلقہ میں یہ افواہ گرم تھی اور (اخبار) پرتاپ نے بھی لکھا تھا کہ شہیدی جتھے آئیں گے اور سرکٹائیں گے اور نعش کو لے جائیں گے۔ حکومت کی طرف سے اس قدر بھاری اور زبردست انتظامات جو اس ضلع میں ہو رہے ہیں۔ اس بات کی عین دلیل ہیں کہ عن قریب ایک اعلیٰ پیمانہ پر میدان کارزار گرم ہونے والا ہے اور اگر ایسا نہیں تو اس نمائش کے کیا معنی ہیں۔

### غیر مسلموں کا افسوس ناک رویہ

مقامی ضلع کے غیر مسلموں نے ابتدا سے لے کر انتہا تک اسلام دشمنی کا اظہار کیا ہے۔

جلسے خفیہ اور اعلانیہ کیے، حکام ضلع کی خدمت میں وفد بھیجے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نعش کو قبرستان میں لانے کی اجازت نہ دی گئی ورنہ یہ بات چنداں مشکل نہ تھی اور بے وجہ حکومت کو احکام امتناعی صادر نہ کرنے پڑتے۔

یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ اکثر سب انسپکٹروں، حکام اور دیگر صاحب اختیار لوگوں نے غازی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں سخت الفاظ کہے۔

☆ میں نے واقعات راست راست بلا کم و کاست جو بعد تحقیق خدا کو حاضر ناظر جان کر جن میں اکثر چشم دید ہیں۔ بیان کیے۔ (اخبار سیاست، لاہور)

☆ مسلمانان پنجاب کی متفقہ جدوجہد سے گورنمنٹ نے علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی لاش دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ لاش آج کل لاہور میں لا کر مسلمانوں کے حوالہ کر دی جائے گی۔



الفقیہ ۲۱ نومبر ۱۹۲۹ء

## شہیدائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جنازہ دولاکھ مومنوں نے پڑھا

[لاہور-۱۴ نومبر] آج مسلمانوں کی دلی مراد برآئی اور انہیں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق زار جناب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نعش مبارک کو ان کی اپنی وصیت کے مطابق ان کی آخری آرام گاہ میں اپنے ہاتھوں سے لٹانے کا موقع ملا۔

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپ کو لاہور میں سپرد خاک کیا جائے، حکومت نے لاش دینے سے انکار کر دیا تھا اور لاش میانوالی میں دفن کرائی گئی۔ چند روز سائے لاہور کی سخت جدوجہد سے لاش مسلمانوں کو مل گئی۔

شہید غازی کی لاش کے متعلق حکومت کا وعدہ یہ تھا کہ ماہ نومبر میں یہ مسلمانوں کو دی جائے گی۔ ۹ نومبر کو لاہور کے مشہور رئیس مولانا سید مراتب علی شاہ صاحب آنریری مجسٹریٹ اور مرزا مہدی حسین مجسٹریٹ کو میانوالی بھیجا گیا کہ وہ اپنی نگرانی میں لاش نکلا کر لائیں۔ سید مراتب علی شاہ نے میانوالی کے جو حالات بیان کیے۔ وہ نہایت محیر العقول ہیں۔



آپ نے فرمایا کہ شہید غازی کا وزن آخری روز جب کیا گیا تو پہلے سے ۱۸ پاؤنڈ یعنی ۹ سیر (کلو) زیادہ تھا۔

آپ نے فرمایا کہ ۳۰ اکتوبر کے روز خان زماں مہدی خان صاحب ڈپٹی کمشنر میانوالی نے کہا کہ کچھ عرض کرنا ہو تو کرو۔ آپ [غازی علم الدین شہید] نے فرمایا کہ اب شوق شہادت بے تاب کیے دیتا ہے، التوا ختم کرو اور بس۔

تختہ دار پر آپ نے اعلان کیا کہ میں نے راج پال کو قتل کیا..... میں اقرار کرتا ہوں کہ جوشِ اُلفتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں میں نے اسے قتل کیا۔ آپ نے پھانسی کے رستہ کو بوسہ دیا، بھنگی کو قریب نہیں آنے دیا اور ایک مسلمان سے گلے میں رستہ ڈلوا کر کہا کہ اب کیا دیر ہے اور ساتھ کلمہ شہادت پڑھا اور اس کے بعد آپ شہید ہو گئے۔

ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ پھانسی والے کی گردن بڑھ جاتی ہے اور آنکھیں باہر کونکل آتی ہیں مگر میاں صاحب کی نہ گردن بڑھی اور نہ آنکھیں ابھریں۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا پھانسی سے پہلے آپ نے جان دے دی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کو اول مرتبہ بغیر کفن و غسل جنازہ دفن کیا گیا تھا۔ یہ غلط ہے۔ آپ کو غسل دیا گیا، کفن پہنایا گیا مگر لوگوں کے ہجوم کے خوف سے نماز جنازہ صرف پندرہ (۱۵) مسلمان محافظوں نے ادا کی اور آپ کو بہ طور امانت سپرد خاک کیا گیا۔

آپ کی مرقد مبارک پر ۲۵ سپاہی محافظ مقرر ہوئے جن کے ساتھ تین ہیڈ کانسٹیبل، دو سب انسپکٹر اور ایک انسپکٹر تھا۔ یہ سب مسلمان تھے۔ قبرستان میں سے عوام کا گزرنا ممنوع تھا۔ گیس کی روشنی رات کو نور کا عالم پیدا کر دیتی تھی۔

۱۳ نومبر کو قبر کھودی گئی مگر گیارہ بجے تک خود مجسٹریٹ صاحبان کو علم نہ تھا کہ آج ایسا ہو گا۔ مسلمان مزدور لگائے گئے۔ سید مراتب علی شاہ صاحب نے خود لاشہ نکالا اور خود سارے بدن پر ہاتھ پھیرا۔ آپ کا بیان ہے کہ نعش یوں معلوم ہوتی تھی کہ کوئی نوجوان سویا پڑا ہے۔ نہ بدبو تھی اور نہ گوشت خراب ہوا تھا۔ سید صاحب نے خود نعش کو دوسرا کفن پہنایا اور صندوق میں بند کیا جس کے رخنے پلستر سے بند کیے گئے تھے۔ چابی پولیس افسر نے لی اور موٹر پر لاشہ اسٹیشن کو گیا۔

پولیس اور فوج کافی تھی، چار بجے ریل کی روانگی کا وقت مقرر تھا۔ ڈی ٹی ایس خود آیا ہوا

تھا کہ انتظام کرے۔ ٹرین نصف گھنٹہ لیٹ ہوگئی اور ساڑھے چار بجے روانہ ہوئی، اس میں ایک انجن تھا، ایک درجہ اول کا کمرہ تھا جس میں دونوں مجسٹریٹ تھے، ایک درجہ دوم تھا جس میں پولیس انسپکٹر اور دوسرے افسر تھے۔ ایک نوکروں کا کمرہ تھا، ایک تیسرا درجہ تھا جس میں پولیس والے تھے، گارڈ کا کمرہ تھا جس کے ساتھ والے کمرہ میں نعش مبارک تھی، یہ کمرہ مقفل تھا اور چابیاں پولیس افسر کے پاس تھیں۔

یہ ٹرین راستہ میں کسی بڑے اسٹیشن پر نہیں ٹھہری، یہاں تک کہ لاہور کے بڑے اسٹیشن پر بھی کھڑی نہیں ہوئی۔ چھوٹے اسٹیشنوں پر ٹھہرتی ہوئی اور قبل از وقت سفر کرتی ہوئی میانمر کے اسٹیشن پر پہنچی۔ صبح ساڑھے پانچ بجے ٹرین منزل مقصود پر پہنچی اور لاری میں لاد کر پونچھ ہاؤس میں پہنچایا گیا۔

سر محمد شفیع اور سر (علامہ) اقبال اور دیگر مسلمانوں کو جنہوں نے قوم کی طرف سے ضامن بن کر لاشہ منگوایا تھا۔ کو حکومت نے اطلاع دے دی تھی کہ لاشہ ۷ بجے صبح ملے گا چنانچہ عین ۷ بجے رسید لے کر نعش ان کے سپرد کی گئی اور چوہر جی کے میدان میں رکھی گئی۔

ادھر شہر میں ۱۳ نومبر کو پانچ بجے عصر کے وقت یہ خبر مشہور ہوگئی تھی کہ صبح نماز جنازہ ہوگا۔ حکومت نے پہلے ہی سے بڑے اعلیٰ پیمانے پر تیاریاں کر رکھی تھیں۔ ہندو مسلم معززین کے پہرے لگا دیے تھے۔ رات کے پچھلے پہر سے فوج آنا شروع ہوئی اور رسالہ اور سوار پولیس کو ہر اہم ناکہ پر کھڑا کر دیا گیا، مسلح موٹر کاریں اور لاریاں موجود تھیں اور چوہر جی کی طرف تو گویا فوج کی چھاؤنی اُتری ہوئی تھی۔ ڈپٹی کمشنر لاہور، مجسٹریٹ اور خود مسٹرا پیج ڈی کریک سرگرم عمل دیکھے گئے۔ مسلمانوں کا ہجوم دیکھ کر یہ لوگ اُنگشت بدنداں تھے۔

علی الصبح شہر کے اسلامی حلقہ ہائے کے بازار سنسان پڑے تھے۔ ریلوے ورکشاپ نصف دن تک بند رہا، مدارس بند ہو گئے، ہر شخص کلمہ شہادت پڑھتا ہوا چوہر جی کو روانہ ہوا۔ ساڑھے آٹھ بجے کا وقت مقرر تھا، جنازہ کے گرد پانچ ہزار مستورات کا ہجوم تھا اور جنازہ گاہ میں کم از کم دو لاکھ مسلمان موجود تھے۔

چوہر جی کا میدان وہ ہے جس میں چاند ماری ہوتی ہے، اس میں ہجوم کا یہ حال تھا کہ تل رکھنے کو جگہ نہ تھی، ہر ایک صف میں ایک سوساٹھ سے دو سو تک آدمی تھے اور ایک ہزار سے زیادہ

صفیں تھیں۔ ایسا اجتماع چشم فلک نے آج تک لاہور کی زمین پر نہیں دیکھا اور نہ شاید آئندہ جلد دیکھے۔ لیکن یہ اجتماع نہایت پرسکون تھا۔ کئی ہندو اس اجتماع کو دیکھنے آئے اور مزے سے پھرتے رہے، کسی نے ان سے کوئی تعارض نہیں کیا۔

صد ہاتے مشکیزے لیے کھڑے تھے اور لوگوں کو وضو کراتے جاتے تھے، بلد یہ کی چھڑکاؤ کرنے والی گاڑیاں اور آگ بجھانے کے ایک انجن بھی وضو کرانے والوں کے لیے پانی بہم پہنچا رہا تھا۔

لوگ دیہات سے کثرت سے آئے۔ امرت سر، قصور، وزیر آباد، گوجرانوالہ تک سے مسلمان پہنچے۔ بعض جھنڈے لے کر آئے ہوئے تھے۔

نعش مبارک صندوق میں بند تھی، اس پر پھولوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور اس قدر عطر اور عرق ڈالا گیا کہ تمام صندوق تر ہو گیا۔ حاضرین پر بھی کثرت سے گلاب پاشی کی گئی۔

نماز جنازہ قاری محمد شمس الدین خطیب جامع (مسجد) وزیر خاں مرحوم نے پڑھا اور اس کے بعد دو دفعہ جنازہ پھر پڑھا گیا۔

نماز جنازہ کے بعد لوگ کندھا دینے کے شوق سے تابوت کی طرف دوڑے جس سے بعض مسلمان دب گئے، ان میں سر شفیق بھی تھے مگر یہ جلد سنبھل گئے اور بصدقت جنازہ روانہ ہوا۔ لوگ کندھا دینے کے شوق میں پلے پڑتے تھے، کئی گھنٹوں میں جنازہ قبرستان یعنی میانی صاحب میں پہنچا۔

جنازہ لانے سے قبل میاں طالع مند والد علم الدین شہید میانی صاحب کے قبرستان میں آئے، لوگ ان کے گرد پروانہ تھے، ان کی بیگم صاحبہ بھی وہاں موجود تھیں۔

۱۲ بجے جنازہ میانی صاحب لایا گیا، ہزار ہا لوگ پہلے سے ہی موجود تھے، راہ میں لوگ مٹھیاں بھر بھر پھول جنازہ پر پھینک رہے تھے، کئی گڈے (بیل گاڑی) پھولوں سے لدے ہوئے تھے جو مفت پھول تقسیم کر رہے تھے۔

قبر نہایت صاف ستھری بنائی گئی تھی، لوگ پھول لا کر قبر پر پھینک رہے تھے۔ یہاں تک کہ قبر میں پھولوں کا ایک زبردست فرش بچھ گیا اور بارہ بجے کے بعد نعش قبر میں اتاری گئی۔ اس وقت تمام ہجوم کلمہ شہادت پڑھ رہا تھا۔ لوگوں نے لاتعداد ہار اور پھول قبر میں پھینکے اور بعد دعا

مٹی ڈال دی گئی۔

قبر پر مٹی پڑ جانے پر بھی ہزار ہا کی تعداد میں آکر پھول چڑھا رہے تھے اور دوسرے شہروں کے لوگ ابھی بھاگے چلے آ رہے تھے۔



الفقیہ ۲۱ فروری ۱۹۳۰ء

## میاں علم الدین شہید کی وصیت

ذیل میں میاں علم الدین شہید کی وہ وصیت درج کی جاتی ہے جو آپ نے جام شہادت نوش کرنے سے پیشتر سپرنٹنڈنٹ جیل میانوالی کو لکھوائی۔ آپ نے لکھوایا ہے کہ:

”میرے سب رشتہ داروں کو بتا دیا جائے کہ میرے پھانسی پا جانے پر ان سب کے گناہ بخشے نہیں جائیں گے۔ ہر ایک شخص کے اپنے ہی اعمال اسے دوزخ سے بچا سکتے ہیں پس نماز کو قائم رکھنا اور زکوٰۃ اور جملہ احکام شرعی کی پابندی لازمی ہے۔“

اس کے بعد آپ نے اپنے بھائیوں کو نماز پڑھنے اور نماز کے بعد سورہ مزمل کا ورد کرنے کی تلقین کی ہے۔ پھر اپنی قبر کے متعلق ہدایات دی ہیں کہ کس طرز پر بنائی جائے اور کس طرح دفنایا جائے اور کہا ہے کہ:

”جب مجھے دفن کر چکو تو دو رکعت نفل نماز شکرانہ اور دو رکعت نفل مغفرت کے

واسطے ادا کرنا۔ میری لاش کے ہمراہ فساد بالکل نہ کیا جائے اور امن و امان کی تلقین کی

جائے۔ میری لاش کے ساتھ ذکر اللہ ضرور ہو مگر سر سے پگڑی کوئی نہ اتارے۔“

اس کے بعد آپ نے اپنے کپڑوں کے متعلق ہدایات دی ہیں کہ کون کون سا کپڑا کس

کس رشتہ دار اور دوست کو دیا جائے۔ اس کے بعد کہا کہ:

”میرا سب حال اخباروں میں ضرور شائع کرایا جائے اور نماز کی سب مسلمانوں کو تلقین کی جائے اور سب بھائیوں کو السلام علیکم۔

فرض اللہ عزوجل کا قرض ہے اور سنت جناب رسول کریم (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کا۔“

آخر میں لکھا ہے کہ؛

میری یہ جملہ وصیت پوری کی جائے میں نے یہ قتل اس واسطے کیا تھا کہ مقتول نے میرے آقا کی (نعوذ باللہ) بے عزتی کی تھی۔

## [ کلام غازی علم الدین شہید ]

ہتھ یار دا نظر قرآن آیا

تاں پھر چمیا ادب ادب کر کے

شالا ہتھ سڑے ملے سزا مینوں

ہتھ لایا جے بھیڑی نگاہ کر کے

قسم رب دی دوستا آکھدا واں

قدمی ڈگا ساں میں دلربا کر کے

علم الدین جناب نے زبردستی

دتا رتہ تے اپنی شفا کر کے

دن ہفتہ دا میں قربان جاواں  
اللہ بخشی سی ایہہ مراد مینوں

قسم رب دی بندہ نہ نال کوئی  
مدد دتی سی اللہ جلال مینوں

خنجر ماریا سی حکم رب دے نال  
دل دے وچ ملی مراد مینوں

علم الدین میاں ڈرنا موت تھیں نہیں  
جھنڈے نبی دے نال پیار مینوں

میانوالی میں جو مدد ہوئی اور جیل کے اندر ۳۵ قرآن شریف، ۳۱ ہزار درود  
شریف قیدیوں نے ختم کیے ہیں۔ ان کا حوالہ اخبار میں دیا جائے۔“

از

فدوی علم الدین ولد طالع مندترکھان ساکن لاہور

شہر حال قیدی جیل میانوالی

(تصدیق شدہ ڈپٹی کمشنر لاہور)



باب سوم

غازی امیر احمد شہید، غازی عبداللہ شہید

۱۹۳۱ء میں کلکتہ کے ایک بدطینت ہندو بھولانا تھ سین نے ایک کتاب ”پراچین کہانی“ بنگالی زبان میں تحریر کی جس میں رسول اکرم نور مجسم شاہ بنی آدم رسول محتشم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے متعلق گستاخانہ عبارتیں شامل تھیں نیز ایک جعلی اور گستاخی پر مبنی تصویر کی نسبت بھی آپ کی طرف کی گئی تھی۔ اس کتاب کی اشاعت سے ملک بھر کے مسلمانوں میں بے چینی اور بے قراری کی فضا پیدا ہو گئی اور جگہ جگہ مذمتی جلسے اور کتاب کی ضبطی کے مطالبے ہونے لگے۔ اسلامی رسائل و اخبارات نے بھی اس ضمن میں متعدد مضامین شائع کیے۔ اسی حوالہ سے ایک مذمتی جلسہ بہ تاریخ ۲۳ فروری ۱۹۳۱ء کو اہل سنت کی قدیم علمی درس گاہ انجمن حزب الاحناف (لاہور) کی جانب سے گڑھی شاہو (لاہور) میں صوفی غلام نبی (ہیڈ ماسٹر اسلامیہ اسکول، کوہ منصور) کی زیر سرپرستی منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں مولانا غلام محمد کی نے آقائے دو جہان رحمت عالمیان سرور ذیشان صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان کے متعلق ایک طویل تقریر فرمائی، سامعین پر اثر انگیزی کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔ جلسہ کے اختتام پر جناب معراج دین (ساکن گڑھی شاہو، لاہور) نے درج ذیل قراردادیں پیش کیں جو کہ باتفاق رائے منظور ہوئیں:

۱۔ ہم جمیع مسلمانان گڑھی شاہو، لاہور۔ بھولانا تھ کی اس کمینہ اور ناشائستہ حرکت پر جو کہ وہ ”پراچین کہانی“ میں عمل میں لایا ہے، نفرت اور حقارت کا اظہار کرتے ہیں۔

۲۔ اور گورنمنٹ بنگال کے گوش گزار کرتے ہیں کہ اس کی تصنیف کی فوراً ضبطی کی جائے۔

۳۔ نیز اس کو کمینہ حرکت کی پوری پوری سزا دی جائے۔

لیکن مسلمانوں کے بھرپور احتجاج کا انگریز سرکار پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ہندو اکثریتی علاقوں میں اس کتاب کو اسکول کے نصاب میں شامل کر لیا گیا۔ بالآخر مسلمانوں کی غیرت ایمانی کا ظہور بھولانا تھ سین مصنف ”پراچین کہانی“ اور اس کے ملازموں کے قتل کی صورت میں ہوا۔ لاہور کے دو غیور مسلمانوں نے بے سروسامانی کے عالم میں ہندوستان کے دور افتادہ شہر



کلکتہ کا سفر کیا اور موقع پا کر شاتم رسول پر حملہ کر کے واصل جہنم کر دیا۔  
 بھولا ناتھ سین اور اس کے ملازمین کے قتل کے سلسلہ میں لاہور کے دونو جوان غازی  
 امیر احمد شہید اور غازی عبداللہ خان شہید رحمہما اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جب کہ ان  
 دو ساتھیوں کے ساتھ اس قتل کی منصوبہ بندی میں ایک تیسری شخصیت صوفی محمد نذیر غوری  
 سہروردی علیہ الرحمۃ بھی شامل تھی۔ چنانچہ اس ضمن میں ”جادوہ حق“ کے مصنف سید اولیس علی  
 سہروردی لکھتے ہیں:

”آپ (یعنی صوفی نذیر غوری سہروردی) نے اپنے دو ساتھیوں حضرت غازی  
 امیر احمد (کشمیری بازار، لاہور) اور غازی عبداللہ (گرھی شاہو، لاہور) کے ساتھ مل کر  
 بھولا ناتھ سین کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا۔ تینوں دوست قبرستان میانی صاحب اکٹھے  
 ہوتے اور مل بیٹھ کر اس کے ہر پہلو پر غور کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ اپنے آپ  
 کو جسمانی اور ذہنی طور پر مضبوط کرنے کے لیے تیار کرتے مثلاً آپ کئی دن تک بہت  
 کم کھا کر گزارہ کرتے یا ننگے جسم ٹاٹ کی بوری میں کئی کئی گھنٹے لیٹے رہتے۔ کئی ہفتوں  
 کی تیاری کے بعد غازی امیر احمد اور غازی عبداللہ موقع محل دیکھنے روانہ ہوئے تاکہ  
 واپس آ کر ایک ٹھوس پروگرام بنایا جائے مگر انہیں وہاں ایسا موقع ملا کہ اس (یعنی بھولا  
 ناتھ) کی دوکان پر اس وقت اس کے علاوہ چند ملازم تھے اور وہ بھی اس سے قدرے  
 فاصلے پر تھے چنانچہ انہوں نے موقع کو غنیمت جان کر کہ مبادا پھر موقع ملے یا نہ ملے  
 یا کب ملے انہوں نے اسے اور اس کے دو ملازمین کو قتل کر دیا۔ حضرت قبلہ گاہی (یعنی  
 صوفی نذیر غوری سہروردی) کو اطلاع ملی تو آپ بھی وہاں پہنچ گئے اور تقریباً دو ماہ ان کے  
 ساتھ جیل میں رہنے کے بعد لاہور واپس آ گئے۔“ (جادوہ حق: ۳۳، ۳۴)

صوفی نذیر غوری سہروردی کے ملفوظات میں اس واقعہ کی مزید تفصیل یوں درج ہے:  
 ”گرھی شاہو والا جلسہ سن کر ہم تینوں (یعنی صوفی نذیر غوری، غازی امیر احمد،  
 غازی عبداللہ) قبرستان میانی صاحب چلے گئے، وہاں بیٹھ کر قسمیں کھائیں کہ اس  
 گستاخ رسالت کو قتل کر دینا چاہیے اور جو پکڑا جائے وہ دوسروں کا پتہ نہیں بتائے گا۔“

اگلے روز سے ہم نے جیل کی صعوبتیں برداشت کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کر دیا۔ کبھی بھوکے رہتے، کبھی موٹے اور کھر درے کمرل میں ننگے جسم سوتے تا کہ جسم کی قوت برداشت زیادہ ہو جائے۔

کچھ دنوں بعد غازی امیر احمد کو ہم نے کلکتہ بھیجا کہ جاؤ اور پتہ کر کے آؤ کہ وہ آدمی کہاں اور کیسے رہتا ہے۔ تقریباً دو ماہ بعد غازی امیر احمد بڑے بڑے حال میں واپس آیا۔ داڑھی بڑھی ہوئی اور پاؤں سوجھے ہوئے تھے کیوں کہ پیسے تو تھے نہیں اور ہم نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ کسی سے مانگیں بھی نہیں۔ اس لیے وہ بھوکا، پیاسا، کبھی پیدل کبھی ریل پر بڑی مشکل سے پہنچا۔ اس نے آکر ہمیں بتایا کہ اس ہندو کی بہت بڑی دکان ہے جو کالج سٹریٹ پر واقع ہے۔ ہر وقت سات یا آٹھ آدمی اس کے ارد گرد موجود رہتے ہیں اور دکان کے دونوں طرف دروازے ہیں۔

عید قربان پر ہم پھر قبرستان میانی صاحب گئے، دوبارہ قسمیں کھائیں اور پروگرام بنایا کہ امیر احمد اور عبداللہ پہلے جائیں اور حالات کا جائزہ لیں۔ اتنی دیر میں میں (یعنی نذیر غوری) بھی پہنچ جاؤں گا۔ پروگرام تو یہ تھا کہ پہلے وہ دہلی جائیں گے اور پھر کلکتہ، اتنے دنوں میں میں سیدھا کلکتہ پہنچ جاؤں اور پھر تینوں مل کر اس کا کام تمام کر دیں گے۔ مگر وہ سیدھے ہی کلکتہ چلے گئے۔ ان کے جانے کے چند روز بعد اخبار میں آگیا کہ بھولانا تھ سین قتل کر دیا گیا ہے اور دو پنجابی قاتل پکڑے گئے ہیں۔ میں نے یہ خبر اخبار میں پڑھی اور رات عبداللہ کے گھر (گڑھی شاہو) چلا گیا کہ پتہ کروں کہ اصل صورت حال کیا ہے کیوں کہ اخبارات میں نام غلط چھپے تھے۔ جاتی دفعہ میں اپنے ایک ہم راز جو بعد میں میرا پیر بھائی بنا، ملک مراتب علی سہروردی کو کہہ گیا کہ اگر رات دس بجے تک میں نہ پہنچا تو میرے گھر کہہ دینا کہ وہ پکڑا گیا ہے کیوں کہ لازمی بات ہے پولیس اس کے گھر ضرور پہنچی ہوگی۔

خیرات میں جب اس کے گھر پہنچا، پہلے تو اردگرد کا جائزہ لیا مگر وہاں تو ہوکا عالم تھا۔ میں نے اس کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے اس کی والدہ محترمہ نے

دروازہ کھولا، میں نے ان کی خیریت دریافت کی اور عبداللہ کا پتہ پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ سیر کرنے کے لیے ریلوے کا پاس لے کر گیا ہوا ہے، پتہ نہیں کب آئے اور ہاں اس کے پرسوں بیٹا بھی پیدا ہوا ہے۔ کچھ دیر میں وہاں رُکا اور پھر گھر چلا آیا۔

..... تقریباً چار پانچ دنوں بعد کلکتہ سے ان دونوں کا مجھے خط بھی آ گیا جس میں تفصیلاً لکھا تھا کہ ہم نے تین آدمی قتل کر دیے ہیں۔ اس میں تحریر تھا کہ امیر احمد نے دو قتل کیے ہیں اور عبداللہ نے ایک۔

قتل کر کے دونوں مخالف سمت بھاگ گئے۔ عبداللہ دریائے ہنگلی پر چلا گیا اور خون کے چھینٹے وغیرہ دھو کر ڈکریا سٹریٹ حاجی مولو کی سرائے کی طرف آیا جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ دوسری طرف امیر احمد کو ایک پنجابی بدمعاش نے دیکھا تو کہا ٹھہر جا۔ اس نے کہا کہ کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا جو آدمی پیچھے دوڑے آرہے تھے انہیں اس نے گالیاں دیں تو وہ بھی پیچھے ہو کر کھڑے ہو گئے۔ ..... اس پنجابی بدمعاش نے کہا کہ یہ چھری مجھے دے دو اور بتاؤ کیا بات ہے؟

امیر احمد نے کہا کہ میں کوئی اچکا نہیں ہوں، میں دو آدمی قتل کر کے آیا ہوں۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ پولیس بھی وہاں آ گئی اور اسے پکڑ کر ڈکریا سٹریٹ میں لے گئی، وہاں عبداللہ بھی آ گیا۔ اب عبداللہ کہے کہ میں نے آدمی قتل کیے ہیں اور امیر احمد کہے کہ میں نے قتل کیے ہیں۔ ڈکریا سٹریٹ میں مسلمانوں کی دکانیں زیادہ تھیں، اس لیے وہاں بہت سے مسلمان بھی اکٹھے ہو گئے اور ان کی حمایت کرنے لگے۔ یہ حمایت ان کے تختہ دار پر پہنچنے تک جاری رہی اور دونوں کو ہر طرح کی آسائش وہاں کے مسلمانوں نے بہم پہنچائی، کھانا پینا، روپیہ پیسہ، ہر طرح سے انہیں خوش رکھنے کی کوشش کی۔

بہر کیف پولیس نے جب دیکھا کہ تکرار بڑھ گئی ہے تو دونوں کو تھانے لے گئی۔ وہاں کے لوگوں کو جو مسلمان تھے جب صحیح صورت حال کا پتہ چلا تو ان کے متعلق ان کے دلوں میں اور بھی محبت بڑھ گئی۔ وہ فوراً میاں عبدالمجید عطر فروش جو

وہاں کا صدر اور بہت امیر آدمی تھا، کے پاس پہنچے اور پورا ماجرا سنایا۔ وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر تھانے پہنچا اور تھانے دار کو کہا کہ یہ اپنے آدمی ہیں انہیں چھوڑ دو مگر غازی عبداللہ اور غازی امیر احمد۔ دونوں نے کہا کہ ہم باہر نہیں آئیں گے، ہم نے قتل ہی اس لیے کیے ہیں کہ پھانسی چڑھ جائیں۔

..... چنانچہ دونوں کو جیل بھیج دیا گیا۔ انہوں نے وہاں سے مجھے خط لکھا کہ یہاں کے مسلمان بہت تنگ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بیان دو کہ قتل ہم نے نہیں کیے۔ ہم مہنگے ترین وکیل کرا کے تمہیں بچالیں گے، تمہارا کیا خیال ہے؟ جوابی خط میں میں نے انہیں لکھا کہ چوں کہ ہمارا مقصد ہی یہ تھا اس لیے معافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہر حال چوں کہ انہوں نے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اس کے متعلق فتویٰ لو چنانچہ میں حضرت مولانا غلام مرشد (خطیب اونچی مسجد، بھائی دروازہ، لاہور) کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ معافی مانگ سکتے ہیں۔ میں نے تمام باتیں خط میں لکھ دیں۔ انہوں نے جواب لکھا کہ تم یہاں آؤ چنانچہ میں کلکتہ چلا گیا اور ان کے ساتھ جیل میں ہی تقریباً دو ماہ رہا اور شہادت سے ایک ماہ بیس دن پہلے واپس آ گیا۔

جیل میں اک عجیب سماں میں نے دیکھا، وہاں کے مسلمانوں نے ہم تینوں کی خدمت کی انتہا کر دی۔ مکھن، دودھ، چائے، سگریٹ اور طرح طرح کے کھانے روزانہ ہمارے لیے آتے۔ وہاں کا جیلر انگریز تھا اور اس کی رہائش ہماری بارک کے سامنے تھی۔ سارا دن اس کی بیوی کھڑکی میں بیٹھی رہتی اور ہمیں دیکھتی رہتی کہ چند دن بعد جن لوگوں کو پھانسی چڑھ جانا ہے وہ کتنے خوش و خرم ہیں۔ ہم صبح کو اٹھ کر ڈنڈ سپاٹے لگاتے، پھر ناشتہ کرتے اور سارا دن خوش گپیوں اور شرارتوں میں گزار دیتے۔

(جادوہ حق: ۱۱۴ تا ۱۱۷)

اخبار الفقہ (امرت سر) کے مطابق ۷ مئی ۱۹۳۱ء کو دو پہر گیارہ بجے دونوں خوش پوش نوجوان بیسن برادرز بک سیلرز کی دوکان میں داخل ہوئے اور انہوں نے بھولانا تھ سین مالک اور

اس کے نوکر کو قتل کر دیا۔ بھولانا تھ نے ان کو اپنا گاہک خیال کیا اور ان سے پوچھنے لگا کہ آپ کیا خریدیں گے؟ اس سوال پر انہوں نے اس پر چہرے سے سخت حملہ کیا۔ ہری داس اور بینرجی، بھولانا تھ کی امداد کو آئے ان کو بھی چہرا گھونپ دیا گیا۔ بھولانا تھ اور ہری داس فوراً مر گئے جب کہ بینرجی کی ٹانگ پر چہرا لگا، اس کو نازک حالت میں ہسپتال پہنچایا گیا جہاں وہ بھی مر گیا۔

(ہفت روزہ الفقیہ، امرت سر مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۳۱ء)

قتل کی تفتیش کے لیے کلکتہ پولیس کے ایک مسلمان انسپکٹر سید غلام حیدر شاہ لاہور وارد ہوئے اور ملزمین کے گھروں کی تلاشی لی۔ غازی عبداللہ شہید کے گھر سے غازی علم الدین شہید کی بڑے سائز کی تصویر برآمد ہوئی۔ ۲۲ فروری کو گڑھی شاہو میں احتجاجی جلسہ کے انعقاد کے حوالہ سے انجمن حزب الاحناف کے منتظمین کو بھی شامل تفتیش کیا گیا۔ انسپکٹر نے مسلم اخبارات کے دفاتر کا بھی دورہ کیا اور احتجاجی جلسہ میں منظور ہونے والی قراردادوں کی تفصیلات حاصل کیں۔

دونوں مجاہدین نے پولیس کے روبرو اپنے فعل کا پہلے ہی اقبال کر لیا تھا، اس لیے کسی اور خارجی شہادت کی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ عدالت میں مقدمہ چلا۔ کلکتہ کے مسلمانوں نے مقدمہ کی پیروی کے لیے دونوں مجاہدین کے ورثاء کو تار بھیجا چناں چہ غازی عبداللہ کے والد ماجد امرت سر سے اپنے ایک عزیز کے ساتھ کلکتہ پہنچے۔ غازی امیر احمد کے چچا زاد بھائی اور ان کی خالہ مقدمہ کی پیروی کے لیے کلکتہ روانہ ہوئے۔ (کیوں کہ غازی امیر احمد کے والدین فوت ہو چکے تھے اور اس کا کوئی بھائی بھی نہ تھا۔)

اگست ۱۹۳۱ء کلکتہ ہائی کورٹ کے سیشن جج جسٹس لورٹ ولیمز نے بھولانا تھ سلین اور اس کے ملازموں کے قتل میں غازی عبداللہ خان اور غازی امیر احمد کو سزائے موت سنا دی۔ مسٹر گریگوری (وکیل ملزمین) نے عدالت سے درخواست کی کہ سزائے موت کی بجائے جس دوام بہ عبور دریاے شور کی سزا دے دی جائے لیکن جج نے وکیل ملزمین کے دلائل کو تسلیم نہ کیا اور پھانسی کی سزا کا فیصلہ سنا دیا۔

مسلمانان کلکتہ نے ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف پریوی کونسل، برطانیہ میں اپیل کرنے کی درخواست دی جو کہ منظور ہو گئی لیکن پریوی کونسل نے بھی انتہائی سزا کا فیصلہ برقرار رکھا۔

بالآخر ۱۰ مارچ ۱۹۳۲ء کو ناموس رسالت کے دونوں جاں نثاروں کو شہید کر دیا گیا۔ مسلمانانِ کلکتہ کے دل میں پہلے ہی ان مجاہدین کی محبت و عقیدت رچ بس گئی تھی۔ عدالت کی پیشیوں کے دوران ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ان کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے۔ یوں ہی جیل کے باہر بھی شائقینِ دید کا تانتا بندھا رہتا۔ دونوں شہیدوں کی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں لے جایا گیا۔ یہاں مسلم رہنماؤں اور حکام کے مابین معاملات طے پائے۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد مسجدِ ناخدا (کلکتہ) میں جمع ہو گئی۔ حفظ امن کے لیے پولیس اور فوج کے متعدد دستے اہم مقامات پر متعین کر دیے گئے تاہم شہدا کی وصیت کے مطابق مسلمان پُر امن رہے۔ تقریباً پچاس ہزار مسلمانوں نے شہدا کی نماز جنازہ ادا کی۔

۱۵ مارچ ۱۹۳۲ء کو مجلسِ خلافت، کلکتہ کا ایک جلسہ بیرسٹر حسین شہید سہروردی کی زیرِ صدارت منعقد ہوا، اس جلسہ میں شہیدانِ ناموس رسالت کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا گیا اور حسین شہید سہروردی نے غازی عبداللہ شہید کے نومولود بیٹے کی کفالت کے لیے ماہ وار بیس روپیہ کا ذمہ لیا۔

۱۸ مارچ بروز جمعۃ المبارک کو تمام مساجد میں ”یومِ شہیدانِ ناموس رسالت“ منانے کا فیصلہ ہوا، اور شہیدوں کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کا اہتمام ہوا۔ آئندہ صفحات میں ہم اس واقعہ کے متعلق اخبارِ الفقیہ (امرت سر) کی رپورٹس نقل کر رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔



الفقہیہ ۲۵ فروری ۱۹۳۱ء

## حضور خواجہ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کا فوٹو

اسلامیائے گڑھی شاہو کا اظہار غیظ و غضب

’پراچین کہانی‘ کی فوری ضبطی کا مطالبہ

لاہور، ۲۳ فروری: آج ایک جلسہ عام مسلم ساکنان گڑھی شاہو کا زیر صدارت صوفی غلام نبی (بی۔ اے، ہیڈ ماسٹر اسلامیہ سکول، کوہ منصور) منعقد ہوا۔ جس میں جناب مولوی غلام محمد کی نے ایک طویل تقریر آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف میں بیان فرمائی۔ اس کے بعد صدر صاحب نے ایک مختصر مگر پُر جوش الفاظ میں تقریر بیان کی جس سے سامعین بہت ہی متاثر ہوئے اور آنسوؤں کی جھڑی لگائے ہوئے تھے۔

زاں بعد صدر صاحب نے مندرجہ ذیل تجاویز پیش فرمائیں جو کہ باتفاق رائے پاس ہوئیں:

۱۔ ہم جمیع مسلمانان گڑھی شاہو، لاہور۔ بھولانا تھ کی اس کمینہ اور ناشائستہ حرکت پر جو کہ وہ ’پراچین کہانی‘ میں عمل میں لایا ہے، نفرت اور حقارت کا اظہار کرتے ہیں۔

۲۔ اور گورنمنٹ بنگال کے گوش گزار کرتے ہیں کہ اس کی تصنیف کی فوراً ضبطی کی جائے۔

۳۔ نیز اس کو کمینہ حرکت کی پوری پوری سزا دی جائے۔

معراج الدین گڑھی شاہو



الفقیہ ۱۴ مئی ۱۹۳۱ء

## ”پراچین کہانی“ کے مصنف کا قتل

آج سے کچھ مدت پیشتر کلکتہ کے ایک شخص نے پراچین کہانی کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تصویر دے کر چند ایسے کلمات بھی لکھے جن سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو صدمہ پہنچا۔ ہندوستان بھر کے مختلف حصوں میں اس کتاب کے خلاف مسلمانوں نے آواز بلند کی۔ متعدد مقامات پر جلسے منعقد ہوئے، اکثر اسلامی اخباروں نے اس کے خلاف مضامین لکھے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس ناپاک کتاب کے مصنف اور ناشر کو سزا دے کیوں کہ اس نے آٹھ کروڑ مسلمانان ہند کے دلوں کو دکھایا ہے۔ راج پال کے قتل کا حوالہ دے کر کہا گیا ہے کہ مسلمان اپنے آقا و مولا کی حرمت پر جان تک قربان کر دینا بالکل معمولی بات سمجھتا ہے۔ اس لیے حکومت کو بہت جلد کوئی قانونی تدابیر اختیار کرنی چاہیے۔ مبادا کوئی جوشیلا مسلمان ایسی حرکت کر بیٹھے جس سے حکومت کی مشکلات میں اضافہ ہو جائے لیکن حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی اور وہ کتاب نہایت آزادی سے بازار میں فروخت ہوتی رہی۔

ہمیں ”پراچین کہانی“ کے مصنف و ناشر کے قتل کی تفصیلات اب تک معلوم نہیں ہوئیں اور ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ان کو کس شخص نے قتل کیا ہے لیکن واقعات و قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قتل کی حقیقی وجہ ”پراچین کہانی“ ہی تھی اور اس قتل کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے جس نے امن پسند مسلمانوں کی چیخ پکار پر کوئی توجہ نہ دی اور اس معاملے کو چنداں اہمیت نہ دی۔ حالاں کہ معاملہ بے حد نازک تھا اور راج پال اور علم الدین شہید کے واقعہ کو پیش نظر رکھ کر تدبیر کا تقاضا یہی تھا کہ ”پراچین کہانی“ کے مصنف و ناشر کے خلاف قانونی کارروائی کی جاتی۔

ہندوؤں کی تو ہم کیا شکایت کریں۔ وہ تو قومیت پرستی اور اتحاد ہندو مسلم کے بلند بانگ دعاوی کے باوجود بھی مسلمانوں کی جڑیں کاٹنے کے ذریعے ہیں۔ اور ان سے کسی قسم کی رواداری



نہیں کرنا چاہتے۔ ”پراچین کہانی“ کی اشاعت سے لے کر آج تک ہندوستان کے تمام طول و عرض میں ایک بھی ہندو ایسا پیدا نہ ہوا جو اس ناپاک کتاب کے خلاف آواز بلند کرتا اور ایسی کمینہ حرکات کو اتحاد ہندو و مسلم کے لیے مضر بتاتا۔ ہندوؤں کے جو اخبارات اب چیخ پکار مچائیں گے۔ انہیں اس سے پیشتر یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اس قسم کی توہین آمیز کتاب کو شائع ہونے سے روکیں لیکن ہندو کے خلاف ہمیں شکایت نہیں ہم حکومت کے شاکی ہیں جس نے مناسب وقت پر اس طرف توجہ نہ کی اور اس بے توجہی کا نتیجہ اس قدر ہولناک برآمد ہوا۔



الفقیہ ۱۴ مئی ۱۹۳۱ء

## حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا نتیجہ

”پراچین کہانی“ کا مصنف قتل کر دیا گیا

کلکتہ، ۷ مئی: آج دوپہر گیارہ بجے تین خوش پوش نوجوان بیسن برادرز بک سیلرز کی دوکان میں داخل ہوئے اور انہوں نے بھولانا تھ سین مالک اور اس کے نوکر گوپال بنیرجی کو قتل کر دیا۔ بھولانا تھ نے ان کو اپنا گاہک خیال کیا اور ان سے پوچھنے لگا کہ آپ کیا خریدیں گے؟ اس سوال پر انہوں نے اس پر چہرے سے سخت حملہ کیا۔ ہری داس اور گوپال، بھولانا تھ کی امداد کو آئے ان کو بھی چہرا گھونپ دیا گیا۔ بھولانا تھ اور ہری داس فوراً مر گئے اور گوپال بہت نازک حالت میں ہے۔ حملہ کے بعد تینوں مسلمان بھاگے۔ ایک کانسٹیبل نے شور سن کر ایک کو گرفتار کر لیا۔ اس کے پاس خون آلودہ خنجر تھا۔ قتل کی وجہ معلوم نہیں۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ مسٹر سین نے ایک کتاب شائع کی تھی جس میں اسلام پر حملے کیے گئے تھے۔ چہرا مارنے والے نوجوانوں میں سے ایک پشوری ہے۔



کلکتہ، ۷ مئی: مشہور فرم سین برادرز کتب فروشاں اور پبلشر کے مالک کو آج گیارہ بجے صبح ایک پشوری نے زخمی کر دیا۔ یہ واقعہ کالج سٹریٹ اور ہریسن روڈ کے درمیان مقتول مذکور کی

دکان پر ظہور پذیر ہوا اور دکان کے ایک کلرک کو بھی چاقو سے مجروح کیا گیا۔ دوکان سے باہر آتے ہوئے پشاوری کو اس کے ساتھی مل گئے جنہوں نے شمال کی جانب بھاگنا شروع کیا۔ ہجوم نے ایک پشاوری کو گرفتار کر لیا۔ دونوں مجروح ہسپتال میں مر گئے۔



### دو حملہ آور گرفتار۔ ایک نے اقبال کر لیا

کلکتہ، ۷ مئی: بعد کی تحقیقات مظہر ہے کہ تین خوش پوش مسلمان ایک دوکان میں داخل ہوئے اور مالک دوکان بھولانا تھ سین اور اس کے ایک ملازم کو چہرے سے قتل کر دیا اور علاوہ ازیں ایک ملازم مسمی گوپال چند بینر جی کے بھی چہرہ اگھونپ دیا۔ گوپال چندر ہسپتال میں ہے اور اس کی حالت بہت ہی خراب ہے۔ حملہ آوروں میں سے دو گرفتار کیے جا چکے ہیں۔ ایک کو اسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس نے ایک تنگ کوچہ میں گرفتار کیا۔ اس کے قبضہ سے ایک چہرہ برآمد ہوا، اور دوسرے کو افسرانچارج تھانہ جورا سکونے نواح مسافر خانہ میں گرفتار کیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے کپڑوں پر خون کے دھبے ہیں اور اس کا ہاتھ زخمی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ چند دن ہوئے کہ دونوں حملہ آور امرت سر سے کلکتہ آئے تھے۔ اطلاع ہے کہ بھولانا تھ سین نے بنگالی زبان میں ایک کتاب موسوم بہ ”پراچین کہانی“ تصنیف کی تھی جو کہ تعلیمی نصاب میں شامل کر لی گئی۔ اس کتاب میں بعض مقامات ایسے ہیں جن میں سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر کمینہ اور توہین آمیز حملے کیے گئے تھے۔ جملہ اسلامیان ہند نے بالاتفاق اعتراض کیا اور قابل اعتراض عبارتوں کے اخراج کا مطالبہ کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بعض تو یہاں تک پہنچے کہ انہوں نے مصنف کو دھمکی دی کہ ان کا مطالبہ اگر پورا نہ کیا گیا تو اسے (مصنف کو) خطرناک نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ بتایا جاتا ہے کہ ماخوذین میں سے ایک نے اقرار کر لیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کے سبب اس نے یہ فعل کیا۔ کمشنر پولیس نے بہ معیت افسران انچارج شمالی کلکتہ قتل کے بعد جلدی ہی موقع واردات کا معائنہ کیا۔



### مقتولین کی تعداد تین تک پہنچ گئی

کلکتہ، ۷ مئی: تازہ ترین تحقیقات مظہر ہیں کہ گوپال نہیں بل کہ بینرجی جس کی ٹانگ پر چھرا لگا تھا۔ ہسپتال میں مر گیا۔ اس طرح مقتولین کی تعداد تین تک پہنچ گئی۔ کوئی مزید گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔



الفقیہ ۲۱ مئی ۱۹۳۱ء

مسلم آزار کتاب ”پراچین کہانی“ کے مصنف بنگالی ہندو کا قتل

مفروضہ قاتلوں یعنی میاں عبداللہ خاں اور میاں امیر احمد صاحب کے حالات

کیا یہ قتل بھی میاں علم الدین شہید کی تقلید میں ہوا ہے؟

کلکتہ میں بھولانا تھ سین مصنف ”پراچین کہانی“ اور اس کے دو ملازموں کے قتل کے سلسلہ میں مزید تفصیلات موصول ہونے پر معلوم ہوا ہے کہ ہر دو مفروضہ قاتل میاں عبداللہ خاں و میاں امیر احمد صاحبان شہر لاہور کے رہنے والے ہیں۔ عبداللہ خاں ولد میراں بخش کا سکونت مکان شاہوگرھی میں واقع ہے اور امیر احمد کا مکان چوک رنگ محل میں بتلایا جاتا ہے۔ آج اطلاع موصول ہوئی ہے کہ یہ سلسلہ تفتیش دو روز سے کلکتہ پولیس کے ایک انسپکٹر صاحب جناب سید غلام حیدر شاہ صاحب پشاور لاہور میں وارد ہیں۔ آپ نے عبداللہ خاں کے مکان کی تلاشی لی اور راج گورو، بھگت اور شہید علم الدین کی تصاویر اور چند ایک مشکوک مقصد تفتیش سے بے تعلق کاغذات برآمد ہوئے لیکن مقدمہ سے متعلق کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کلکتہ پولیس اس قتل کے جملہ اسباب و علل کو کما حقہ متحقق کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ اطلاع ہے کہ انسپکٹر صاحب کمال سرگرمی سے اپنے فرائض کو سرانجام دے رہے ہیں۔ تفتیش جاری ہے۔ اس دوران میں جو کچھ کہ منکشف ہو سکا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر ملزمین نے واقعی اس فعل کا ارتکاب کیا ہے تو یہ ان کا محض انفرادی فعل تھا جیسا کہ ترتیب واقعات اور ملزمین کے بیان کردہ اقبال جرم سے کہ انہوں نے پولیس کے سامنے کیا۔ ثابت ہوتا ہے۔

ملزمین کے اس بیان کردہ اقبال سے مترشح ہوتا ہے کہ واقعات مقدمہ غالباً کم و بیش اس طرح پر ہیں کہ عبداللہ خان اور اس کے والد میراں بخش دونوں ریلوے ورکشاپ مغل پورہ میں ملازم تھے۔ دو چار ماہ ہوئے کہ عبداللہ خان کالاہور سے امرت سر ریلوے ورکشاپ میں تبادلہ ہو چکا تھا۔ عبداللہ خان عام طور پر عرصہ سے شاہوکی گڑھی سے اس درجہ غیر متعلق رہا کہ بہت سے لوگوں نے دس سال سے اسے دیکھا تک بھی نہیں تھا۔ اتفاق وقت سے کہیں عبداللہ خان ۲۲ فروری کو شاہوکی گڑھی میں موجود تھا۔ اس روز رات کے وقت مسلمانوں کے جلسہ میں جو پراچین کہانی کے مصنف مذکور کی کتاب کے خلاف بہ طور احتجاج ہوا تھا۔ اس میں آن پہنچا۔ جلسہ میں مختلف اصحاب کی تقریروں سے عبداللہ خان کو علم ہوا کہ کلکتہ میں بھولانا تھ نے ایک کتاب ”پراچین کہانی“ نامی جو کہ مدراس (یادارس) کے نصاب تعلیم میں داخل ہو چکی ہے۔ شائع کی ہے۔ جس میں آقائے دو جہاں محسن و ہادی بنی نوع انسان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت اہانت آمیز تصویر دی گئی ہے۔ اس سے متاثر ہو کر اس نے بہ غرض تحفظ ناموس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جام شہادت پینے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ عید کے دن عبداللہ خان لاہور آیا۔ دوسرے دن اپنے دوست امیر احمد ولد ابراہیم کو جس کا مکان چوک رنگ محل میں بتلایا جاتا ہے۔ ہمراہ لے کر کلکتہ روانہ ہو گیا۔ دونوں دوست کلکتہ پہنچے اور مسافر خانہ ٹھہرے۔ ان کے اقربا و احباب کو ان کے اس عزم یا سفر کا علم تک نہ تھا۔ دوسرے دن دفتر خلافت کلکتہ میں گئے، وہاں انہوں نے مذکورہ کتاب اور تصویر کا بہ چشم خود مشاہدہ کیا۔ پھر سات تاریخ کو بھولانا تھ مذکور کی دکان پر پہنچا، وہاں انہوں نے خرید کردہ کتاب کی مہر سے بھولانا تھ کی شخصیت سے مطمئن ہو کر بھولانا تھ وغیرہ کو قتل کیا۔ قتل سے پہلے قاتل اور مقتول کی گفتگو میں محض افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ قتل کرنے کے بعد دونوں شخص دوکان سے چل دیے۔ امیر احمد قریب ہی کسی کوچہ میں گرفتار کر لیا گیا (جیسے کہ لکھا جا چکا ہے) اور عبداللہ خان شام کے قریب از خود مسافر خانہ کے پاس تھانہ میں آ گیا اور خود کو قاتل بتلایا کر گرفتار کرایا۔ بہ وثوق تمام بتلایا جاتا ہے کہ ملزمین نے اس فعل کو اپنا ذاتی اور انفرادی فعل بتلایا ہے۔ بہ قول ان کے نہ تو کوئی اور ان کے ساتھ تھا اور نہ کسی کو ان کے اس عندیہ کا قبل آزیں کسی حیثیت سے بھی علم تھا۔

کہتے ہیں کہ ملزمین بے انتہا خوش و خرم ہیں۔ اسی سلسلہ میں معلوم ہوا ہے کہ انسپکٹر

صاحب پولیس (کلکتہ پولیس) نے حزب الاحناف کے چند ایک اراکین کو جن کے اہتمام سے یہ جلسہ منعقد ہوا تھا، بہ غرض دریافت حال و احوال بلوایا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ جلسہ کا اہتمام و انتظام واقعی انہوں نے کیا۔ اس میں اظہار غیظ و غضب کی قراردادیں منظور ہوئیں اور قرار پایا کہ ان کی نقول اخبارات کو بھیجی جائیں، ان قراردادوں میں حکومت سے بہ زور استدعا کی گئی تھی کہ مصنف اور تصنیف سے مناسب قانونی سلوک کرے۔

الغرض ابھی تک کسی طرح بھی کسی منظم یا غیر منظم سازش کا ذرہ بھر سراغ نہیں چلا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ عبداللہ خان اور اس کا باپ بڑھئی کا کام کرتے ہیں اور جناب علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کام کرتے تھے۔ امیر احمد تو شہید موصوف کا دُور کا تعلق دار بھی بتایا جاتا ہے۔ ہندوؤں کا یہ کہنا کہ یہ قتل سازش کا نتیجہ ہے۔ سراسر بیہودہ بات ہے۔ قتل کے اصل ذمہ دار وہ لوگ ہیں جو جلب منفعت کے لیے رواداری، مسابغی اور مذہبی حیثیات کے احترام کو بھول کر بزرگانِ دین کی توہین کرتے ہیں یا اس کی ذمہ دار وہ حکومت ہے جو قانون کی موجودگی کے باوجود رعایا کی بہ اصرار درخواستوں پر بھی توجہ نہیں کرتی اور ایسے مجرموں کو سزا نہیں دیتی۔

دو باتیں اور قابل ذکر ہیں:

اول یہ کہ عبداللہ خان شادی شدہ ہے اور چار پانچ روز ہوئے اس کے ہاں اللہ نے فرزند نرینہ عطا فرمایا ہے۔

دوم یہ کہ یہ قتل دن دہاڑے ایک ایسے بازار میں ہوا جس میں ہر وقت انسانوں کے ہجوم کے باعث کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ اور بعض اوقات پیادہ پا آدمی کے لیے سڑک کو عبور کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے لیکن اس رونق اور چہل پہل کے باوجود پراچین کہانی کے مصنف، اس کا ناشر اور اس کا فروخت کرنے والائینوں اپنی دکان کے اندر قتل کر دیے گئے۔

معلوم ہوا ہے کہ عبداللہ خان نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے اپنے آقا و مولا کی حرمت کے قیام اور آپ کی توہین کا بدلہ لینے کے لیے قتل کا ارتکاب کیا ہے۔ مزید تفصیلات کا انتظار ہے۔

امیر احمد خان کے والدین فوت ہو چکے ہیں اور اس کا اور کوئی بھائی نہیں ہے۔ البتہ چند رشتہ دار مثلاً چچا زاد بھائی وغیرہ موجود ہیں۔

کلکتہ میں اس قتل کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں موجود ہیں مثلاً اس کو مقتول اور قاتلوں کے فرضی دُنیوی عناد پر محمول کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

کلکتہ سے ایک مسلمان وکیل کی طرف سے میاں عبداللہ خان اور میاں امیر احمد صاحب کے رفقاء کو تار موصول ہوئے ہیں کہ مقدمہ کی پیروی کے لیے آؤ۔ دونوں کے متعلقین بہت مفلوک الحال ہیں لیکن کلکتہ جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ چنانچہ امیر احمد کے چچا زاد بھائی اور ان کی خالہ نے آج کلکتہ جانے کا عزم کر لیا ہے۔

کلکتہ کے جو پولیس انسپکٹر صاحب مصروف تفتیش ہیں انہوں نے سیاست اور بعض دوسرے اخبارات سے ان تمام جلسوں کی رُودادیں جمع کر لی ہیں جو کہ ”پراچین کہانی“ کے خلاف بہ طور احتجاج ہوئے۔

☆ بعض اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ قاتل تین تھے جن میں دو لاہور کے اور ایک امرت سر کا تھا۔ ہمیں باوثوق ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ مفروضہ قاتل صرف دونوں نوجوان میاں عبداللہ خان اور میاں امیر احمد خان ہیں، ان کے ساتھ کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا۔ میاں عبداللہ خان چوں کہ ریلوے کارخانہ لاہور سے امرت سر کو تبدیل ہو کر جا چکے تھے اور انہوں نے گرفتاری کے وقت لکھوایا تھا کہ وہ امرت سر سے آئے ہیں۔ اس لیے پہلے تاریخ میں ذکر تھا کہ مفروضہ قاتل امرت سر سے آیا ہے۔ اب جو معلوم ہوا ہے کہ دو آدمی لاہور سے آئے ہیں تو خوش فہموں نے سمجھ لیا کہ امرت سر کا آدمی کوئی تیسرا آدمی ہے حالانکہ یہی عبداللہ خان ہیں جو امرت سر سے گئے اور جن کا تاریخ میں ذکر تھا۔ یوں مفروضہ قاتل صرف دو ہی ہیں نہ کہ تین۔

☆ اب معلوم ہوا ہے کہ کلکتہ کے مسلمانوں میں خاصا جوش پیدا ہو گیا ہے اور جب عدالت میں مہلت لینے کے لیے اول مرتبہ ان دونوں کو پیش کیا گیا تو مسلمانوں کے بہت بڑے ہجوم نے عدالت کے باہر مظاہرہ کیا۔

☆ تازہ ترین خبر یہ ہے کہ عبداللہ خان کے والد ماجد امرت سر گئے ہوئے ہیں کہ وہاں ان کے رشتہ دار ہیں۔ وہ ان میں سے کسی ایک کو ساتھ لے کر کلکتہ جائیں گے لیکن یہ معلوم نہیں کہ کب روانہ ہوں گے۔



الفقیہ ۱۳ جون ۱۹۳۱ء

## کتاب پراچین کہانی کے مصنف کا مقدمہ قتل

کلکتہ، ۱۰ جون: آج چیف پریزیڈنسی مجسٹریٹ نے خان عبداللہ خان اور امیر احمد کو بھولا ناتھ سین اور اس کے دو ملازمین کے قتل کے تین الزامات کی بنا پر ہائی کورٹ سیشن کے سپرد کر دیا۔ ملزم نے سر عبداللہ سہروردی (MLC) جو کہ حال ہی میں نائٹ (Knight) کے اعزازی عہدہ سے سرفراز کیے گئے ہیں اور شہید سہروردی (MLC) کے اسمائے گرامی ہائی کورٹ میں اپنی جانب سے شہادت دینے کے لیے پیش کیے۔

عدالت میں بیان کیا گیا کہ لاہور سے تین میل ایک گاؤں میں (شاہو کی گڑھی) عبداللہ خان صاحب کے مکان سے پولیس نے بہ دوران تلاشی شہید علم الدین قاتل راج پال کی تصویریں برآمد کیں۔ شہید علم الدین کی تجہیز و تکفین کی تصاویر بھی پولیس کو دستیاب ہوئیں۔



الفقیہ ۷ اگست ۱۹۳۱ء

## مسلم آزار کتاب ”پراچین کہانی“ کے ہندو مصنف کا مقدمہ قتل اور سیشن جج کا فیصلہ

خان عبداللہ خان اور امیر احمد کو سزائے موت کا حکم

جیسی توقع تھی کلکتہ ہائی کورٹ کے سیشن جج جسٹس کورٹ ولیمز نے بھولا ناتھ سین کے مقدمہ قتل میں عبداللہ خان اور امیر احمد کو پھانسی کی سزا دے ہی دی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون جن حضرات نے اس مقدمے کی روداد باقاعدہ پڑھی ہے ان سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ استغاثہ اثبات جرم میں بہت بری طرح ناکام رہا ہے۔ ارتکاب قتل کے موقع کا کوئی گواہ پیش نہیں ہوا۔ صرف ایسے گواہ پیش ہوئے ہیں جنہوں نے ملزمین کو بھاگتے ہوئے دیکھا یا ان میں سے ایک کے ہاتھ میں چھری دیکھی۔ اس کے بعد دوران مقدمہ میں ملزمین کی شناخت کے متعلق بعض گواہوں نے جس مضحکہ خیز ناواقفیت کا ثبوت دیا۔ وہ بھی باخبر حضرات پر ظاہر ہے۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے ایک گواہ نے وکیل استغاثہ کی انتہائی کوشش کے باوجود بار بار عبداللہ خان کو

امیر احمد اور امیر احمد کو عبداللہ خان بتایا۔ اور امیر احمد کے خلاف تو ثبوت اس قدر مبہم تھا کہ عدالت میں اس کی بے گناہی کے متعلق بھی تذکرہ ہوا، اور وکلاء نے جیوری (Jury) کو توجہ بھی دلائی کہ اس ملزم کے خلاف کوئی خاص ثبوت فراہم نہیں ہو سکا۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود جج نے ملزمین کو قانون کی انتہائی سزا دے دی اور قلت ثبوت یا شک و شبہ تک کا فائدہ بھی نہیں دیا۔ آخر میں مسٹر گریگوری (وکیل ملزمین) نے عدالت سے درخواست بھی کی کہ بعض حالات کا تقاضا یہ ہے کہ سزائے موت نہ دی جائے بل کہ اسے جس دوام بہ عبور دریائے شور میں تبدیل کر دیا جائے لیکن جج نے وکیل ملزمین کے دلائل کو نہ سنا اور پھانسی کی سزا کا فیصلہ سنا دیا۔

ابھی ہائی کورٹ کی بنچ میں اپیل کا مرحلہ باقی ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ عدالت عالیہ کلکتہ کے فاضل جج جرم کی سنگینی میں تخفیف کرنے والے اسباب و وجوہ پر ضرور غور کریں گے اور سیشن جج کے فیصلے میں ترمیم کر دیں گے۔ اگر من درجہ بالا تمام حالات کو وقعت نہ بھی دی جائے اور یہ مان بھی لیا جائے کہ عبداللہ خان اور امیر احمد نے بھولا ناتھ سین اور اس کے دو ساتھیوں کو حقیقتہً قتل کر دیا تو سوال یہ ہے کہ اس جرم قتل میں کون سا مقصد پوشیدہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں نوجوانوں کا مقتولوں کے ساتھ کوئی زر، زن، زمین کا جھگڑا نہ تھا بل کہ جب انہوں نے دیکھا کہ بھولا ناتھ سین نے ایک تصویر شائع کی ہے جس سے ان کے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین ہوتی ہے اور یہ بھی دیکھا کہ مسلمانوں کے پے در پے توجہ دلانے کے باوجود حکومت نے نہ اس کتاب کو ضبط کیا، نہ بھولا ناتھ سین کے خلاف دفعہ ۱۵۳/الف کے ماتحت مقدمہ چلایا تو انہوں نے اپنے عقیدے کے مطابق (صحیح یا غلط) اپنا فرض مذہبی محسوس کیا کہ انہیں اس توہین آمیز کتاب کے ناشروں کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیے۔ اس حرکت کو کوئی شخص قوت ایمانی اور حرارت دینی قرار دے یا حماقت و دیوانگی سے تعبیر کرے۔ یہ بالکل علاحدہ بات ہے لیکن اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اس قتل سے قاتلوں کو اپنا کوئی دنیاوی فائدہ متصور نہ تھا۔ اس لیے اگر قتل کا الزام ان پر ثابت بھی ہو جائے جب بھی انہیں پھانسی کی سزا دینا ہمارے نزدیک قانون کا صحیح استعمال نہیں۔ کیوں کہ قانون حالات و کیفیات، اغراض و مقاصد اور نیت کو ملحوظ خاطر رکھنے سے



کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔



الفقیہ ۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء

## عاشقان رسول کا آخری وقت آن پہنچا

پریوی کونسل میں اپیل کرنے کی اجازت نہیں دی گئی  
 شمع رسالت کے پروانے (امیر احمد اور عبداللہ خان) عن قریب پھانسی پر لٹکائے جائیں گے۔  
 عبداللطیف صاحب برادر امیر احمد کلکتہ سے بذریعہ تارا اطلاع دیتے ہیں:  
 ”پریوی کونسل میں اپیل کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے ہائی کورٹ  
 میں جو درخواست دی گئی تھی اس کو آج چیف جسٹس نے نامنظور کر دیا جو احباب و اعزہ  
 امیر احمد اور عبداللہ خان سے ملاقات کرنا چاہیں وہ فی الفور کلکتہ پہنچ جائیں ورنہ پھر  
 دست حسرت ملنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے گا۔“



الفقیہ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء

## عاشقان رسول کریم کی درخواست اجازت منظور

حرمت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جان نثار کرنے والے عاشقان صادق میاں امیر  
 احمد و عبداللہ خان کی سزائے موت کے خلاف پریوی کونسل میں اپیل کرنے کی اجازت کے لیے  
 درخواست دی گئی تھی جو بجمہ اللہ کہ منظور ہو گئی۔ مذکورہ بالا درخواست کا جواب آ گیا ہے جس میں  
 ہدایت کی گئی ہے کہ کاغذات مقدمہ کی باضابطہ نقول اور تیرہ سو روپیہ نقد اثارنی کے پاس دو ہفتہ  
 کے اندر اندر جمع کرادیا جائے۔ اس کے بعد پریوی کونسل میں اپیل دائر کرنے کی درخواست

اجازت دی جائے گی اگر پر یوی کونسل نے درخواست منظور کر لی تو پھر اپیل دائر کی جائے گی۔  
مقدمہ کے پیروکار مسٹر عبداللطیف اور محمد رفیق کا شکریہ الفاظ میں ادا نہیں کیا جاسکتا۔ امید ہے کہ  
اللہ تعالیٰ انہیں اس سے بھی زیادہ توفیق عطا کرنے کا اور وہ ولایت تک اس مقدمہ کو پہنچائیں  
گے۔

میاں امیر احمد اور عبداللہ خان دو مہینہ سے آٹھ پہر کا روزہ رکھتے ہیں [سنا ہے کہ] ان کا  
وزن پہلے کی نسبت [بڑھ گیا ہے] ان کی طرف سے جملہ مسلمانوں اور دوستوں کو سلام پہنچے۔ خط  
و کتابت پتہ ذیل پر کریں:

عبداللطیف معرفت حکیم غلام مصطفیٰ چوناگلی، شہر کلکتہ



الفقیہ ۷ دسمبر ۱۹۳۱ء

## شمع نبوت کے پروانوں کا مرافعہ پر یوی کونسل میں

ہر جمعہ کو نماز کے بعد برأت کے لیے دعا کی جائے

برادران اسلام کو معلوم ہونا چاہیے کہ حدیث شریف کے بہ موجب تین مسلمان اگر مل کر  
دعا مانگیں تو ان کی دعا ہرگز رد نہیں ہوتی چوں کہ عاشقان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (میاں عبداللہ  
خان اور میاں امیر احمد خان) حرمت ناموس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جانیں قربان کر  
چکے ہیں اور ان کی اپیل پر یوی کونسل میں دائر ہے۔ پس مناسب ہے کہ ہر مسجد میں فرائض جمعہ  
کے بعد شمع رسالت کے ان پروانوں کے حق میں دعا کی جائے اور مومنین حدیث [واللہ فی  
عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ] کے مصداق بنیں۔

(محمد رفیق، بازار سر یا نوالہ - لاہور)



الفقیہ ۲۱ فروری ۱۹۳۲ء

## عاشقانِ رسول کی پھانسی ملتوی کر دی گئی

غالباً سزائے موت سے بدل دی جائے گی۔ معتبر ذریعہ سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ کلکتہ کے پریزیڈنسی جیلر کے پاس سرکاری حکم جاچکا ہے کہ عبداللہ خان اور امیر احمد کی پھانسی کو جو ۱۲ فروری کو ہونے والی تھی۔ ملتوی کر دیا جائے۔ نیز یہ کہ حکومت بنگال کی طرف سے حکومت ہند کو تار دیا گیا ہے کہ پھانسی کی سزا جس دوام سے بدل دی جائے، اس کے متعلق جو کچھ ضابطہ کی کارروائی ہے وہ اب شروع ہو جائے گی۔ اگر یہ صحیح ہے تو مسلمانوں کے لیے یہ بہت بڑی خوش خبری ہے اور ہم ان ہر دو عاشقانِ رسول پاک کے والدین اور متعلقین کو مبارک باد دیتے ہیں۔

(روزنامہ انقلاب، لاہور)



الفقیہ ۲۸ فروری ۱۹۳۲ء

## شمع رسالت کے پروانے

محمد رفیق صاحب کے نام کلکتہ سے امیر احمد کے بھائی عبداللطیف صاحب کا ایک تار موصول ہوا ہے عبداللہ خان اور امیر احمد کی سزائے موت کو معاف کر دینے کا معاملہ زیر غور ہے۔ حالات اُمید افزا ہیں۔ تمام مسلمانوں سے التجا ہے کہ بارگاہ رب العزت میں دعا کریں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنا فضل و کرم کر کے ان کو اس آفتِ عظمیٰ سے نجات بخشے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ ہر نماز کے بعد دعا کرے۔



الفقیہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۲ء

## فدایان رسول کریم عبداللہ خان اور امیر احمد

مرتبہ شہادت پر فائز ہونے کے تفصیلی حالات

نماز جنازہ میں پچاس ہزار سے زائد فرزندان توحید کی شرکت

کلکتہ، ۹ مارچ: عاشقان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خان عبداللہ خان اور میاں امیر احمد جنہیں ”پراچین کہانی“ کے دریدہ دہن مصنف بھولا ناتھ سین اور اس کے دو ملازموں کے قتل کے الزام میں سزائے موت کا حکم سنایا گیا تھا۔ آج صبح پریزیڈنسی جیل میں تختہ دار پر چڑھا دیے گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

پھانسی دیے جانے کے بعد پولیس نعشوں کو اسلامی قبرستان میں لے گئی جو جیل سے دو میل کے فاصلے پر ہے جہاں نعشیں اس سمجھوتہ کے مطابق جو گزشتہ شب حکام اور مسلم لیڈروں کے مابین طے پایا۔ شہید کے اعزاء و اقربا کے حوالے کر دی گئیں۔ جنہوں نے شہدا کے ساتھ جیل میں آخری مرتبہ ایک بجے شب کو ملاقات کی اور پھانسی دو گھنٹہ بعد دی گئی۔ ہر دو شہید کو ایک دوسرے کے پاس تختہ دار پر چڑھایا گیا۔ گزشتہ مہینہ کے دوران میں متعدد سرکاری اور غیر سرکاری ہندوستانی عہدیداران نے شہدا کی سزائے موت کی تہنیت کے لیے کوشش کی۔ رحم کی درخواستیں دیں۔ اگرچہ پھانسی کی تاریخ کے متعدد التوا کے باعث واثق امید تھی کہ شہدا کو معافی دے دی جائے گی یا کم از کم سزائے موت کو سزائے قید میں بدل دیا جائے گا۔

ہجوم جو جنازہ پڑھنے کے لیے جمع ہوا تھا۔ حکومت کے اس فیصلہ سے متاثر ہوا جس کی رو سے شہدا کو جیل سے باہر دفن کرنے کی اجازت دی گئی۔ نیز شہدا نے تختہ دار پر چڑھتے وقت مسلم لیڈروں سے التجا کی تھی کہ مسلمان بھائیوں پر زور دیں کہ ہمارے پھانسی پانے پر پُر امن رہیں اور کوئی دنگا فساد نہ کریں۔ شہر کے اکثر مسلمانوں نے ہڑتال کی، دکانیں بند رکھیں اور فرزندان توحید کا ایک جم غفیر مسجد ناخدا میں جمع ہوا۔ پولیس بہ تعداد کثیر متعین تھی۔ گزشتہ شب سوار پولیس،

سارجنٹ اور گورکھا فوج کے متعدد دستے چوراہوں اور دیگر اہم مراکز پر تعینات تھے۔ نعشوں کو مسلح پولیس کی حفاظت میں قبرستان تک پہنچایا گیا۔ آج کا ہجوم اگرچہ شور انگیز تھا لیکن باایں ہمہ پُر امن رہا۔ آج بعد دوپہر قبرستان میں پچاس ہزار افراد پر مشتمل ہجوم کے ایک حصہ نے نعشوں پر قبضہ کر کے شہر میں ان کا جلوس نکالنے کی کوشش کی، جس سے قدرے جوش اور سنسنی پھیل گئی۔ مزید پولیس کی طلبی کے لیے فوری پیغامات ارسال کیے گئے۔ ممتاز سرکردہ مسلم رہنماؤں کو جن میں خواجہ نظام الدین وزیر تعلیم حکومت بنگال بھی شامل ہیں۔ پیغام طلبی پر پہنچنے کے لیے آپ فوراً قبرستان کی طرف روانہ ہوئے تاہم معلوم ہوا ہے کہ مسلم والنٹیروں نے صورت حالات کو نازک ہونے سے بچا لیا۔ انہوں نے قبرستان کے دروازے بند کر دیے اور اپنے سامنے ایک حلقہ بنا لیا اور اس طرح نعشوں کو لے جائے جانے سے روک لیا۔ پولیس نے والنٹیروں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور کوئی مداخلت نہ کی اور تدفین وغیرہ کے مراسم کسی رکاوٹ کے بغیر عمل میں آئے۔ معلوم ہوا ہے کہ پولیس ایک ہفتہ سے زائد عرصہ تک قبرستان کی حفاظت کرے گی۔



باب چہارم

غازی عبدالقیوم شہید رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۳۴ء میں آریہ سماج حیدرآباد (سندھ) کے سیکرٹری اور سندھ سماچار کے ایڈیٹر نھورام نے مسلمانوں کی دل آزاری کے لیے ایک کتاب بنام ”تاریخ اسلام“ (History of Islam) لکھی جس میں نبی اکرم نور مجسم شفیع معظم رحمت عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان اقدس میں دریدہ و ہنی کا مظاہرہ کیا۔ اس کتاب کی اشاعت سے مسلم اُمہ میں سخت بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور احتجاجی جلسے و جلوس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مسلمانوں نے نھورام کے خلاف عدالتی کارروائی کا رستہ لیا۔ چنانچہ بعد از سماعت حیدرآباد عدالت نے نھورام کو معمولی جرمانہ اور آٹھ ماہ قید سخت کی سزا سنائی۔ بعد ازاں نھورام کی درخواست پر کمشنر کی عدالت نے ضمانت منظور کرتے ہوئے نھورام کو رہا کرنے کا فیصلہ سنا دیا۔

۲۰ ستمبر ۱۹۳۴ء کو مسٹر ڈی ایم قیررس (جوڈیشل کمشنر) اور مسٹر ڈی این اوسلیوان ایڈیشنل جوڈیشل کمشنر پر مشتمل بیچ فوجداری ایپلوں کی سماعت کر رہا تھا، شاتم رسول نھورام بھی اپنے مقدمہ کی سماعت کے لیے کمرہ عدالت میں بیٹھا انتظار کر رہا تھا کہ غازی عبدالقیوم نے عین کمرہ عدالت میں نھورام پر چاقو کے ساتھ حملہ کرتے ہوئے اس کے شکم اور پیٹھ پر کاری وار کیے۔ ملعون نھورام چیخا چلا تازمین پر گر گیا، اسے ہسپتال پہنچایا گیا لیکن شدید مجروح ہونے کے سبب واصل جہنم ہو گیا۔

غازی عبدالقیوم نے اپنے آپ کو بہ خوشی پولیس کے حوالے کر دیا۔ آپ کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا اور اس وقت کے قانون کے مطابق انگریز عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ ایک بار دوران سماعت انگریز جج نے استفسار کیا کہ تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا؟ آپ نے عدالت میں آویزاں برطانوی بادشاہ جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ تصویر تمہارے بادشاہ کی ہے۔ کیا تم اپنے بادشاہ کی توہین کرنے والے کو موت کے گھاٹ نہیں اتارو گے؟ اس ہندو نے میرے آقا و مولیٰ کی شان میں گستاخی کی جسے میری غیرت برداشت نہ کر سکی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس پر حملہ کرنے والا شخص کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔

۲۱ ستمبر ۱۹۳۴ء کو آپ نے عدالت میں بیان دیا:  
 ”ہر وہ شخص جو میرے آقا و مولا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں  
 گستاخی کرتا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ وہ خدا کی توہین کرتا ہے اور میں نے اسی جذبہ  
 سے سرشار ہو کر اپنی زندگی اپنے آقا و مولا پر نچھاور کر دی ہے۔“

(ہفت روزہ الفقیہ، امرتسر۔ مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

۹ اکتوبر کو مسٹر دادی بامہتہ (ایڈیشنل جوڈیشل کمشنر) نے غازی عبدالقیوم کو سزائے موت کا  
 حکم سنایا، جسے آپ نے کمال سکون اور دل جمعی سے سنا اور نعرہ تکبیر بلند کیا۔ نیز جج صاحب کا  
 شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

”جج صاحب! میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے موت کی سزا دی۔ اگر  
 میرے پاس لاکھ جانیں بھی ہوتیں تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس پر قربان کر  
 دیتا۔“

مذکورہ جج نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا:

”مجھے اس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں کہ ملزم کو نتھورام سے کوئی ذاتی عناد نہ تھا  
 بل کہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا ایمان یہی تھا کہ پیغمبر کی ناموس زندگی سے عزیز تر ہے  
 اور اسی جذبے کے ماتحت اس نے یہ جرم کیا۔“

سیشن عدالت سے سزائے موت کے حکم کے بعد مسلمانوں نے اس فیصلہ کو سندھ ہائی  
 کورٹ میں چیلنج کر دیا۔ بیرسٹر سید محمد اسلم نے آپ کی وکالت کرتے ہوئے دوران سماعت تین  
 گھنٹے اقدام قتل کے محرکات پر مدلل بحث کی اور قتل عمد کی سزا سزائے موت کی بجائے قتل بہ سبب  
 اشتعال کی سزا دینے کی تجویز دی لیکن عدالت نے اسے قبول نہ کیا اور اپیل خارج کر دی۔

مسلمانانِ کراچی نے ایک وفد علامہ اقبال کے پاس لاہور بھیجا تا کہ علامہ اقبال  
 وائسرائے سے ملاقات کریں اور اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے غازی عبدالقیوم کی سزائے موت  
 کو عمر قید میں تبدیل کروادیں۔ اس وفد میں ثناء اللہ، عبدالخالق اور حاجی عبدالعزیز شامل  
 تھے۔ ارکان وفد کے پیہم اصرار پر علامہ اقبال نہایت غور و خوض کے بعد یوں گویا ہوئے؛



کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟

ارکانِ وفد نے کہا:

نہیں، اُس نے تو بھری عدالت میں اقبال قتل کیا اور برملا کہتا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے مجھے پھانسی کے پھندے سے بچانے کی کوشش مت کرو۔ یہ سن کر علامہ اقبال نے قدرے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ:

جب وہ کہتا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے تو میں اس کے اجر و ثواب کی راہ میں کیسے حائل ہو سکتا ہوں!!!

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ایسے مسلمان کے لیے وائسرائے کی خوشامد کروں جو زندہ رہا تو ”غازی“ اور مر گیا تو ”شہید“ ہے۔

پھر علامہ مرحوم نے اپنے دلی جذبات کا اظہار یوں کیا:

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور  
موت کیا شے ہے فقط عالم معنی کا سفر  
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ  
قدر و قیمت میں ہے خون جن کا حرم سے بڑھ کر  
آہ اے مرز مسلمان تجھے کیا یاد نہیں  
حرف ”لَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ“

(علامہ کی یہ نظم ”لاہور و کراچی“ کے عنوان سے ضرب کلیم میں موجود ہے۔ اور غازی عبدالقیوم شہید کی

لوح مزار پر درج ہے۔ علامہ مرحوم نے اس نظم میں غازی علم الدین شہید اور غازی عبدالقیوم شہید دونوں کو خراج عقیدت پیش کیا۔)



غازی عبدالقیوم ضلع ہزارہ کے علاقہ ”غازی“ کے رہائشی تھے۔ پیدائش ۱۲/۱۱/۱۹۱۱ء میں ہوئی۔ والدہ کا نام بخت بی بی اور والد گرامی کا نام عبداللہ خان تھا جو کہ ۱۹۳۲ء میں وصال پا چکے تھے۔ آپ کا ایک بڑا بھائی ہمایوں خان (ریٹائرڈ ہیڈ کلرک محکمہ امداد باہمی) اور چھ بہنیں تھیں۔ عدالتی بیان کے مطابق آپ ۱۲/۱۳ برس کی عمر میں کراچی آ گئے اور دس سال یہیں مقیم

رہے۔ تقریباً ۲۲ سال کی عمر میں آپ کی شادی ”دریائی خانم“ نامی پاک باز دوشیزہ سے ہو گئی۔ شادی کے بعد تلاشِ روزگار میں اپنے چچا رحمت اللہ خان کے پاس کراچی میں مقیم تھے۔ یہاں آپ گھوڑا گاڑی چلاتے تھے۔

بچپن سے ہی علومِ دینیہ کی تحصیل، تلاوتِ قرآن، تسبیح و تہلیل کا شوق تھا۔ پنج گانہ نماز کی پابندی کے ساتھ ساتھ نوافل بھی ادا کرتے۔ نھورام کی اس ناپاک جسارت کا علم آپ کو کھارادر میں واقع میمن مسجد میں آویزاں ایک اشتہار سے ہوا۔ اشتہار پڑھتے ہی آپ کو جوش آ گیا، اگلے دن ہی بازار سے چاقو خریدا، اور آئندہ پیشی میں عدالت کے کمرہ میں دورانِ سماعت ہی ملعون نھورام کا کام تمام کر دیا۔ آپ پر قتلِ عمد کا مقدمہ چلا اور بالآخر ۱۹ مارچ ۱۹۳۵ء علی الصبح آپ کو پھانسی دے دی گئی۔ غازی صاحب نے تمام رات نوافل اور تلاوتِ قرآن میں گزاری اور بہ صد شوق شہادتِ جانبِ مقتل روانہ ہوئے۔

رائے محمد کمال رقم طراز ہیں:

۱۴ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو صبح دس بجے حضرت غازی علیہ الرحمۃ سے ان کے رشتہ داروں کی ایک ملاقات ہوئی۔ غازی موصوف بہ وقت ملاقات تلاوتِ قرآن حکیم میں محو تھے اور بے حد ہشاش بشاش نظر آئے۔ والدہ محترمہ نے فرمایا:

بیٹا میں خوش ہوں کہ تم نے ناموس سرور کونین (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) پر اپنے آپ کو قربان کر دیا۔

[غازی صاحب] نے جملہ لواحقین کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا:

یہ جانِ ناتواں شمعِ رسالت پر جب نثار ہو جائے اور میں شہید کر دیا جاؤں تو آپ نہایت صبر اور حوصلے سے کام لیں اور اگر تم میں سے کسی نے ایک آنسو بھی بہایا تو سرورِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس سے دامن گیر ہوں گا۔ ازاں بعد طمانیتِ قلبی السلام علیکم کہہ کر آپ اپنے محبوب ترین شغلِ دوامی تلاوتِ کلام اللہ العزیز میں مشغول ہو گئے۔

(ماہ نامہ نعت، لاہور۔ شہیدانِ ناموس رسالت نمبر: ۸، بابت اپریل ۱۹۹۱ء)

آپ کے جنازہ کے اجتماع میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی اور شہید ناموس رسالت کو نہایت عقیدہ و احترام کے ساتھ علاقہ میوہ شاہ (کراچی) کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔



## غازی عبدالقیوم کے جلوس جنازہ پر فائرنگ

غازی صاحب کے جنازہ پر انگریز فوج کی فائرنگ کے اسباب اور اس کے نتیجے میں شہید اور مجروح ہونے والے مسلمانوں کی تعداد بارے مورخین نے مختلف کلام کیا ہے۔ بعض کے مطابق ۱۲۲ مسلمان شہید ہوئے اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ لیکن معاصر شواہد اس کی تائید نہیں کرتے۔ جناب راجا رشید محمود صاحب اپنے مقالہ ”غازی عبدالقیوم کے جنازے میں شریک سوگوار مسلمانوں پر فائرنگ“ میں ایس ایم شفیع (سیکرٹری مسلم ریلیف کمیٹی، کراچی) کے رسالہ ”عبدالقیوم کی شہادت اور کراچی کے حادثہ خونیں کے متعلق صحیح حالات“ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کل ۴۹ مسلمان شہید اور تقریباً ایک سو کے قریب مجروح ہوئے۔ (ماہ نامہ نعت، لاہور۔ شہیدان ناموس رسالت نمبر: ۲۶، بابت اپریل ۱۹۹۱ء)

کم و بیش اتنی ہی تعداد کا ذکر معاصر ہفت روزہ اخبار الفقہ، امرت سر کی اشاعت ۲۸/۲۱ مارچ ۱۹۳۵ میں ملتا ہے۔

جلوس پر فائرنگ بارہ بج کر چالیس منٹ پر کی گئی جب کہ جلوس چاکو اڑھ عید گاہ کی طرف گامزن تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے اس حادثہ کو انتظامیہ کی مجرمانہ غفلت قرار دیتے ہوئے آزاد تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دینے کا مطالبہ کیا، جسے انگریز حکومت نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔



نیر اسلام ۲۲ اگست ۱۹۳۲ء

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی کرنے والے کا عبرت ناک انجام کراچی، ۲۰ ستمبر: آج مسٹر ڈی ایم فیروز جوڈیشل کمشنر اور مسٹر ڈی این او میلوان ایڈیشنل جوڈیشل کمشنر کی عدالت میں مہاراج نھورام کے ایک مرافعہ کی سماعت تھی۔ مہاراج نھورام نے ایک کتاب موسومہ ”تاریخ اسلام“ لکھی تھی جس میں اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس پر گستاخانہ حملے کیے تھے چنانچہ اس پر مقدمہ چلایا گیا اور سیشن جج حیدرآباد سندھ کی عدالت سے اسے ڈیڑھ سال قید با مشقت کی سزا کا حکم سنایا گیا تھا۔ اس فیصلہ کے خلاف اس نے مرافعہ دائر کیا جس کی آج سماعت ہو رہی تھی کہ اس پر چاقو سے حملہ ہوا، اور وہ شدید مجروح ہوا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ نھورام ضمانت پر رہا تھا۔ وہ عدالت میں ایک بیچ پر بیٹھا ہوا مقدمہ کی سماعت کا انتظار کر رہا تھا کہ پاس ہی کے بیچ پر سے جس پر چند مسلمان بیٹھے تھے ایک آدمی چاقو سے نھورام پر حملہ آور ہوا۔ نھورام کی پشت پر کاری زخم لگا اور وہ ہائے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے ایک آدمی نے سنبھال لیا، اتنے میں حملہ آور نے دوسرا اور اس کے پیٹ پر کیا۔ نھورام فرش پر گر گیا۔ عدالت کے کمرہ میں سخت سنسنی پھیل گئی، لوگ بدحواس ہو گئے۔ ججوں نے اسی وقت عدالت برخاست کر دی۔ نھورام فوراً ہسپتال بھجوا دیا گیا اور دو آدمیوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ بعد کی اطلاع مظہر ہے کہ نھورام ہسپتال میں مر گیا ہے۔



انقلاب ۲۲ ستمبر ۱۹۳۲ء

رسول کریم کی شان میں گستاخی کرنے والے ہندو کے چاقو گھونپ دیا گیا

”تاریخ اسلام“ کے سزا یافتہ مصنف کا اپیل

کراچی، ۲۰ ستمبر: جس وقت مسٹر ڈی ایم قیررس جوڈیشل کمشنر اور مسٹر ڈی این او سیوان ایڈیشنل جوڈیشل کمشنر پر مشتمل بیچ مرافعہ فوجداری کے ایپلوں کی سماعت کر رہا تھا تو مہاراج نھورام

رام جس کو اس کی مصنفہ کتاب ”تاریخ اسلام“ میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں اس کے گستاخانہ تحریر کے جرم میں سیشن جج حیدرآباد کی عدالت سے آٹھ (۸) ماہ قید سخت کی سزا ہوئی تھی۔ ایک بارگی چاقو گھونپ دیا گیا۔

نھو رام مذکور نے جو ضمانت پر رہا تھا، عدالت ماتحت کے فیصلہ کے خلاف پنج میں اپیل دائر کیا تھا۔ وہ عدالت موصوفہ میں حاضر تھا اور انتظار کر رہا تھا کہ اب اس کے اپیل کی سماعت کی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ حملہ آور نے جو بعض دوسرے مسلمانوں کے ساتھ نھو رام کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ چاقو نھو رام کی پیٹھ میں گھونپ دیا۔ نھو رام چلا یا۔ اور کہا جاتا ہے کہ ایک اور شخص آگے بڑھا اور اس نے حملہ آور کو پکڑ لیا مگر حملہ آور نے پھر نھو رام کے شکم میں چاقو مارا۔ نھو رام زمین پر گر پڑا، اس کے جسم سے خون بہ رہا تھا۔ اس وقت اس کی حالت نازک تھی، اس کو ہسپتال پہنچایا گیا، اس سلسلے میں گرفتار کیے گئے ہیں۔

جوڈیشنل کمشنر کی عدالت میں جس نھو رام پر حملہ کیا گیا تھا، وہ سول ہسپتال جا کر مر گیا

ہے۔



انقلاب ۳۰ ستمبر ۱۹۳۲ء

### نھو رام کا قتل اور کراچی کے ہندو

ایک بد زبان کو شہید بنایا جا رہا ہے۔ جوڈیشنل کمشنر کراچی کی عدالت کے کمرے میں ایک شخص نھو رام جس نے ”تاریخ اسلام“ کے نام سے ایک کتاب لکھ کر اسلام اور شارع اسلام کو نشانہ سب و شتم بنایا تھا۔ عین دوپہر کے وقت قتل کر دیا گیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ قاتل نے پولیس کے سامنے اعتراف کیا کہ نھو رام کو اسی نے قتل کیا ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں کا یہی انجام ہونا چاہیے۔

ہم نے اس واقعہ پر اب تک ایک حرف نہیں لکھا۔ ہمارا خیال یہ تھا کہ کراچی کے ہندو اور مسلمان ہوش مندی سے کام لے کر اپنے شہر کی فضائے امن کو صاف رکھیں گے اور ایسی حالت میں بیرونی جرائم کو زیادہ تر مصلحت آمیز خاموشی ہی سے کام لینا چاہیے لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہندوؤں نے ایک بد زبان اور بد آہنگ شخص کو جس نے کروڑوں انسانوں کا دل

دکھایا۔ ”شہید“ قرار دے دیا۔ اس کے اعزاز میں ہڑتال کی۔ اس کے ماتم میں جلسے منعقد کیے۔ اس کی اُرتھی کا عظیم الشان جلوس نکالا اور اسے ایک قسم کا قومی ہیرو بنایا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ہم اس قسم کے واقعات قتل کو اچھا نہیں سمجھتے، اس لیے کہ شریعت اسلامی کے ماتحت اگرچہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کی سزا قتل ہے لیکن سزا کا نفاذ بہر حال سلطنت کا کام ہے۔ افراد کو اس کا استحقاق حاصل نہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مسلمان ہر قسم کی ذلت برداشت کر سکتے ہیں لیکن اپنے آقا و مولیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان میں کوئی کلمہ توہین نہیں سن سکتے۔ آج کل کراچی کے ہندو شور مچا رہے ہیں اور پنجاب کے ہندو اخبارات ان کی ہاں میں ہاں ملارہے ہیں کہ یہ قتل کسی گہری سازش کا نتیجہ ہے حالانکہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ ان کا یہ قول مضحکہ خیز حد تک غلط ہے۔ مسلمانوں کا ایسے معاملات میں کسی سازش کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ جب کبھی ان کے آقا پر حملہ کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی ایسا جان باز ضرور نکل آتا ہے جو اس حملے کا انتقام لے لیتا ہے اور اپنی جان اپنے آقا کی عزت پر نثار کر دیتا ہے۔ اگر عوام اسے ”غازی“ اور ”شہید“ اور ”عاشق رسول“ کہیں، اس کی یادگار قائم کریں اور اس کی شان میں گیت گاتے پھریں تو ان کا یہ جذبہ مذہبی و معاشرتی اعتبار سے جائز ہو یا نہ ہو۔ نفسیاتی اعتبار سے تو بالکل طبعی ہے لیکن جب ہندو اپنے کسی بد زبان و بد آہنگ مصنف یا ناشر کو جو کروڑوں انسانوں کا دل دکھاتا ہے اور بلاوجہ بائیان مذاہب کو گالیاں دیتا ہے۔ ”شہید“ کہہ کہہ کر بانس پر چڑھاتے ہیں تو اس عمل کی معقولیت ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔

اول الذکر جذبہ، جوش اسلامی، حمیت مذہبی، سرفروشی اور ایثار جیسی خوبیوں کی قدردانی پر مبنی ہے اور آخر الذکر جذبہ کی اصل یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے پیروؤں کو زیادہ سے زیادہ روحانی تکلیف پہنچانے والے کی عزت کی جاتی ہے۔ یقیناً یہ ذہنیت بہت ہی مکروہ اور اخلاق عالیہ کے سخت منافی ہے۔

آج کل سندھ میں ہندوؤں کے جلسے منعقد ہو رہے ہیں جن میں نتھورام کی یادگار قائم کرنے کے لیے اپیلیں کی جا رہی ہیں اور ہندو انجمنیں عن قریب نتھورام کا ”یوم“ منانے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ یہ ان جلسوں میں مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز باتیں کہی جاتی ہیں

اس واقعہ سے سیاسی فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے مثلاً ایک مقرر نے کہا کہ ”اگر سندھ بمبئی سے الگ کر دیا گیا تو اس صوبے کے ہندوؤں کے جان و مال کی حفاظت کی کیا ضمانت ہے۔“ کس قدر احمقانہ بات ہے۔ ہندوؤں نے اپنی اکثریت کے صوبوں میں مسلمان اقلیتوں کو کون سی ضمانت دے رکھی ہے جو وہ سندھ میں مسلمانوں سے چاہتے ہیں۔ غرض آج کل نہ صرف کراچی، بل کہ سندھ کے بعض دوسرے مقامات پر بھی ہندوؤں کے جذبات کا بھڑکایا جا رہا ہے اور فضائے حالات نہایت خطرناک ہو رہی ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ قیام امن و امان کے مقاصد کے لیے اس قسم کے زہریلے مظاہروں، جلوسوں اور جلسوں کو روک دے ورنہ اس کے نتائج نہایت افسوس ناک ہوں گے۔



انقلاب ۲۹ ستمبر ۱۹۳۲ء

نتھورام کے قتل کا مقدمہ

کراچی، ۲۷ ستمبر؛ آج مہاراج نتھورام کے مبینہ قاتل عبدالقیوم کو جیل کے اندر ایڈیشنل سٹی مجسٹریٹ کے روبرو پیش کیا گیا جس نے اسے عدالت سشن کے سپرد کر دیا۔ ملزم نے جرم کا اقرار کر لیا ہے۔



الفقیہ ۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء

## غازی عبدالقیوم کا مجاہدانہ بیان

- ☆ میرے آقا و مولا کے ناموس پر حملہ کرنے والا شخص کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔
  - ☆ یہ عقیدہ میرا جزو ایمان ہے اور میں نے اسی جذبہ سے سرشار ہو کر نھو رام کو قتل کر دیا۔
  - ☆ مجھے کسی شخص نے اس فعل کی ترغیب نہیں دی اور نہ میں نے اپنا ارادہ آج تک کسی پہ ظاہر کیا۔
  - ☆ میں یہ بیان بہ قائمی ہوش و حواس دے رہا ہوں اور اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم پر بہ خوشی
- نچھاور ہو رہا ہوں۔

میں سندھی زبان نہیں جانتا۔ میں ضلع ہزارہ کا رہنے والا ہوں۔ میری عمر ۱۲/۱۳ سال تھی جب میں کراچی آیا۔ کراچی میں میرا قیام دس سال رہا۔ اس عرصہ میں گاہے گاہے وطن بھی جایا کرتا تھا۔ میں کراچی میں گھوڑا گاڑی چلاتا تھا اور رنچھوڑ لائن میں رہتا تھا۔ کراچی میں میرے کئی رشتہ دار اور ہم قوم رہتے ہیں لیکن کسی مولوی یا بابا زسوخ مسلمان سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ پانچ چھ ماہ ہوئے، میں وطن گیا اور تقریباً چھ ماہ تک وہاں رہا۔ وہاں میری مزروعہ زمین ہے اور میں اسے کاشت کرتا ہوں۔ میرے کوئی اولاد نہیں۔ میری شادی کو صرف تین مہینے ہوئے ہیں۔

اب کے میں ۱۲ ستمبر کو کراچی آیا۔ میں ملازمت تلاش کرتا رہا لیکن مجھے کہیں ملازمت نہیں ملی۔ پچھلی مرتبہ وطن جانے سے پہلے میں نے سنا کہ ایک بپے نے جو اخبار سندھ ساچار، حیدرآباد کا ایڈیٹر تھا۔ ایک پمفلٹ شائع کیا ہے جس میں اس نے ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے۔ اس وقت میں اس بپے کو نہیں جانتا تھا اور نہ میں نے اسے کبھی دیکھا تھا۔ اس وقت میں برسروزگار تھا اور گاڑی چلایا کرتا تھا۔ اس وقت بھی میرا خون کھولاؤ کے درجہ تک پہنچ چکا تھا لیکن میں کچھ نہ کر



سکتا تھا کیوں کہ اس پنیے تک پہنچنے کا کوئی طریقہ نہ تھا۔

میں تھوڑی مدت کے بعد گھر چلا گیا اور جب لوٹ کر آیا تو میں نے ۱۸ ستمبر کو سنا کہ اس پنیے کو اس کے جرم کی پاداش میں دو سال قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا دی جا چکی تھی اور میں نے یہ بھی سنا کہ اس نے اس فیصلہ کے خلاف مرافعہ دائر کر رکھا تھا اور عدالت عالیہ میں ۱۹ ستمبر کو اس کی سماعت ہونے والی ہے۔ میں نے یہ بات میمن مسجد میں سنی جو چھاؤنی میں ہے اور جہاں میں اکثر فریضہ نماز ادا کیا کرتا ہوں۔

میں خصوصیت کے ساتھ یہ نہیں بتا سکتا کہ فلاں شخص نے مجھے یہ واقعات سنائے۔ مسجد میں باتیں کرنے والے بہت سے مسلمان تھے جو سب کے سب کراچی کے تھے لیکن ذاتی طور پر ان میں سے کسی کو نہیں جانتا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ سندھی تھے، پنجابی تھے، پٹھان تھے یا کون تھے۔

میں ۱۹ ستمبر ۱۹۳۴ء کو عدالت عالیہ میں متذکرۃ الصدر مقدمہ سننے کے لیے گیا لیکن وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ اس پنیے کے مرافعہ کی سماعت ۲۰ ستمبر کو ہوگی۔ چنانچہ میں واپس چلا آیا۔

کل ۲۰ ستمبر ۱۰ بجے میں نے چونا مارکیٹ میں ایک پنیے کی دکان سے چاقو خریدا اور وہیں بخارا کے ایک حاجی سے تیز کرایا۔ میں نے چاقو اپنی واسکٹ کی اندرونی جیب میں چھپا لیا اور ساڑھے دس بجے عدالت عالیہ کی طرف چل دیا۔ میں عدالت عالیہ کی طرف یکہ وتہا گیا، میرے ساتھ کوئی اور شخص نہیں تھا۔ مجھے عدالت کے باہر بنیا نظر نہیں آیا۔ ساڑھے گیارہ بجے عدالت کے کمرہ میں گیا اور میں نے دیکھا کہ ایک بیچ پر بنیا بھی بیٹھا تھا۔ کئی آدمی جو وہاں آتے تھے اس کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ میں اشارہ کرنے والے کے متعلق کوئی تخصیص نہیں کر سکتا اور نہ مجھے ان لوگوں میں سے کسی کا نام تک معلوم ہے جو وہاں بیٹھے تھے۔ میں بھی وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ میرے اور پنیے کے درمیان ایک اور آدمی بیٹھا تھا۔ مجھے جب یقین ہو گیا کہ

یہ بنیا جو میرے قریب بیٹھا تھا وہی ہے جس کی مجھے جستجو تھی تو ایک بار پھر مارے جوش کے میرے بدن میں خون کھولنے لگا۔

میں نے چپ چاپ اپنی جیب سے چاقو نکالا اور گھٹنا اٹھا کر اس کی اوٹ میں اسے کھولا، تا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ اس کے بعد میں کھڑا ہو گیا، میں نے چاقو پیسے کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ ممکن ہے پیسے نے مجھے چاقو نکالتے دیکھا ہو لیکن اسے یہ گمان ہرگز نہ ہوا ہوگا کہ میں اسے قتل کر دوں گا۔ پہلے دار کے بعد بنیا گر گیا، اس پر میں نے اس کی پشت پر ایک اور وار کیا۔ اتنے میں لوگ اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے مجھے پکڑ لیا۔

میں بڑے اطمینان اور سکون سے بیٹھا رہا، میں نے بھاگنے کی مطلق کوشش نہ کی۔ میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا تھا کہ میں کیا کرنے والا ہوں۔ مجھے کسی نے اس کام کی ترغیب نہیں دی اور نہ ایسا کرنے کا ایما کیا۔ میں نے اپنا ارادہ کسی رشتہ دار کے سامنے بھی ظاہر نہیں کیا۔

ہر وہ شخص جو میرے آقا و مولا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ وہ خدا کی توہین کرتا ہے اور میں نے (یعنی عبدالقیوم نے) اسی جذبہ سے سرشار ہو کر اپنی زندگی اپنے آقا و مولا پر نچھاور کر دی ہے۔

دستخط علی بخش

ایڈیشنل سٹی مجسٹریٹ، کراچی

مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۳۴ء

مجسٹریٹ کی طرف سے مہر تصدیق

میں نے عبدالقیوم ولد عبداللہ خان پر یہ امر واضح کر دیا ہے کہ اقبال جرم کے لیے اس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا گیا اور یہ بات بھی اسے صاف صاف سمجھا دی ہے کہ اس کا اقبال جرم اسی کے خلاف بہ طور شہادت پیش ہوگا۔

اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس نے پوری رضامندی سے اقبال کیا ہے۔ اس کا بیان میری موجودگی میں قلم بند ہوا، اور میں نے اسے اپنے کانوں سے سنا۔ اس کے بعد یہ بیان مجھے اور عبدالقیوم دونوں کو پڑھ کر سنایا گیا جسے عبدالقیوم نے درست تسلیم کیا اور یہ عبدالقیوم کا پورا اور لفظ بہ لفظ صحیح بیان ہے جو اس نے میرے روبرو دیا ہے۔  
دستخط علی بخش

ایڈیشنل سٹی مجسٹریٹ، کراچی

مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۳۴ء



نیر اسلام، لاہور ۸ اکتوبر ۱۹۳۴ء

شمار رسالت کے پروانے غازی عبدالقیوم کو پھانسی کی سزا دے دی گئی

غازی موصوف نے جج کے فیصلہ کو کمال سکون اور دل جمعی سے سنا  
فیصلہ سن کر غازی نے جج کا شکریہ ادا کیا اور ”اللہ اکبر“ کا نعرہ بلند کیا  
کراچی، ۹ اکتوبر: مسٹر دادی بامہتہ ایڈیشنل جوڈیشنل کمشنر نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا:  
”مجھے اس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں کہ ملزم کو تھو رام سے کوئی ذاتی عناد نہ تھا  
بل کہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا ایمان یہی تھا کہ پیغمبر کی ناموس زندگی سے عزیز تر ہے  
اور اسی جذبے کے ماتحت اس نے یہ جرم کیا۔“

مزید براں مسٹر مہتہ نے کہا:

”کوئی شخص قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا مجاز نہیں بل کہ مذہب کی توہین  
کرنے والوں کی سزا حکومت کے ہاتھ ہے۔“

بعد ازیں مسٹر دادی بانے اپنے فیصلہ میں کہا:

”اگرچہ ملزم سخت مشتعل ہوا تھا لیکن وہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۰۰ سے کسی  
صورت بھی بری نہیں ہو سکتا۔ ملزم کے جذبات کو مشتعل ہونے کئی مہینے ہو چکے تھے،

اس دوران میں اس کے غصہ کی آگ کو ٹھنڈا ہو جانا چاہیے تھا۔ ہم ملزم کی نیت کے ذمہ دار نہیں بل کہ ہم تو اس کے اعمال سے سروکار رکھتے ہیں۔ مسلمان اسلام کے قانون کے مطابق من مانی کارروائی نہیں کر سکتے اور ملک کا قانون کسی مذہب و ملت میں تفریق نہیں رکھتا۔“

غازی صاحب نے جج کا فیصلہ نہایت خندہ پیشانی سے سنا اور اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے غازی نے ”اللہ اکبر“ کا ایک جاں فزا نعرہ لگایا اور کامل سکون سے پولیس کے ساتھ چل دیا۔



انقلاب ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۴ء

## غازی عبدالقیوم سے ان کی والدہ کی ملاقات

کراچی۔ ۱۰ اکتوبر۔ مورخہ ۱۷ اکتوبر کو مسلمانان کراچی کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں ایک قرارداد کے ذریعہ سے بعض ہندو مقررین کی دل آزار روش پر اظہارِ نفرت کیا گیا۔ ۶ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو صبح دس بجے غازی عبدالقیوم صاحب سے ان کے رشتہ داروں کی کراچی جیل میں ملاقات ہوئی جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

غازی صاحب بہ وقت ملاقات تلاوت قرآن مجید میں مصروف تھے اور نہایت بشاش نظر آتے تھے۔ والدہ محترمہ نے فرمایا کہ بیٹا میں خوش ہوں کہ تم نے ناموس سرور کو نین صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ اگر کچھ خیال ہے تو صرف اتنا کہ اگر تمہارے دل میں یہی جوش قربانی تھا تو تمہاری شادی جس کو صرف قلیل عرصہ تین ماہ کا ہوا۔ نہ کرتی۔ غازی صاحب صرف ایک سیکنڈ خاموش رہ کر فرمانے لگے کہ ماں جو لوگ رات کو شادی کرتے ہیں اور صبح مر جاتے ہیں۔ آخر ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ والدہ محترمہ نے خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے غازی صاحب سے دعا کے لیے کہا۔ غازی صاحب نے نہایت خضوع اور خشوع سے بارگاہِ الہی میں ہاتھ اٹھا کر بہ تعمیل حکم والدہ ماجدہ سب کے لیے دعا کی۔ اس کے بعد اہلیہ محترمہ غازی صاحب نے فرمایا کہ

میں نے آپ کو اپنے حقوق معاف کر دیے چنانچہ جزاک اللہ فرما کر غازی صاحب نے ان کے لیے دعائے صبر فرما کر آخر میں جامع اور مختصر الفاظ میں اپنی والدہ و زوجہ محترمہ و برادر حقیقی و ہمشیرگان و جملہ اقارب کو تلقین صبر فرماتے ہوئے فرمایا کہ: یہ جان ناتواں شمع رسالت پر جب نثار ہو جائے اور میں شہید کر دیا جاؤں تو تم کو انتہائی صبر سے کام لینا چاہیے۔ اگر تم میں سے کسی شخص نے ایک آنسو تک بہایا تو میں سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روبرو اس کا دامن گیر ہوں گا۔ اس کے بعد نہایت طمانیت سے السلام علیکم کہہ کر غازی صاحب اپنے محبوب ترین مشغول دوامی تلاوت کلام اللہ العزیز میں مشغول ہو گئے اور نہایت صبر سے اقارب واپس تشریف لے آئے اور ۸ اکتوبر کی تاریخ کا کارروائی کا انتظار کرنے لگے۔

۵ اکتوبر کی شب کو سنٹرل جیل کراچی کے وارڈ نے جو پہرہ دے رہا تھا۔ دیکھا کہ غازی اعظم عبدالقیوم خاں کی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور تمام کوٹھڑی روشنی سے بقتعہ نور بنی ہوئی ہے اور دو سفید ریش بزرگ نورانی چہرہ غازی صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور غازی صاحب سے ہم کلام ہیں اور غازی صاحب کلام مجید سامنے رکھے ہوئے تلاوت میں مشغول ہیں۔ وارڈ یہ دیکھ کر گھبرا گیا اور دوڑ کر چند اور وارڈوں کو بلا لایا۔ انہوں نے بھی اس خرق عادت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جب یہ لوگ واپس آئے تو دروازہ بند اور کوٹھڑی میں تاریکی ہو چکی تھی۔

(نامہ نگار)



انقلاب ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۳ء (اداریہ)

## جنگ بہادر کو دو سال قید اور عبدالقیوم کو پھانسی

بین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

حسب توقع غازی عبدالقیوم کو کراچی کی عدالت نے سزائے موت کا حکم سنایا جہاں عدالت بھی غیر مسلم ہو اور جیوری میں بھی کوئی مسلمان نہ ہو۔ وہاں عدالت اور جیوری کے ارکان یہ اندازہ کیونکر لگا سکتے تھے کہ وہ کون سی آگ تھی جس نے عبدالقیوم کو جرم قتل کے ارتکاب پر مجبور کر دیا، اس چیز کو تو مسلمان ہی سمجھ سکتا ہے۔ سید محمد اسلم بیرسٹریٹ لاء جنھوں نے عبدالقیوم کی طرف سے مقدمے کی پیروی نہایت قابلیت اور سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ کی۔ عدالت اور جیوری کو قانونی نکات تو سمجھا سکتے تھے لیکن ان کے قلوب میں یہ احساس کیونکر داخل کر سکتے تھے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت مسلمان کے نزدیک جان، مال، ناموس، قانون، حکومت غرض بڑی سے بڑی دنیاوی چیز سے زیادہ قیمتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ان حضرات کو اس جذبہ مقدسہ کا عمق معلوم نہیں لیکن کم از کم ان کو یہ تو سوچنا چاہیے تھا کہ عبدالقیوم کو مہراج نھورام سے کوئی ذاتی عناد نہ تھا۔ ان دونوں کے درمیان کوئی زر، زن، زمین کا جھگڑا نہ تھا۔ مہراج نھورام نے ”تاریخ اسلام“ میں مسلمانوں کے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہرزہ سرائی کر کے ان کو ناقابل برداشت اشتعال دلایا تھا۔ اگر ایسی حالت میں ایک پرجوش مسلمان نے محض حرمت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاطر اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر نھورام کو قتل کر دیا تو یقیناً قانون کے پاس ایسی گنجائشیں میں موجود تھیں جن سے کام لے کر عبدالقیوم کو کم از کم پھانسی سے بچایا جاسکتا تھا۔ عدالتوں میں بے شمار ایسے مقدمات پیش ہوتے ہیں جن میں جرم قتل ثابت ہو جانے کے مجرم کو پھانسی کی سزا نہیں دی جاتی۔ ابھی چند ہی سال گزرے جنگ بہادر بی اے ایک گورکھانو جوان نے کلکتہ میں ایک اگر وال سیٹھ کو محض اس لیے قتل کر دیا کہ وہ کسی گورکھا لڑکی سے ناجائز تعلقات پیدا کرنا چاہتا تھا اور جنگ بہادر اس امر کو

اپنی قومی توہین محسوس کرتا تھا حالاں کہ ہندوستان میں اس قسم کے واقعات ہر روز ہزاروں پیش آتے ہیں لیکن کوئی ہندو یا مسلمان بد معاشوں کے باہم تعلقات کو قومی مسئلہ نہیں بناتا۔ جنگ بہادر صاحب نے ایک دن آؤ دیکھا نہ تاؤ دیکھا اور اس اگر وال سیٹھ کو قتل کر دیا۔ مقدمہ چلا۔ سارا بنگال جنگ بہادر کی حمایت پر کھڑا ہو گیا جا بجا جلسے اور مظاہرے ہونے لگے۔ جنگ بہادر کو ”عورت کی ناموس کا محافظ“ قرار دے کر خوب بانس پر چڑھایا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جرم قتل ثابت ہو جانے کے باوجود عدالت نے اس کو آٹھ سال قید کی سزا دی۔ ابھی اس سزا پر ڈیڑھ سال کی مدت گزری تھی کہ بنگالی عورتوں نے عظیم الشان مظاہرے شروع کر دیے اور گورنر سے اپیل کی کہ جنگ بہادر کی بقیہ سزا منسوخ کر دی جائے چنانچہ یہ ”قاتل“ صرف دو سال کی سزا بھگتنے کے بعد خیر و عافیت کے ساتھ گھر پہنچ گیا۔

اگر ایک ہم قوم لڑکی کی ناموس کے لیے کسی شخص کو قتل کر دینے والا نو جوان صرف دو سال قید کا مستوجب ہوتا ہے تو پھر یہ کس قدر نا انصافی ہے کہ چالیس کروڑ مسلمانوں کے قلوب کو ناقابل برداشت تکلیف پہنچے اور اس تکلیف کے پہنچانے والے کو جو غیرت مند شخص قتل کر دے، اسے بے تکلفی کے ساتھ پھانسی کی سزا کا حکم سنا دیا جائے۔ عدالت اور جیوری کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان کے نزدیک اس کی اپنی بیوی، بیٹی، ماں، بہن اور تمام مسلمان عورتوں کی ناموس حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و ناموس کے سامنے پرکاہ جتنی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر جنگ بہادر محض ایک نیپالی لڑکی کی ناموس کو بچانے کے لیے قتل کا مرتکب ہونے کے باوجود صرف دو سال قید کا مستوجب ٹھہرایا جاتا ہے تو عبدالقیوم دنیا کے سب سے بڑے انسان کی حرمت کے لیے قتل کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے پھانسی کے قابل کیوں سمجھا گیا۔ اگر وہاں بنگال کی عورتیں جنگ بہادر کو پھانسی سے بچانے کے لیے حکومت کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھیں تو عبدالقیوم کے لیے آٹھ کروڑ نہیں بل کہ چالیس کروڑ مسلمانانِ عالم مضطرب ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ اس معاملے کی طرف ہمدردانہ توجہ کرے اور عبدالقیوم کو ہرگز سزائے موت نہ دے۔ ہمارے نزدیک مسلمانانِ ہند کو اس مقصد کے لیے ایک پُر زور اور مسلسل ایچی ٹیشن شروع کر دینی چاہیے۔



انقلاب ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء

## عبدالقیوم ڈیفنس کمیٹی کا وفد لاہور میں

لاہور ۲۹ اکتوبر۔ حاجی عبدالعزیز کراچی سے بہ ذریعہ برقیہ ذیل کی اطلاع دیتے ہیں:  
 ”قاضی عبدالقیوم ڈیفنس کمیٹی کا ایک وفد ۳۱ اکتوبر کو بہ ذریعہ کراچی میل  
 لاہور پہنچ رہا ہے۔ کل رات ایک جلسہ کا انتظام کیا جائے، اراکین وفد مقامی وکلاء  
 سے مشورہ لیں گے۔“



انقلاب ۹ نومبر ۱۹۳۴ء

## غازی عبدالقیوم ڈیفنس کمیٹی کا وفد لاہور میں

غازی عبدالقیوم ڈیفنس کمیٹی کا وفد لاہور پہنچ گیا ہے، زندہ دلان پنجاب ہمیشہ اسلام کی  
 حرمت برقرار رکھنے میں بے انتہاء غیر ثابت ہوئے ہیں۔ ہمیں مسلمانوں سے پوری توقع ہے  
 کہ وہ اس محترم وفد کی پذیرائی اور امداد میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کریں گے۔



انقلاب ۱۴ نومبر ۱۹۳۴ء

## نتھورام کی ”تاریخ اسلام“ ضبط

گورنر بمبئی بہ اجلاس کونسل نے ۱۸۹۸ء کے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۹۹ء کے ماتحت  
 من درجہ ذیل دور سالوں کی اشاعت کو ممنوع قرار دیا ہے:

۱۔ تاریخ اسلام بہ زبان سندھی

۲۔ علماء اسلام سے سوالات بہ زبان سندھی



یہ دونوں رسالے ویسنی مل گبیا مل نے شری وسرتھ پرنٹنگ پریس حیدرآباد میں چھپوائے ہیں اور نتھیری مل کیما تری شرما لکانی ملین حیدرآباد سندھ نے ان کو شائع کیا ہے۔ ان رسالوں کی دوبارہ اشاعت ان کے تراجم یا ان کے اقتباسات کو بحق ملک معظم ضبط شدہ قرار دیا گیا ہے کیوں کہ گورنر باجلاس کے خیال میں یہ رسالہ جات ایسے مواد کے حامل ہیں جو تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۵ اے کے ماتحت سزا کے مستحق ہیں۔



انقلاب ۲۳ نومبر ۱۹۳۲ء

غازی عبدالقیوم کے اپیل کی سماعت ۲۶ نومبر کو ہوگی

سماعت کنندہ عدالت دو ہندو ججوں پر مشتمل ہے

کراچی، ۲۱ نومبر۔ مہاراج نھورام کے قتل کے سلسلے میں غازی عبدالقیوم خان کی سزائے موت کے خلاف اپیل کی سماعت ہنوز نہیں ہوئی۔ تقریباً بارہ ہندو اور مسلمانوں کے نام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کراچی نے دفعہ ۱۳۴ کے ماتحت امتناعی احکام جاری کیے ہیں۔ ان میں ایک حکم یہ بھی ہے کہ مذکورہ بالا اشخاص کوئی اشتعال انگیز تقریریں نہ کریں جن سے فرقہ واریت جذبات برانگیختہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ اپیل کی سماعت کے لیے ۲۶ نومبر کی تاریخ مقرر ہوئی ہے۔ اپیل کی سماعت ایک خاص پنچ کرے گا جو مسٹر روپ چند بیلا رام اور حویلی والا ایڈیشنل جوڈیشل کمشنران پر مشتمل ہے۔



انقلاب ۲۹ نومبر ۱۹۳۲ء

حاجی محمد یونس غازی عبدالقیوم کے مقدمہ کی پیروی کے لیے آرہے ہیں

علماء زعماء اور مسلم نمائندوں کا پچاس ہزار کا اجتماع۔ کراچی میں حاجی محمد یونس کا شاندار خیر مقدم

کراچی ۲۷ نومبر: حاجی عبدالعزیز صاحب بہ ذریعہ برقی پیغام مطلع فرماتے ہیں:

پچاس ہزار مسلمانان کراچی کے عظیم الشان اجتماع نے جو ارکان اسمبلی، کونسل، علماء اور

اسلامی انجمنوں کے نمائندوں پر مشتمل تھا۔ جناب حاجی محمد یونس صاحب بیرسٹرایٹ لاء آف

پٹنہ کے ورود کراچی پر پُر تپاک و شان دار خیر مقدم کیا، جناب ممدوح آج صبح کراچی میں ورود فرما ہوئے۔ جناب ممدوح کو ڈیڑھ میل طولانی عدیم النظر جلوس کے ساتھ حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون کے بنگلہ تک لایا گیا۔



ہفت روزہ نیر اسلام یکم دسمبر ۱۹۳۴ء۔

## غازی عبدالقیوم کے لیے وائسرائے کے پاس وفد

امرت سر، ۲۹ نومبر: ایم اے او کالج امرت سر کے ہیڈ کلرک بذریعہ تار اطلاع دیتے ہیں کہ انجمن تحفظ ناموس رسول کی طرف سے شیخ صادق حسن پریذیڈنٹ انجمن اسلامیہ، امرت سر مسلمانوں کا ایک آل انڈیا ڈیپوٹیشنس (All India Deponents) مرتب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو وائسرائے سے مل کر عبدالقیوم کی سزائے موت کو منسوخ کرانے کی کوشش کرے گا کیوں کہ سندھ کے جوڈیشل کمشنر نے عبدالقیوم کی اپیل نامنظور کر دی ہے۔

ہندوستان کے مختلف حصوں کے من درجہ ذیل مسلم لیڈروں نے ڈیپوٹیشن (وفد) میں شامل ہونا منظور کر لیا ہے۔

سر عبداللہ سہروردی، مسٹر غزنوی، سر محمود یعقوب، مولانا ظفر علی خان، مولانا شوکت علی، مسٹر کے ایل گابا، حاجی وجیہ الدین، نواب صاحب کنج پورہ، مولانا شفیع داؤدی، شیخ صادق حسین، خواجہ حسن نظامی، حاجی رحیم بخش، مولانا غلام بھیک نیرنگ، آغالال بادشاہ۔



انقلاب ۶ دسمبر ۱۹۳۴ء

وائسرائے کا ملاقات کرنے سے انکار

غازی عبدالقیوم کے متعلق جوابی برقیہ

امرت سر، ۴ دسمبر: مسٹر رشید احمد کلرک انجمن اسلامیہ امرت سر ذیل کی اطلاع بہ ذریعہ برقیہ دیتے ہیں، شیخ صادق حسن صدر انجمن اسلامیہ کو ہذا یکسلنسی وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری کی

طرف سے ذیل کا برقیہ جواب میں موصول ہوا ہے:

”غازی عبدالقیوم کے متعلق آپ کا برقیہ ہزار یکسلنسی وائسرائے کو موصول ہو گیا ہے۔ افسوس ہے کہ ہزار یکسلنسی کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ اور کسی سے مشورہ لیں یا اس سلسلہ میں کسی وفد سے بات چیت کریں۔ البتہ تحریری درخواست یا اپیل اگر وقت کے اندر اندر مل گئی تو اس پر غور کیا جائے گا۔“



انقلاب ۶ دسمبر ۱۹۳۳ء (اداریہ)

## غازی عبدالقیوم کی سزائے موت کا مسئلہ

سید محمد اسلم بیرسٹر کراچی اور حاجی محمد یونس بہاری بیرسٹر کی قانونی۔۔۔۔۔ حقیقت کا قائل نہیں کر سکی کہ غازی عبدالقیوم کا جرم مستلزم سزائے موت۔۔۔۔۔ تحفظ ناموس رسول کی تحریک پر شیخ صادق حسن صاحب۔۔۔ نے ایک وفد مرتب کیا تاکہ وائسرائے کی خدمت میں جا کر بہ دلائل یہ گزارش کی جائے کہ وہ سزائے موت کو منسوخ کر دیں۔ اس وفد میں ان بزرگان قوم نے شرکت پر آمادگی ظاہر کی۔ سر عبداللہ سہروردی، مسٹر غزنوی، سر محمد یعقوب، مولانا شوکت علی، حاجی وجیہ الدین، مولانا شفیع داؤدی، خواجہ حسن نظامی، مولانا میر نیرنگ، مولانا ظفر علی خاں، مسٹر گابا، نواب صاحب کنج پورہ، حاجی رحیم بخش، آغا لال بادشاہ اور شیخ صادق حسن۔

ہمیں یہ سن کر بے حد افسوس ہوا کہ وائسرائے نے اس وفد کو باریابی کی اجازت نہیں دی اور اس انکار کی وجہ یہ بتائی کہ جن افراد کو عدالتوں سے پھانسی کی سزا مل جائے ان کے لیے وفد کو باریاب کرنا دستور کے خلاف ہے۔ البتہ میموریل کی صورت میں درخواست رحم کی جائے تو اس پر غور کر لیا جائے گا۔ یہ صحیح ہے کہ ایسے حالات میں وفد کی باریابی دستور کے خلاف ہے لیکن غازی عبدالقیوم کا معاملہ دوسرے پھانسی پانے والے قاتلوں سے بالکل مختلف ہے۔ ان لوگوں کے لیے ایک آدمی بھی وائسرائے کی خدمت میں حاضر ہونے پر آمادہ نہیں ہوتا اور عبدالقیوم کے لیے

ہندوستان بھر کے معزز ترین نمائندگان جمہور، خطاب یافتہ حضرات اور قومی لیڈروں نے وائسرائے کے پاس جانے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس مسئلہ کے ساتھ کروڑوں مسلمانوں کو دل چسپی ہے اور وائسرائے کو چاہیے تھا کہ اس دل چسپی کو ملحوظ رکھ کر اپنے ”دستور“ کو چند منٹ کے لیے بالائے طاق رکھ دیتے اور ان حضرات کی عرضداشت سن لیتے، جن کی رائے کبھی کبھی اہم ترین مسائل حکومت میں خود وائسرائے کو بھی لیننی پڑتی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ مسلمانانِ کراچی عبدالقیوم کے مقدمے کو پریوی کونسل تک لے جانا چاہتے ہیں، اس لیے فی الحال کافی وقت ہے۔ اس دوران میں میموریل تیار کر کے بہترین اور معزز ترین اہل الرائے کے دستخطوں سے وائسرائے کی خدمت میں بھیجنا چاہیے بل کہ اس میموریل کی بہت سی کاپیاں چھپوا کر مختلف شہروں کے معززین کے دستخطوں سے وائسرائے کی خدمت میں براہ راست ہی بھیجی جائیں تو بہتر ہوگا اور اس کے ساتھ ہی اس میموریل کی تائید میں ہندوستان بھر کے شہروں میں جلسے منعقد کرنا ضروری ہے۔



انقلاب ۲ دسمبر ۱۹۳۲ء

میرے شوہر غازی عبدالقیوم کو معافی دے دی جائے

غازی کی اہلیہ کا تار شہزادی میرینہ کے نام

کراچی، یکم دسمبر: معلوم ہوا ہے کہ اہلیہ محترمہ غازی عبدالقیوم نے جن کو مہاراج نھورام کے قتل کے سلسلہ میں سزائے موت کا حکم ہوا ہے۔ ڈچز آف کینٹ (شاہزادی میرینہ) کو جن کی ڈیوک آف کینٹ (شہزادہ جارج) سے شادی ہوئی ہے، ایک بحری پیغام بھیجا ہے جس میں شہزادی مدوح سے درخواست کی ہے کہ وہ غازی عبدالقیوم خان کے معاملہ میں مداخلت کر کے ان کو معافی دلوا دیں۔ محترمہ اہلیہ غازی عبدالقیوم نے شہزادی سے اپیل کرتے ہوئے معافی کی وجہ یہ لکھی ہے کہ شہزادی کی طرح وہ بھی نو عروس ہیں اور ان کی شادی بھی غازی عبدالقیوم سے حال ہی میں ہوئی تھی۔



انقلاب ۱۸ دسمبر ۱۹۳۴ء

## حضرت سجادہ نشین سیال شریف کا مکتوب

غازی عبدالقیوم کو سزائے موت

حضرت پیر قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف تحریر فرماتے ہیں کہ؛  
 ”غازی عبدالقیوم فیصلہ عدالت کے ماتحت سزائے موت کے مستحق قرار  
 پاگئے کیوں کہ انہوں نے ایک جان کو ہلاک کر دیا تھا لیکن اگر عدالت ایک جان کا  
 اس قدر احترام کرتی ہے تو اس کو آٹھ کروڑ مسلمانوں کی جانوں کا بھی احترام کرنا  
 چاہیے جو مقتول کی گستاخی اور دریدہ ذہنی سے سخت مجروح و بکل ہو چکی تھیں۔ برطانیہ  
 کی عدالت اس کو سمجھ نہیں سکتی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کا مسلمانوں  
 کے دل میں کس قدر احترام اور اس کی کس قدر عزت و وقعت ہے۔ اس ناموس کی  
 حفاظت میں ایک مسلمان اپنی جان و مال و عزت سب کچھ نہایت آسانی کے ساتھ  
 قربان کر سکتا ہے۔ پس اگر حکومت ایک معمولی بے وقعت انسان کی جان کی خاطر  
 ضابطہ کو عمل میں لاتی اور اس کے لیے قانون بناتی ہے تو اس کا یہ بھی فرض ہونا چاہیے  
 کہ جس ذات کے ساتھ صرف ہندوستان میں آٹھ کروڑ جانیں وابستہ اور اس کی  
 ناموس کی حفاظت کے لیے سر بہ کف ہوں اس کی بے ادبی اور گستاخی کرنے والے  
 کے حق میں بھی سخت سے سخت سزا قانون کی دفعات میں شامل کرے، نہ یہ کہ ایک  
 معمولی جان کے ہلاک کرنے والے کی سزا تو پھانسی اور آٹھ کروڑ جانوں کو حواس  
 باختہ اور بیدم کرنے والے کی سزا محض معمولی جو چند ماہ یا زائد سے زائد ایک سال  
 میں ختم ہو جائے۔ اس طرح نہ تو گستاخی کا دروازہ بند ہو سکتا ہے اور نہ اپنے طور پر  
 قانون ہاتھ میں لینے والوں کا فعل رُک سکتا ہے جب وہ دیکھیں گے کہ گستاخ اور بے

ادب دریدہ دہن کو کافی سزا نہیں دی جائے گی تو کچھ عجب نہیں کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور ہو جائیں۔ پس عدالتوں کا یہ طرز عمل خود قانون کی بے احترامی کا باعث ہو رہا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی شان میں دریدہ دہنی بند ہونے کی صرف دو راہیں ہیں؛

اول یہ کہ گستاخ اور دریدہ دہن کو نہایت سخت سزا دی جائے جس سے دوسروں کو عبرت ہو اور اس کو قانون کی دفعات میں شامل کیا جائے۔

(دوم) یا پھر ان لوگوں کو آزادی دی جائے جو بہ طور خود قانون ہاتھ میں لے کر سزا دے دیتے ہیں اس سے غازی عبدالقیوم کی سزا کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔“



انقلاب ۱۹ دسمبر ۱۹۳۴ء

## غازی عبدالقیوم خاں ڈیفنس کمیٹی کا کام

شمع رسالت کے پروانے غازی عبدالقیوم خاں نے جب عدالت عالیہ کراچی میں دریدہ دہن نھو رام کی بدزبانی سے مشتعل ہو کر نھو رام کو قتل کر کے اپنے آپ کو پولیس کے سپرد کر دیا تو مسلمانان کراچی کئی یوم تک خاموش رہے مگر جس وقت ہندو پولیس اور ہندو لیڈروں نے اشتعال انگیز پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور غازی عبدالقیوم خاں کے ذاتی فعل کو مسلمانان ہند کی منظم سازش کا نتیجہ قرار دینے لگے تو ملک عبدالعزیز صاحب، غازی ثناء اللہ صاحب، ایس ایم شفیع صاحب، مسٹر محمد ہاشم گزور ایم ایل سی، مولوی عبدالغنی افغانی، سیٹھ عثمان رحمت اللہ، جام مراد خاں صاحب اور ان کے علاوہ چیدہ دیگر باہمت مسلمانوں کی مساعی جمیلہ سے غازی عبدالقیوم خاں ڈیفنس کمیٹی عالم وجود میں آئی اور ارکان ڈیفنس کمیٹی نے ہندو پولیس کے خطرناک پروپیگنڈے کے تدارک اور غازی موصوف کے مقدمہ کی پیروی کے لیے چند یوم میں تقریباً سو اچھ ہزار روپیہ جمع

کر لیا۔

دوران مقدمہ جو اخراجات ہوئے ان کی تفصیل کے متعلق مقامی سندھی اخبار الوحید میں ایک ناگوار بحث شروع ہو گئی ہے جس میں اخبار الوحید نے ڈیفنس کمیٹی سے اس رقم کی آمد و خرچ کے متعلق استفسار کیا ہے جس کا جواب ارکان ڈیفنس کمیٹی نے سیٹھ احمد حاجی دوسل کی عالی شان کوٹھی میں بہ تاریخ ۹ دسمبر ۱۹۳۴ء اپنا جلسہ بلا کر الوحید میں شائع کر دیا اور اب دوبارہ جلسہ ۱۶ دسمبر کو ہوگا جس میں آڈیٹر سے حسابات درست کرا کے پھر اخبارات میں شائع کر دیے جائیں گے۔ ملک حاجی عبدالعزیز صاحب سیکرٹری ڈیفنس کمیٹی ایک نہایت مدبر شخص ہیں، آپ نے گذشتہ جلسہ میں رجسٹر حسابات ارکان ڈیفنس کمیٹی کے سامنے پیش کر دیا اور آمد و خرچ کی رقوم واضح طور پر حاضرین جلسہ کے گوش گزار کرائیں۔ اب بہ ذریعہ روزنامہ انقلاب شائع کی ہیں تا کہ قارئین کرام کو حساب کی مختصر تفصیل معلوم ہو جائے جو حسب ذیل ہے:

آمد: جملہ جمع شدہ رقم تقریباً سو اچھ ہزار روپے

خرچ: مجاہد ملت سید محمد اسلم ایم اے (آکسن) بار ایٹ لاء برائے پیروی

مقدمہ ۸۸۵ روپے

ایضاً (پریوی کونسل) ۸۰۰ روپے

حاجی محمد یونس صاحب بار ایٹ لاء (کرایہ آمد و رفت پٹنہ تا کراچی و تحائف) ۶۷۰

غازی ثناء اللہ صاحب (برائے سفر پنجاب و پروپیگنڈہ) ۱۵۰ روپے

ہمایوں خان و فرید خان (برائے سفر پنجاب و پروپیگنڈہ) ۳۵۰ روپے

رہنمایان ملک اور پریس کے نام تار ۱۲۵ روپے

اشاعت و جلسہ جات ۱۳۵ روپے

تار پرائیویٹ سیکرٹری ملک معظم و شہزادی مرینا ۴۵ روپے

جملہ خرچ تین ہزار ایک سو نوے روپے (۳۱۹۰ روپے)

باقی رقم بینک میں جمع ہے جس کا مصرف حسب فیصلہ ارکان ڈیفنس کمیٹی عمل میں آئے گا۔

تفصیلی حساب مکمل ہو۔ ماہ دسمبر تک سیکرٹری و ارکان ڈیفنس کمیٹی ملکی و مقامی اخبارات میں شائع

کرائیں گے۔

نوٹ: مذکورہ بالا حساب میں اگر سہواً کوئی رقم غلط شائع ہوئی ہے تو اس کی تصحیح بھی کرائی جائے گی۔

منشی محمد اکرام الدین



انقلاب ۲۵ جنوری ۱۹۳۵ء

غازی عبدالقیوم کے وکیل کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے

## مسلمانانِ کراچی کی حکومت سے درخواست

کراچی (بذریعہ ڈاک) اتوار کی شام کو خالق دینا ہال میں مسلمانانِ کراچی کا ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا جس میں من درجہ ذیل قرارداد با اتفاق آرا منظور ہوئی:

”مسلمانانِ کراچی کا یہ جلسہ سندھ ہندو ایسوسی ایشن کی سخت ترین مذمت کرتا ہے اس لیے کہ اس ایسوسی ایشن نے غازی عبدالقیوم کے وکیل سید محمد اسلم بار ایٹ لاء کی تقریر کو غلط طریق پر پیش کر کے حکومت کو ان کے خلاف کارروائی کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ ایسوسی ایشن کے اس فعل سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان زبردست کشیدگی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ یہ اجلاس حکومت سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس قسم کے پرائیویٹ اور غیر معقول خطوط پر کوئی توجہ نہ کرے ورنہ مسلمانانِ ہند یہ تصور کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ حکومت نے خود ہندوؤں کو اس قسم کے طرزِ عمل پر آمادہ کیا ہے۔“

بہر حال یہ اجلاس حکومت کو متنبہ کرتا ہے کہ اگر اس نے اس معاملہ میں کوئی کارروائی کی تو تمام ہندوستان کی ہمدردی مسٹر اسلم کے ساتھ ہوگی۔





انقلاب ۳۰ جنوری ۱۹۳۵ء

غازی عبدالقیوم اور محمد صدیق  
اسمبلی میں مسٹر گابا کے سوالات

نئی دہلی ۲۸ جنوری: مسٹر خالد لطیف گابا ایم ایل اے نے این ڈبلیو آر کے ہیڈ کوارٹرز کے دفتر میں ”مسلمانوں کی نمائندگی“ کے متعلق سوالات کے علاوہ اسمبلی میں من درجہ ذیل سوالات کرنے کا نوٹس دیا ہے:

الف: کیا آئین ہوم ممبر براہ کرم بیان کریں گے کہ کیا حکومت کو مسلم حلقوں کی طرف سے اس باب میں متعدد درخواستیں موصول ہوئی ہیں کہ (غازی) عبدالقیوم کی سزائے موت کو جنہیں عدالت کراچی سے سزائے موت ہوئی ہے۔ ملتوی کر دیا جائے؟

ب: کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ محمد صدیق نامی ایک شخص کو حال ہی میں ایسے ہی جرم میں لاہور کی ایک عدالت سے سزا ہوئی تھی؟

ج: کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ مذکورہ بالا دونوں مقدموں میں ملزموں نے جو کچھ کیا، اعلیٰ مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا اور اس ملک کے لاکھوں مسلمان (غازی) عبدالقیوم اور (غازی) محمد صدیق کی ہمت و جرات پر ان کے ساتھ انتہائی ہمدردی رکھتے اور توصیف و تحسین کرتے ہیں۔



انقلاب ۶ مارچ ۱۹۳۵ء

غازی عبدالقیوم کو آج پھانسی نہیں دی گئی  
جیل کے نزدیک بے پناہ ہجوم

کراچی ۳ مارچ۔ اگرچہ اس بات کا اعلان ہو چکا ہے کہ حکومت بمبئی کے احکام کے مطابق عبدالقیوم کی پھانسی کی تاریخ جس کے لیے دو شنبہ کا دن مقرر کیا گیا تھا۔ آئندہ حکم تک ملتوی کر دی گئی ہے۔ بایں ہمہ مسلم کاروباری حلقوں نے اپنے کام کاج کو بند کر کے آج صبح جیل

کے نزدیک اجتماع کیا جس میں عبدالقیوم کی ملاقات کے لیے مطالبہ کیا گیا۔ جیل کے چاروں طرف پولیس کا حلقہ تھا۔ ضلع کے تمام افسران اعلیٰ صورت حالات کا معائنہ کر رہے تھے۔ اطلاع ملی ہے کہ اس جم غفیر نے پولیس کے قابو سے خارج ہو کر آخر الذکر اور ان کے افسروں پر سنگ باری کی جس سے متعدد کانسٹیبل اور دو افسر مجروح ہوئے۔ ایک افسر کا چہرہ اور دوسرے کا ہاتھ زخمی ہو گیا ہے۔ مجمع کے انتظار کے متعلق پولیس کے احکام غیر موثر ثابت ہونے پر حکام نے لاٹھی چارج کا حکم دیا، جس سے مظاہرین کو جیل کے دروازوں سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ اب خلقت کا اجتماع بتدریج کم ہو رہا ہے۔ مسلح فوج جیل کے سامنے تعین کی گئی ہے۔

اطلاع موصول ہوئی ہے کہ ارباب حل و عقد نے عبدالقیوم کے ایک نزدیکی رشتہ دار کو اجازت دی تھی کہ آج اس سے جیل میں ملاقات کر سکے۔ اس واقعہ سے عوام الناس کے شکوک کو رفع کر کے ان پر واضح کر دیا کہ ابھی تک عبدالقیوم کو پھانسی نہیں دی گئی۔



انقلاب ۶ مارچ ۱۹۳۵ء

غازی عبدالقیوم کے متعلق کچھ نہ لکھا جائے۔ مجسٹریٹ کراچی کا حکم

کراچی، ۲ مارچ: ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ایک درجن اخبارات اور متعدد اشخاص کے نام زیر دفعہ ۱۴۴ امتناعی حکم جاری کیے ہیں کہ ایک ماہ تک غازی عبدالقیوم کے متعلق کوئی تقریر اور کوئی خبر شائع نہ کریں۔



انقلاب ۷ مارچ ۱۹۳۵ء

غازی عبدالقیوم کو سرحدی جیل میں منتقل کر دیا جائے گا

پھانسی کی تاریخ میں التوا کا سبب

کراچی ۵ مارچ۔ عبدالقیوم کو پھانسی دینے کی تاریخ اس لیے ملتوی کی گئی ہے کہ اس کے رشتہ داروں نے درخواست کی تھی کہ اس کی نعش کو ضلع ہزارہ (صوبہ سرحد) لے جا سکیں کیوں کہ ارباب حل و عقد کو خطرہ تھا کہ اس واقعہ سے مشکلات بڑھ جائیں گی اور رات کے سیشنوں پر

مظاہرے ہوں گے جس سے فرقہ وارانہ منافرت کے بڑھ جانے کا خطرہ ہے۔ اس لیے تجویز کی گئی ہے کہ عبدالقیوم کو سرحدی جیل میں منتقل کر دیا جائے اور وہاں سے تختہ دار پر لٹکایا جائے۔



انقلاب ۸ مارچ ۱۹۳۵ء (اداریہ)

## کراچی میں اسلامی اخباروں کی شامت

پروانہ شمع رسالت غازی عبدالقیوم کا مرافعہ چوں کہ نامنظور ہو چکا ہے اس لیے اب اسے دار پر لٹکا دیا جائے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حکومت کو خوب معلوم ہے کہ ایسے مواقع پر مسلمان کبھی اپنے غیظ و غضب کا اظہار نہیں کیا کرتے بل کہ ان کی توجہات زیادہ تر شہید کے لیے دعائے مغفرت پر مرکوز ہو جایا کرتی ہیں۔ لاہور میں علم الدین شہید کے جنازے کے حالات اب تک ہر شخص کے دماغ میں محفوظ ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ اگرچہ شہید کے جنازے میں لاکھوں مسلمان شامل ہوئے لیکن شہر میں کسی قسم کی ابتری رونما نہیں ہوئی، کوئی نقص امن نہیں ہوا، اور نہایت سکون اور باقاعدگی سے نماز جنازہ اور تدفین عمل میں آئی۔ یہاں کے حکام نے اس موقع پر مقامی اخباروں پر بھی کسی قسم کی ناواجب پابندی عاید کرنی ضروری نہیں سمجھی بل کہ جنازے کے تفصیلی حالات اخباروں میں شائع ہوئے اور ان پر مضامین بھی لکھے گئے۔ لیکن تعجب کا مقام ہے کہ حکام کراچی غازی عبدالقیوم کی پھانسی اور جنازے کے متعلق بے حد تشویش و تردد میں مبتلا ہیں۔

اطلاع موصول ہوئی ہے کہ وہاں کے اسلامی اخبارات کے نام ڈپٹی کمشنر نے حکم بھیجا ہے کہ تم ایک ماہ تک اپنے کالموں میں عبدالقیوم یا تھورام کے متعلق کوئی خبر یا مضمون شائع نہ کرو تا کہ شہر کی فضا پر امن رہے اور فرقہ واریت کی زیادہ شدید نہ ہونے پائے۔ اس کے علاوہ سنا گیا ہے کہ عبدالقیوم کے جنازے کے متعلق بھی بعض پابندیاں عاید کرانے کا ارادہ کیا جا رہا ہے۔ ہمارے نزدیک حکام کا یہ اضطراب بالکل بے معنی اور لا حاصل ہے۔ اگر عبدالقیوم کو کراچی ہی میں پھانسی دی گئی اور اس کی میت مسلمانوں کے حوالے کر دی گئی جیسا کہ ہمیشہ کیا جاتا رہا ہے تو

غازی کی شہادت کا واقعہ کراچی کے بچے بچے کو معلوم ہو جائے گا اور ہر مسلمان جنازے میں بھی شریک ہوگا یعنی تمام واقعات بچے بچے کی نظر سے گزریں گے۔ ایسی حالت میں اخباروں پر یہ پابندی عاید کرنا بالکل بے معنی ہے کہ وہ عبدالقیوم کے متعلق کوئی خبر بھی شائع نہ کریں۔ ہمارا خیال ہے کہ ایسی پابندیوں کا نتیجہ بالکل الٹا نکلے گا۔ اگر لوگوں کو اپنے جذبات کے اظہار کا پورا موقع دے دیا گیا تو نقص امن کا خطرہ بالکل نہ رہے گا اور اگر ان جذبات کو مصنوعی طور سے دبانے کی کوشش کی گئی تو ان جذبات کے ”پھوٹ بنے“ کا احتمال ہے، اس لیے حکام کراچی کو چاہیے کہ انتہائی دانش و تدبیر سے کام لیں اور ایسی پابندیاں عاید نہ کریں جن کا اثر الٹا ہو۔



نیر اسلام ۸ مارچ ۱۹۳۵ء

پریوی کونسل نے غازی عبدالقیوم کا اپیل مسترد کر دیا

لاہور، ۲۸ فروری۔ آج سوا سات بجے شام کراچی سے ایک برقی پیغام موصول ہوا ہے کہ پریوی کونسل نے غازی عبدالقیوم کی اپیل مسترد کر دی ہے اور غازی صاحب کو ۴ مارچ ۱۹۳۵ء دو شنبہ کی صبح کونسل جیل کراچی میں پھانسی دے دی جائے گی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون یاد رہے کہ غازی عبدالقیوم کو ایک دریدہ دہن ہندو مستی نٹھورام کو۔ جس نے حضرت آقائے نامدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی۔ قتل کرنے کے الزام میں سشن کورٹ سے پھانسی کی سزا دی گئی تھی چنانچہ اس فیصلہ کے خلاف عدالت عالیہ میں اپیل کیا گیا جو مسترد کر دیا گیا۔ اس کے بعد پریوی کونسل میں اپیل کی گئی جو آج مسترد ہو گئی ہے۔



الفقیہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۵ء

حضرت غازی عبدالقیوم

کراچی، ۲ مارچ: غازی عبدالقیوم کو نٹھورام کے قتل کے الزام میں سزائے موت ہوئی تھی، کل ان کی شہادت کا دن تھا لیکن آج بہت سے مسلمانوں نے شیخ عبدالمجید صاحب سندھی کی زیر سرکردگی جو غازی عبدالقیوم کے لیے تجہیز و تکفین کا انتظام کر رہے ہیں۔ مسٹر جی ٹیلر

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے ملاقات کی۔ موخر الذکر نے وفد کو اطلاع دی ہے کہ حکومت کی طرف سے مزید احکام موصول ہونے تک پھانسی کی سزا ملتوی کر دی گئی ہے۔



انقلاب ۲۳ مارچ ۱۹۳۵ء

## غازی عبدالقیوم نے جام شہادت نوش کر لیا

مسلمانوں کے ایک لاکھ کے ہجوم پر پولیس کا حملہ کراچی، ۱۹ مارچ۔ آج علی الصباح شہر بھر میں یہ خبر بجلی کی طرح دوڑ گئی کہ غازی عبدالقیوم کو جسے راج نھورام کے قتل کے جرم میں سزائے موت کا حکم سنایا گیا تھا۔ پھانسی دے دی گئی ہے، اس خبر کو سنتے ہی مسلم تجارتی حلقوں میں تمام کاروبار بند ہو گیا اور کم و بیش ایک لاکھ مسلمان ڈسٹرکٹ جیل کی طرف روانہ ہو گئے۔ جیل کے سامنے مسلمانوں نے مظاہرے شروع کر دیے۔ حکام نے غازی ممدوح کی نعش کو میوا شاہ کے قبرستان میں پہنچا دیا۔ یہاں مسلمانوں نے بہ تعداد کثیر نماز جنازہ ادا کی۔ چوں کہ نقص امن کا اندیشہ ہے اس لیے خاص مقامات پر پولیس اور فوج تعینات کر دی گئی ہے۔ بعد دوپہر حالات بہت نازک ہو گئے۔ مسلمانوں کا ایک جم غفیر جو غازی ممدوح کی ہمدردی میں مظاہرے کر رہا تھا۔ تشدد پر اتر آیا۔ پولیس نے مجمع کو منتشر کرنے کی کوشش کی مگر یہ تمام کوششیں ناکام رہیں۔ آخر پولیس نے گولی چلا دی جس کے نتیجے کے طور پر ۲۰ آدمی ہلاک اور ۶۰ زخمی ہوئے۔

### غازی کی نعش قبر سے نکالی گئی

اب تک سول ہسپتال میں ۱۹ نعشیں اور ساٹھ مجروح مسلمان لائے گئے ہیں۔ ہسپتال کے ارد گرد پہرہ بٹھا دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے ایک بھاری اور مشتعل مجمع نے غازی عبدالقیوم کی نعش کو قبر سے کھود نکالا اور اس کا جلوس نکالنے پر اصرار کیا۔ چوں کہ نقص امن کا اندیشہ تھا۔ لہذا پولیس نے جلوس نکالنے کی اجازت نہ دی۔ اس پر مجمع مشتعل ہو گیا۔ چوں کہ صورت حالات تشویش ناک ہو رہی تھی۔ اس لیے فوج طلب کی گئی۔ پولیس نے ہر ممکن کوشش کی کہ ہجوم کو منتشر

کیا جائے مگر ناکامی کی صورت میں گولی چلا دی۔

گولی چلانے کی تفصیلات مظہر ہیں کہ ایک لاکھ نفوس پر مشتمل مسلمانوں کے جم غفیر نے جس میں تین ہزار خواتین و اطفال بھی شامل تھے۔ غازی عبدالقیوم کی نعش کو قبر سے نکال لیا اور جلوس کی شکل میں چلا۔ ابھی یہ جلوس تھوڑی دُور ہی گیا تھا کہ پولیس نے نعش اس کے حوالے کرنے اور مجمع منتشر ہونے کا حکم دیا۔ ہجوم نے ان حکام کی پروا نہ کی بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس نے پولیس پر پتھر پھینکے۔ پولیس نے شروع میں تو ہوا میں فائر کیے مگر بعد میں ہجوم پر گولیاں برسائی شروع کر دیں۔ فوج بھی اس اثنا میں پہنچ گئی جو اب متاثرہ علاقہ کی حفاظت کر رہی ہے۔ مجروحین سے لدی ہوئی لاریاں سول ہسپتال میں پہنچ رہی ہیں۔

## عینی شاہد کا بیان

ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ جب غازی عبدالقیوم کا تابوت جیل سے قبرستان میں لایا گیا تو سید امیر شاہ بیرسٹر، مسٹر محمد اسلم اور دیگر معززین نے ہجوم سے کہا کہ وہ تابوت کو قبرستان سے نہ اٹھائیں لیکن خواتین نے غازی عبدالقیوم کا چہرہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ پولیس کی مداخلت کے باوجود ہجوم نے غازی ممدوح کی نعش کو اٹھا لیا اور بہ صورت جلوس ایک میدان میں پہنچ گیا، جہاں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ پولیس اور مسلم زعماء نے ہجوم کو منتشر ہو جانے کے لیے کہا اور وعدہ کیا کہ ان کے حسب منشا تدفین کی رسم ۲ بجے بعد دوپہر ادا کی جائے گی۔ ہجوم کے کثیر حصہ کی یہ خواہش تھی کہ غازی ممدوح کی نعش کا جلوس شہر کے بڑے بڑے بازاروں میں گشت کرے۔

عین اس وقت ایک فوجی لاری جس میں گورے سپاہی تھے۔ موقع پر پہنچ گئی۔ ہجوم نے ان پر پتھر پھینکے جن سے ایک افسر خفیف سا مجروح ہو گیا۔ مزید بریں ہجوم نے لاری کی ہڈ بھی علاحدہ کر دی جب دیکھا گیا کہ ہجوم پر قابو پانا مشکل ہے تو مزید فوج طلب کی گئی۔ ہجوم کو پھر منتشر ہونے کے لیے کہا گیا اور ڈرانے کے لیے ہوا میں فائر کیے گئے مگر ہجوم بہت زیادہ مشتعل ہو گیا جس پر فوج نے گولیاں برسائی شروع کر دیں اور دو منٹ تک ہجوم پر گولیوں کی بارش ہوتی رہی۔ ہجوم منتشر ہو گیا۔ بہت سے آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ۲۰۰ کے

قریب مسلمان ہلاک اور زخمی ہوئے مگر یہ اعداد ابھی تک تصدیق طلب ہیں۔ بعد کی ایک اطلاع سے اس خبر کی تصدیق ہو گئی ہے کہ دو سو آدمیوں سے زیادہ ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں۔



انقلاب ۲۳ مارچ ۱۹۳۵ء

## کراچی کے حادثہ خونیں کی فوری اور بے لاگ تحقیقات کی جائے

حکام کا طریق عمل شدید اتلاف جان کا ذمہ دار ہے

کراچی، ۲۱ مارچ۔ مسٹر حاتم علوی کراچی سے من درجہ ذیل برقیہ موصول ہوا ہے:

مولانا محمد صادق صدر جمعیت العلماء سندھ، مسٹر حاتم علوی صدر مسلم لیگ سندھ اور شیخ عبدالجید ایم ایل سی صدر مجلس خلافت سندھ نے اخبارات کو من درجہ ذیل اعلان بہ غرض اشاعت بھیجا ہے:

”۱۹ مارچ کو منگل کے دن دوپہر کے وقت بلا کسی نوٹس اور انتباہی اعلان کے فوج نے غازی عبدالقیوم کے جنازہ کے جلوس پر فائر کر دیے۔ جلوس ہزار ہا نفوس پر مشتمل تھا جس میں بوڑھے، مرد، عورتیں اور بچے بھی تھے۔ اس طرح فائر کرنا حق بجانب نہ تھا جس وقت جنازہ منزل مقصود یعنی چاکرواڑہ پہنچا اس وقت اس پر فائر کیے گئے جس سے چالیس مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا اور تقریباً اسی (۸۰) مسلمان شدید مجروح ہوئے۔ کل شام کراچی کے سربر آوردہ مسلمانوں کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں من درجہ ذیل قراردادیں بہ اتفاق رائے منظور ہوئیں:

۱۔ اس اجتماع کو اس امر کا یقین ہے کہ یہ اتلاف جان جو ناجائز و غیر منصفانہ ہے قطعاً نہ ہوتا اور افسران متعلقہ کی انتہائی ناقابلیت اس کی موجب بنی۔ یہ اجلاس مودبانہ حکومت پر زور دیتا ہے کہ افسران مذکور کے طرز عمل کے متعلق فوری اور غیر جانب دارانہ تحقیقات کی جائے۔ اس جلسہ کی رائے میں کسی طور پر فائر کرنے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔

۲۔ یہ اجتماع اس امر پر اظہارِ افسوس کرتا ہے کہ حکام نے مسلمانوں سے جو واضح مواعید کیے تھے ان کی اس طرح صریح خلاف ورزی کی کہ انہوں نے مسلمانوں کو اس بات کی اطلاع نہیں دی کہ وہ غازی عبدالقیوم کو کس روز پھانسی دیں گے اور کس طرح دیں گے اور نعش کا کیا کریں گے۔

۳۔ اس اجتماع کو افسوس ہے کہ اگرچہ ذمہ دار مسلمان لیڈروں نے اس بات کا یقین دلایا اور وعدہ بھی کیا تھا کہ غازی عبدالقیوم کی نعش کو پُر امن طریقہ سے دفن کر دیا جائے گا، نیز صورتِ حالات پر تمام و کمال قابو رکھا جائے گا پھر بھی سرکاری افسروں کو اعتبار نہ آیا اور انہوں نے ذمہ دار مسلمان لیڈروں کے ساتھ اشتراکِ عمل نہ کیا۔ اس جلسہ کی رائے میں جو شدید اِتلافِ جان ہوا ہے اس کی تمام ذمہ دارانہی افسروں کے طریقِ عمل پر عائد ہوتی ہے۔



انقلاب ۲۳ مارچ ۱۹۳۵ء

## کراچی میں گولی چلانے پر حکومت کی مذمت

اسمبلی میں تحریک التوا منظور ہوگئی

نئی دہلی، ۲۱ مارچ۔ چار بجے مسٹر گابا کی تحریک التوا پیش ہوئی۔ آپ نے کہا کہ یہ ایوان اب ملتوی ہوتا ہے، میں کوئی فرقہ واریت پیش کرنا نہیں چاہتا اور نہ اس فعل کو حق بجانب قرار دیتا ہوں جس کے لیے عبدالقیوم قانونی خمیازہ کھینچ چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایگزیکٹو مجرم کو اس طرح سزا نہیں دے سکتی تھی کہ پبلک اس افسوس ناک حادثہ سے بچ جاتی۔ حکومت کو اس بات کا علم تھا کہ یکم مارچ سے حالات نازک ہو رہے تھے اور اس کو اس بات کا بھی علم تھا کہ بعض ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس کی نعش کا جلوس نکالنے کی کوشش کریں گے۔ اسی طرح کے ایک اور احاطہ میں حکومت نے لاہور میں مقامی لیڈروں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور جلوس نہایت پُر امن طریق پر نکالا گیا تھا۔ مجھے ایک تار موصول ہوا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کراچی کی ایگزیکٹو



نے بھی مقامی لیڈروں سے تعاون کا وعدہ کیا تھا لیکن ایسا نہیں کہا گیا۔ اگر حکومت ایسا کرتی تو یقیناً یہ حادثہ پیش نہ آتا۔

آپ نے ہوم ممبر سے دو سوالات کیے۔ کیا فائرنگ بالکل ناگزیر تھی اور اگر ضروری تھا تو کیا کم از کم طاقت استعمال کی گئی۔ اس مقصد کے لیے گولی چلانے سے ذرا پہلے کی حالت کو بیان کرنا کافی نہیں۔ ہجوم کو جمع ہونے اور شہر کی طرف بڑھنے سے روکنے کے لیے کیا کارروائی کی گئی۔ مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف کوئی شکایت نہ تھی وہ انہیں لوثنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کے تعلقات کی خوش گواری ان واقعات سے ظاہر ہے کہ سرکردہ ہندو ہسپتال میں جا کر شہدا اور مجروحین کی تیمارداری کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ کوئی ایسا ہندو بھی معلوم نہیں ہوا جس نے نھورام کے انتقال کے طور پر غازی عبدالقیوم پر حملے کی خواہش ظاہر کی ہو۔ آپ نے اس بات پر زور دیا کہ ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جائے اور اگر حکومت کو اس بات کا یقین ہے کہ سرکاری حکام کا فعل حق بجانب تھا تو اسے خائف ہونے کی ضرورت نہیں اور اگر کوئی افسر مجرم پایا جائے تو اسے سخت سزا دی جائے۔ حکومت کو ایسے موقع پر شہداء کے خون کا۔۔۔ دینا چاہیے اور ان کے پس ماندگان کی امداد کرنی چاہیے۔

سردار سنگ سنگھ نے اس تحریک کی مخالفت کی اور کہا کہ خواہ کوئی حکومت ہو وہ نازک اوقات میں حسب ضرورت کارروائی کرنے میں حق بجانب ہے۔ آپ نے حکومت پر اس بات کا الزام لگایا ہے کہ اس نے۔۔۔ کے لیے ایک وفد کو شرف باریابی دے کر بعض گم راہ نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ مسٹر غزنوی نے سوال کیا کہ کیا بھگت سنگھ کے ساتھ میں سکھوں کے ایک وفد نے رحم کی درخواست نہیں کی تھی۔ سردار سنت سنگھ نے اس اعتراض کی صحت سے انکار کر دیا اور کہا کہ ۱۹۲۷ء میں جب سوامی شردھانند کے قاتل قاضی عبدالرشید کی نعش کا جلوس نکالا گیا تھا تو اس وقت اکثر اشخاص مجروح ہوئے تھے اور لوٹ کی بھی گرم بازاری ہوئی تھی۔

اس کے بعد سرہنری کریک نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کراچی کے وہ تار پڑھ کر سنائے جو آج اور کل موصول ہوئے تھے۔ تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ مفسدین نعش کو شہر میں دفن کرنا چاہتے تھے بل کہ وہ ہندوؤں کے جذبات مشتعل کرنا چاہتے تھے۔ ہجوم نے دو آزریری مجسٹریٹوں پر پتھر برسائے اور ایک شخص نے تو ایک ساہی کی بندوق کو پکڑ لیا۔ دس ہزار کا ایک گروہ فوج پر حملہ آور ہو

گیا تھا اور فوج نے اپنی حفاظت میں مجبور ہو کر گولی چلائی تھی۔ تیس سپاہیوں نے ۴۷ گولیاں چلائی تھیں۔ ہجوم کو گولی چلانے کا علم تھا لیکن وہ منتشر نہیں ہوا۔ فوج نے ہوا میں گولی نہیں چلائی کیوں کہ یہ فوجی ضبط کے خلاف ہے۔ آپ نے علم الدین شہید کی نعش کا حوالہ دے کر کہا کہ وہ ایک بالکل مختلف معاملہ تھا اور یہ ایک علاحدہ چیز ہے۔ آپ نے دہلی میں قاضی عبدالرشید کی نعش کے واقعات بھی بیان کیے۔ سرہنری کر یک نے کہا کہ اخلاق کا تقاضا یہ تھا کہ میں عبدالقیوم کے متعلق رحم کے لیے درخواست کرنے والے وفد کو ملاقات کا موقع دیتا۔

سر غلام حسین ہدایت اللہ نے کہا کہ مجھے جو اطلاع ملی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گولی بلا امتیاز چلائی گئی ہے، ستاون گولیاں اس انداز سے چلائی گئی ہیں کہ پہلی چند گولیوں کے نتائج کا انتظار نہیں کیا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ گولی بلا امتیاز چلائی گئی ہے۔

سرہنری کر یک نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ نعش کو مقامی لیڈروں کی رضامندی سے شہید کے ورثاء کے سپرد کیا گیا تھا اور ان کی غرض کے خلاف بہ ذریعہ طاقت نعش کو قبر سے نکال کر جلوس نکالا گیا۔

مسٹر جناح نے کہا کہ سول حکام نے انتظام میں کچھ۔۔۔ کام لیا ہے ہوم ممبر کے لیے یہ کہنا کافی نہیں کہ سول اور فوجی حکام کے لیے اس فرض کی ادائیگی بے حد مشکل تھی۔ سوال یہ ہے کہ حکومت اپنے فرض کی ادائیگی میں ناکام رہی ہے۔ (سرہنری کر یک آپ کو اس کے متعلق کیا معلوم ہے؟)

مسٹر جناح: میں آپ سے بہتر جانتا ہوں۔

صدر: مقرر کو چاہیے کہ صدر کو مخاطب کرے۔

مسٹر جناح نے کہا کہ حکومت کو ۲ مارچ سے صورت حالات کی نزاکت کا علم تھا۔ حکومت نے بیس ہزار کے ہجوم کو روکنے کے لیے کیا کارروائی کی تھی۔ علاج سے پرہیز بہتر، یقیناً بہتر ہے۔ سرکاری۔۔۔۔



انقلاب ۲۳ مارچ ۱۹۳۵ء

سیٹھ عبداللہ ہارون کی طرف سے ایک ہزار روپیہ

حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون ایم ایل اے نے دہلی سے کراچی کے سربراہ آوردہ شہیدوں کے نام تار ارسال کیا ہے کہ کراچی میں غیر ضروری خون ریزی سے سخت قلق ہوا۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اس فعل کے ذمہ داروں کو سزا دلانیں۔ مسلمانوں کو پُر امن رکھنے کی پوری کوشش کیجیے، زخمیوں کے لیے، شہیدوں کے پس ماندوں کے لیے زراعت کا انتظام کیجیے۔ میری طرف سے اس فنڈ میں ایک ہزار روپے کی رقم حاضر ہے۔



انقلاب ۲۳ مارچ ۱۹۳۵ء (اداریہ)

## کراچی کا خونچکاں حادثہ محزنہ

فصبر جمیل واللہ المستعان

کراچی میں ۱۹ مارچ کو جو ہول ناک مصیبت گزری اس کی تفصیلات کسی دوسری جگہ درج ہیں۔ غازی عبدالقیوم کے لیے انگریزی عدالت نے جو سزا مقرر کی تھی وہ ۱۹ مارچ کی صبح کو نافذ ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ غازی موصوف کی میت کو نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد دفن کر دیا گیا۔ مسلمانان شہر کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ کاروبار اور دکانیں بند کر کے جوق جوق قبرستان میں جمع ہونے لگے، یہاں تک کہ اجتماع ایک لاکھ تک پہنچ گیا، جس میں مستورات و خواتین بھی کافی تعداد میں موجود تھیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے میت کو قبر سے نکالا اور شہر میں میت کا جلوس نکالنے کی کوشش کی، پولیس اور فوج نے انہیں روکا، ہجوم نہ رُکا، اس پر گولی چلانی پڑی جس میں ۳۷ مسلمان شہید اور ایک سوا ایک مجروح ہوئے۔ ایک غیر مصدقہ اطلاع منظر ہے کہ شہدا و مجروحین کی تعداد دو سو سے تجاوز ہے کون ہے جو اس الم انگیز اور زہرہ گداز حادثہ پر خون کے آنسو نہ

بہائے گا۔ ہم اس وقت تک نہیں کہہ سکتے کہ صحیح حالات کیا ہیں لیکن جو کچھ تا دم تحریر ہمارے سامنے آیا ہے کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ذمہ دار حکام نے انتہائی بے تدبیری اور انتہائی شقاوت سے کام لیا؟ مسلمانوں کا حقیقی اضطراب صرف یہ تھا کہ وہ شہید کا چہرہ دیکھ لیں اگر حکام تدبیر سے کام لیتے تو شہر کے ذمہ دار مسلمانوں کی جمع کر کے ان سے کہہ سکتے تھے کہ میت اس شرط پر تمہارے حوالے کی جاسکتی ہے کہ کوئی جلوس نہ نکلے اور خاموشی کے ساتھ شہر سے باہر کسی وسیع میدان میں نماز جنازہ ادا کر کے شہید کو دفن کر دیا جائے، لاہور میں علم الدین شہید کی میت اسی طرح مسلمانوں کے حوالے کر دی گئی تھی، اس موقع پر کم و بیش چار لاکھ مسلمان جمع ہوئے لیکن کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ چوہدری کے میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی تھی اور میانی صاحب کے قبرستان میں شہید کو دفن کر دیا گیا تھا۔ کراچی کے حکام نے بے تدبیری سے کام لیا اور ذمہ دار مسلمانوں کو یہ موقع نہ دیا کہ وہ عوام کو قبل از وقت شرائط کے پابند بنا لیتے، جس طرح لاہور کے ذمہ دار مسلمانوں نے علم الدین شہید کی میت کے سلسلے میں عوام کو خاص قیود کے پابند بنا لیا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عوام ایسے حالات میں محصور ہو گئے جن کی الم انگیزی اور خونچکانی آج ہر انسانیت دوست کے لیے دل دوز اور دل شکناف بنی ہوئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بے دردانہ خون ریزی اور حکام کی شقاوت کا ماتم کن لفظوں میں کیا جائے، ہمارا اپنا دل پھٹا جا رہا ہے، دماغ معطل ہے، اگر تھوڑی دیر کے لیے فرض بھی کر لیا جائے کہ مسلمانوں کے ہجوم سے بہ حالت جوش۔۔۔ ایسی حرکت سرزد ہوئی جو جائز حدود سے متجاوز تھی تو کیا اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ ۳۷ مسلمانوں کو شہادت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا؟ شہدا اور مجروحین کی یہ تعداد تو اتنی بڑی ہے کہ شاید عام سرحدی جنگوں میں بھی کبھی اتنے آدمی نہیں مرے۔ کیا ذمہ داری حکام اپنے اس سنگ دلانہ فعل کے لیے کوئی عذر پیش کر سکتے ہیں؟ تمام تر ذمہ دار مسلم اور غیر مسلم جماعتوں اور اداروں کا فرض ہے کہ وہ کراچی کے اس زہرہ گداز حادثہ کے سلسلے میں وہ تمام تدابیر اختیار کریں جو اس کی الم انگیزی کو کم کرنے کے لیے ضروری سمجھی جائیں۔ ہم جانتے ہیں کہ جو بے گناہ اور معصوم جانیں حکام کی شقاوت کی نذر ہو چکی ہیں وہ واپس نہیں آسکتیں اور دنیا کی کوئی چیز اس قیمتی متاع حیات کی تلافی کا ذریعہ نہیں بن سکتی لیکن یہ تو ضروری ہے کہ گولیوں سے اس نہایت درجہ سنگ دلانہ استہمہ کے ذمہ داروں کو سخت سے سخت باز پرس کے بعد سخت سے سخت سزائیں دلائی

جائیں، جنہوں نے حالات کو رُو بہ اصلاح رکھنے کے مناسب طریقے چھوڑ کر فوج کی بندوقوں کے ساتھ سب کچھ وابستہ رکھا۔

آج کراچی کے کئی گھرانے ماتم کدہ بنے ہوئے ہیں، ہماری دلی ہمدردی ان مصیبت زدہ ماؤں، بہنوں، بھائیوں اور بزرگوں کے ساتھ ہے جن کی آنکھیں اپنے عزیزوں کے ماتم میں خون کے آنسو بہا رہی ہیں۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل عطا کرے اور انہیں اس مصیبت کو برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ اس دعا کے سوا ہمارے بس میں اور کیا ہے جسے پیش کر سکیں۔



انقلاب ۲۳ / مارچ ۱۹۳۵ء

## حادثہ کراچی کے متعلق کونسل آف سٹیٹ میں سوالات

اخبارات کے بیان کی تصدیق

نئی دہلی، ۲۱ / مارچ۔ کونسل آف سٹیٹ میں مسٹر ہیلٹ ہوم سیکرٹری نے مسٹر غضنفر علی اور مسٹر محمود سہروردی کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے حادثہ کراچی پر روشنی ڈالی۔ آپ نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کراچی کے وہ لمبے لمبے تار پڑھ کر سنائے جو سہ شنبہ اور چہار شنبہ کو وصول ہوئے تھے۔ تار مطبوعات کی رپورٹ کی تصدیق کرتے ہوئے ظاہر کرتے ہیں کہ حادثہ کراچی سے ۳۵ / اشخاص شہید ۶ / شدید مجروح اور ۳۳ / خفیف زخمی ہوئے ہیں۔ کراچی کے سرکاری تاروں نے اس فرقہ دار کش مکش کا حوالہ دیا ہے جس کی بنیاد عبدالقیوم کی سزائے موت اور اس کی اپیل کی نامنظوری تھی۔ عبدالقیوم کو پھانسی دینے کی تاریخ پہلے ۴ / مارچ مقرر ہوئی تھی مگر اس کی تدفین کے معاملات کے خطرات سے متاثر ہو کر یہ تاریخ ملتوی کر دی گئی تھی۔ ۴ / مارچ کو بھی مسلمانوں کا ایک جم غفیر جیل خانے کے باہر جمع ہو کر عبدالقیوم کو دیکھنے کا مطالبہ کرتا تھا۔ اس مجمع نے پولیس پر پتھر پھینکے تھے مگر پولیس نے اسے آسانی سے منتشر کر دیا تھا۔

حکومت بمبئی نے اس خیال سے عبدالقیوم کو کسی اور جیل خانے میں منتقل نہیں کیا تھا کیوں

کہ راستے میں مظاہرات کے بہت سے خدشات نظر آتے تھے۔ ۱۹ مارچ کو عبدالقیوم کو کراچی کے شہر سے دُور ایک قبرستان میں دفن کیا جا رہا تھا مگر مسلمانوں کے اجتماع نے مزاحمت کی۔ مسلمانوں کا یہ مجمع بیس ہزار سے بھی زائد ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ اسے شہر میں لے جا کر فرقہ وارتنازعہ کا سبب قرار دیں۔ مسلمانوں نے عبدالقیوم کے رشتہ داروں کی مرضی کے خلاف اس کی نعش کو قبر سے نکال لیا۔ دوپہر کے بعد مسلمانوں کے ایک گروہ کو جس میں دس ہزار کے قریب اشخاص شامل ہونے کے علاوہ لاکھوں اور پتھروں سے مسلح تھے۔ چالیس غیر مسلح اور دس مسلح کانسٹیبلوں اور رائفل سکس رجمنٹ کے پچاس سپاہیوں نے روکا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کراچی اور سٹی مجسٹریٹ ان کے ہمراہ تھے۔ پولیس نے ہجوم پر گولی نہیں برسائی تھی اس لیے ہجوم نے پولیس کو مرعوب کر لیا۔ گورہ فوج نے اپنی حفاظت کے لیے مسلمانوں کے ہجوم پر فائر کیے۔ ہلاک شدگان اور مجروحین کی زیادتی کی اصلی وجہ یہ ہے کہ ہجوم بہت زیادہ تھا اور فوج کے بالکل قریب تھا اگرچہ صورت حالات شہر کے لیے تہدید آمیز تھی بایں ہمہ اس کے رفع کرنے کے لیے بہت تھوڑی قوت استعمال کی گئی، اگر یہ مجمع سپاہیوں کے حلقے سے گزر کر شہر میں داخل ہو جاتا تو اس صورت میں شہر میں تاخت و تاراج کا بازار گرم ہو جاتا اور ہندو آبادی پر حملے شروع ہو جاتے جس سے بہت زیادہ پریشانی کا مقابلہ کرنا پڑتا۔ ہوم سیکرٹری نے ضمنی سوالات کا جواب دیتے ہوئے اظہار کیا کہ کراچی اور بمبئی سے مفصل حالات کی رپورٹ آنے تک تفصیلات کا اظہار ناممکن ہے۔ آپ نے کہا کہ صورت حالات ایسی خطرناک ہو چکی تھی کہ سٹی مجسٹریٹ نے مزید خطرات کے حفظ ماتقدم کی خاطر فوج کو حکم دے دیا تھا کہ صورت حالات پر قابو پائے۔

مسٹر حسین امام: آیا حکومت تحقیقات کے لیے ایک کمیٹی قائم کرے گی؟

مسٹر ہیلٹ: مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہوم ممبر اسمبلی میں اس موضوع پر مزید روشنی ڈالیں

گے۔



انقلاب ۲۲ مارچ ۱۹۳۵ء (اداریہ)

## پولیٹیکل انارکزم اور مذہبی انارکزم

کراچی کے حادثہ محزنہ پر ہندوؤں کی ناحق کوشی

کراچی کا حادثہ محزنہ اتنا درد انگیز، اتنا قلق افزا، اتنا زہرہ گداز اور اتنا ماتم طلب تھا کہ اس پر نقد و تبصرہ کرتے وقت کسی شخص سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ اس کے لیے جواز کے وجوہ پیش کرے گا یا اس سلسلے میں مسلمانوں پر نئے اتہامات کے دروازے کھولے گا لیکن ہمارے بعض مقامی ہندو معاصرین نے اپنے اس شقاوت پرور مشغلہ سے چند روز کے لیے مصلحتاً اور استمالاً بھی محترزر ہنا پسند نہیں کیا مثلاً (اخبار) ”ویر بھارت“ کا ارشاد ہے:

”مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے کہ آخر وہ کیوں اس قسم کا موقع بہم پہنچاتے ہیں۔

اول تو کسی قاتل کے ساتھ اس قسم کی ہمدردی بجائے خود ایک فسوس ناک ذہنیت کی

مظہر ہے اور پھر اس ہمدردی کو ایسی ناگوار صورت دے دینی کہ جس سے وسیع پیمانے

پر فساد کا اندیشہ پیدا ہو جائے حد درجہ فسوس ناک ہے۔“

حالاں کہ مرحوم عبدالقیوم کے فعل کو بُری سے بُری صورت دے دینے کے باوجود یہ ماننا

پڑے گا کہ اس کی حیثیت خصوصی تھی اور اسے تمام اقدامات و ارتکابات قتل کی صف میں رکھنا

درست نہیں۔ ہم ایک مرتبہ نہیں دس مرتبہ بل کہ دس ہزار مرتبہ اس امر کے اقرار و اعتراف کے

لیے تیار ہیں اور ہمیشہ تیار رہے ہیں کہ اس کی حیثیت خصوصی اس کے لیے جواز کی کوئی وجہ نہیں

بن سکتی اور ایسے اقدامات کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی، لیکن بہر حال اس کی خصوصی حیثیت

سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور اس کی بنا پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمان عام قاتلوں کے ساتھ ہمدردی

رکھتے ہیں، ہندوستان کے طول و عرض میں سال بھر میں صد ہا ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ

مسلمانوں کو ارتکابات قتل کے مقدمات میں موت کی سزائیں ملتی ہیں اور یہ سزائیں نافذ ہوتی

ہیں لیکن کیا کبھی سنا گیا ہے کہ مسلمانوں کے کسی بڑے یا چھوٹے مجمع نے کوئی بڑا یا چھوٹا مظاہرہ کیا ہو؟ اس کے برعکس ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ بعض پست فطرت، بدطینت اور شریر ہندوؤں نے پیسے بٹورنے کی خاطر یا قوموں کے باہمی تعلقات کو خراب کرنے کی غرض سے مسلمانوں کے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ناپاک کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا اور عبدالقیوم مرحوم کو جس قسم کے واقعہ کے سلسلے میں موت کی سزا ملی، اس نوع کے تمام واقعات بعض ہندوؤں کی طرف سے ناپاک کتب کی اشاعت کے سلسلے میں ظہور پذیر ہوئے۔ افسوس کہ ہندو قوم نے علی العموم ایسی اشاعات کی حوصلہ افزائی جاری رکھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ذمہ دار مسلمانوں کی ساری کوششوں کے باوجود بعض پرجوش مسلمانوں کی مذہبی غیرت و حمیت انہیں قانون کی حدود سے تجاوز پر آمادہ کرتی رہی۔

”پرتاپ“ نے اس پر کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ ازسرتا پارنچ افزا ہے۔ ”پرتاپ“ لکھتا ہے: ”جو ۲۷ (اب ۳۷) مسلمان کراچی میں ہلاک ہوئے ان کی ہلاکت کی ذمہ داری کس کی گردن پر ہے؟ فوج پر نہیں کیوں کہ اسے مجبور ہو کر گولی چلائی پڑی اور نہ چلاتی تو نہ معلوم کیا ہوتا۔ ذمہ داری ان مسلمانوں پر ہے جنہوں نے مساجد میں وعظ کر کے مسلم عوام کو اس ”شہادت“ کے لیے تیار کیا، وہ مسلم لیڈر اور وکلاء بھی ذمہ داری سے بچ نہیں سکتے جنہوں نے یہ جان کر کہ انہیں کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کرنے والے کا قتل جائز ہے۔“

یہ کتنی افسوس ناک غلط بیانی ہے، کون سا ملّا ہے جس نے آج تک ہندوستان کی کسی مسجد میں یہ وعظ کہا کہ جس روز عبدالقیوم مرحوم کو پھانسی کی سزا دی جائے اس روز تمام مسلمان فوج اور پولیس کی گولیاں کھانے کے لیے تیار ہو جائیں کون سا لیڈر یا وکیل ہے جس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کو قتل کر ڈالنے کی تلقین کی یا ایسے قتل کو جائز قرار دیا۔ البتہ یہ بالکل صحیح ہے کہ شریعت اسلامی میں حضور سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کی سزا قتل ہے لیکن اسے اگر پبلک تقریر میں یا تحریر میں یا کسی عدالت میں پیش کیا گیا تو محض یہ ثابت اور ظاہر کرنے کے لیے پیش کیا گیا کہ جرم نہایت ناپاک اور ناقابل برداشت ہے اور ایسے جرم



کے مرتکب کو زیادہ سے زیادہ سخت اور عبرت انگیز سزا دی جائے۔ ہماری رائے تو یہ ہے کہ دنیا کے ہر مذہب کے مسلمہ بانی کی توہین کے لیے ایسی ہی سزا مقرر ہونی چاہیے تاکہ مختلف اقوام کے مابین اشتعال و تکرر کا یہ سب سے بڑا دروازہ کلیئہ مسدود ہو جائے اور ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ آج تک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر ناپاک حملوں کے سلسلے میں جتنے ناگوار واقعات پیش آچکے ہیں ان سب کی ذمہ داری اس ناقص قانون پر ہے جو ایک انسان کے قتل کے لیے تو سزائے قتل دیتا ہے لیکن کروڑوں انسانوں کے پیشوا اور دنیا کے ہر رشتے، ہر علاقے اور ہر رابطے سے محبوب تر پیشوا کے خلاف دل آزار چیزیں شائع کرنے کے لیے اس میں قتل کی سزا موجود نہیں۔ محض عبدالقیوم ہی نہیں بل کہ کراچی کے ۳۷ بے گناہ مسلمانوں کا خون بھی اسی ناقص قانون کی گردن پر ہے جو مبداء فساد کے قرار واقعی انسداد میں نرم ہے اور جسے نافذ کرنے والے نتائج فساد کی روک تھام میں بڑے مستعد بن جاتے ہیں یعنی شر و فساد کے محرکات کو نہیں روکتے، صرف نتائج کے انسداد کے لیے بہ طور ضامن حرکت میں آتے ہیں اور فتنہ انگیزوں کی حوصلہ افزائی اب تک جارہی ہے، ناپاک کتابیں اب بھی نکل رہی ہیں۔

”پرتاپ“ لکھتا ہے کہ کراچی میں جو کچھ ہوا وہ گورنمنٹ کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی

ہے:

”اس نے اپنی خاموشی سے مذہبی انارکزم کو نشوونما پانے کی اجازت دی ہے اور اس کا خمیازہ وہ بھگت رہی ہے۔ ملک میں امن اور انتظام قائم رکھنے کی ذمہ داری اس نے اپنے اوپر لے رکھی ہے اور چاہے وہ کسی جماعت سے خوش ہو یا ناراض اس کے لیے امن بحال رکھنا لازمی ہے لیکن جس نسبت سے مذہبی انارکزم بڑھتا جائے گا۔ انتظام کی بحالی اسی قدر مشکل ہوتی جائے گی، اگر وہ (یعنی حکومت) دل سے چاہتی ہے کہ اس قسم کے مظاہرے بند ہو جائیں، تو اسے مسلم اخبارات کے منہ میں لگام دینی ہوگی۔“

اور آگے بڑھ کر ”پرتاپ“ لکھتا ہے:

”گورنمنٹ کسی مصلحت سے مسلم اخبارات پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتی تو نہ

ڈالے لیکن اس صورت میں اسے بڑے بڑے فسادات کے لیے تیار رہنا چاہیے.....“

اسے چاہیے کہ خرابی کے سرچشمے کا سدّ باب کرے اور یہ سرچشمہ وہ مسلم اخبارات ہیں جو اپنی اشاعت بڑھانے کے لیے قاتلوں کو غازی اور شہید بتاتے رہتے اور بھولے بھالے مسلمانوں کو آگ کی بھٹی میں جھونکتے رہتے ہیں۔“

یعنی مسلمانوں کا کوئی ذمہ دار طبقہ بھی ایسا نہیں جس کا گلا نہیں دباننا چاہیے، مسلمان علماء مجرم، واعظ مجرم، لیڈر مجرم، وکیل مجرم، اخبارات مجرم اور وہ قوم اور اس کے تمام ذمہ دار طبقات بالکل معصوم، بے گناہ اور پاک دامن جس کے بعض افراد و رجال کی پستی فطرت اور وناست طبیعت ان سے ناپاک کتابیں لکھواتی اور چھپواتی اور پڑھواتی رہتی ہے، کیا یہ مذہبی انارکزم نہیں؟ کیا وہ مذہبی انارکزم نہ تھا جس کا مظاہرہ پچھلے سال عید اضحیٰ کے موقع پر اُجودھیا میں اور بعض دوسرے مقامات میں ہوا؟

اس سال بھی ایسے ناپاک مظاہروں میں کمی نہ کی گئی لیکن خدا کا شکر ہے کہ حکومت اپنے وسیع انسدادی انتظامات کی وجہ سے ناگوار نتائج کی روک تھام میں کامیاب ہو گئی۔ کیا وہ مذہبی انارکزم نہیں جس کی تلقین ”ملاپ“ نے ۲۳ مارچ کی اشاعت میں ”ہندو آبادی کی فریاد“ کے زیر عنوان کی؟

خود مہاشہ کرشن ہمیں بتائیں کہ انہوں نے پچھلے سال یا اس سال مذہبی انارکزم کی روک تھام کے لیے کیا کچھ کیا؟

ناپاک کتابوں کی اشاعت کے انسداد کے لیے کیا کچھ کیا؟

فتنہ انگیز پرچارکوں کی روک تھام کے لیے کیا کچھ کیا؟

کیا وہ مذہبی انارکزم نہ تھا جس نے بھگت سنگھ اور ان کے رفیقوں کی پھانسی پر ہڑتال کے ضمن میں کان پور میں بے گناہ مسلمانوں پر ہول ناک مصیبتیں نازل کی تھیں؟

کیا وہ مذہبی اور سیاسی انارکزم نہ تھا جس نے بنارس میں نہایت ہی قلق افزا شکل اختیار کی تھی جب کہ ایک مسلم تاجر کو اس ”جرم“ میں گولی ماری گئی تھی کہ وہ غیر ملکی پارچے کی تجارت پر مُصر تھا؟

کیا وہ مذہبی انارکزم نہیں جس کا مظاہرہ ناسک میں ہولی کے موقع پر ہوا، اور جس میں باہم لڑنے والوں کو روکنے اور صلح کرانے والا ایک ہفتاد سالہ مسلمان مارا گیا؟

بھائی پر مانند کا اخبار لکھتا ہے کہ نئے جو شیے کانگریس ممبروں نے اسمبلی میں حکومت کی تشدد

آمیڑ پالیسی کے خلاف بہت کچھ کہا، انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ؛

”بے شک انقلاب پسند انارکسٹوں کو بُرا بھلا کہا جاتا ہے مگر ایسے حالات پیدا

کرنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ ہر ایک ملک کے اندر ایسے نوجوانوں کا

پیدا ہونا قدرتی امر ہے جو آزادی کے عاشق ہوں اور غلامی سے سخت متنفر اور اپنے

ملک کے فائدے کے لیے ہر طرح کی قربانی کرنے کے واسطے تیار ہوں۔ جب وہ

دیکھتے ہیں کہ گورنمنٹ ان کے ملک کے بندھنوں کو ہر روز سخت کرتی جاتی ہے تو وہ

مجبور ہو کر ایسا کرتے ہیں۔“

کیا یہ انارکزم کے لیے وجہ جواز پیدا کرنے کی کوشش نہیں؟

بتائیے مہاشہ کرشن نے کب اس کی مخالفت کی؟ کب اسے مذموم قرار دیا؟

گاندھی جی نے اور کانگریس نے بھی سیاسی انارکزم کے ذمہ داروں کے متعلق یہی روش

اختیار کی تھی۔ مسلمانوں پر جس مذہبی انارکزم کی تہمت لگائی جاتی ہے وہ اپنی بدتر صورت میں بھی

محولہ بالا انارکزم سے ہرگز مختلف نہیں۔ لیکن ہم دونوں کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ دونوں کے انسداد کے

حامی ہیں۔

قتل بہ ہر حال قتل ہے خواہ اس کی وجہ کچھ ہو، البتہ جب اس قسم کے واقعات کے قطعی اور

کلی انسداد کا سوال سامنے آئے گا تو لازماً محرکات و عوامل اشتعال کے انسداد پر خاص زور دیا

جائے گا۔ حکومت کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ ناپاک مذہبی کتابوں کی اشاعت کلیۃً بند کر دے جن

کے ساتھ ہندو کتب فروشوں کو کچھ مدت سے خاص عشق پیدا ہو گیا ہے۔ ایسی کتابیں شائع کرنے

والوں کے لیے نہایت ہی سخت اور عبرت ناک سزائیں مقرر کرے۔ مسلمہ مذہبی پیشواؤں کی

حرمت کی حفاظت بہ طور خاص ضروری ہے۔ اس کے سوا انارکزم کو روکنے کی اور کوئی شکل نہیں۔

اور ”پرتاپ“ سے ہماری یہ اور صرف یہ استدعا ہے کہ۔۔۔ کان پور، بنارس وغیرہ کے

واقعات کے سلسلے میں اور انارکسٹوں کے متعلق کانگریس والوں کی اور خود اپنی روش کے سلسلے میں

جو معیار عمل طے کرے اس کا اعلان و اظہار کر دے۔ ہم حرفا حرفاً اس کی پیروی کریں گے۔

ناپاک کتابیں شائع کرنے والوں کے متعلق جو اصول مناسب سمجھے۔ اُس کا اعلان کر دے ہم ہر ضمن میں اسی اصول سے کام لیں گے۔ لیکن اگر اسے مسلم علماء، مسلم لیڈروں، مسلم وکیلوں اور مسلم اخباروں کا بارِ نظر معلوم ہوتا ہے تو اس کا صاف اعلان ہو جانا چاہیے لیکن اس بار کی تخفیف کے اضطراب میں اس طرح حکومت کے پاس التجا لے کر دوڑنا کچھ زیادہ اچھا معلوم نہیں ہوتا جس طرح مالوی جی گدایانہ و سجدہ مدیرانہ حیثیت میں انگلستان بھاگے جا رہے ہیں۔



انقلاب ۲۲ مارچ ۱۹۳۵ء

## دارالعلوم میں حادثہ کراچی کے متعلق سوالات

”گولی چلانے میں احتیاط سے کام لیا گیا“

لندن ۲۱ مارچ۔ کل دارالعلوم میں کراچی کے حادثہ خونیں کے متعلق مسٹر چرچل نے سوال کیا کہ حکومت ہند نے مشتعل ہجوم کو منتشر کرنے کے لیے اشک اور گیس کیوں استعمال نہیں کی، جس طرح کہ امریکہ میں گولی چلانے کے بجائے اس قسم کی گیس استعمال کی گئی تھی۔ کیا انسانیت اور عقل عامہ اس امر کی مقتضی نہیں تھی کہ اس قسم کے ہجوم کو کسی بہتر طریقہ سے منتشر کیا جاتا۔ سر سیمول ہور نے جواب دیا کہ حکومت ہند اس تجویز پر غور کر چکی ہے جہاں تک مجھے یاد ہے پنجاب میں ایک دفعہ اشک اور گیس استعمال بھی کی تھی۔ اس تجویز پر غور کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے سر سیمول ہور نے کہا کہ میں کوئی ایسی بات کہنا نہیں چاہتا جس سے ایوان یہ سمجھے کہ مجھے فوج اور پولیس پر یہ اعتماد نہیں کہ وہ حالات پر بہترین طریقہ سے قابو پاسکتے ہیں۔

مسٹر چرچل نے کہا کہ وزیر ہند کو یہ امر ذہن نشین کرنا چاہیے کہ اگر کوئی چیز اپریل گورنمنٹ کی پالیسی کو مد نظر رکھ کر پیش کی جاتی ہے تو اس کا منشا یہ نہیں ہوتا کہ مقامی حکام یا فوج پر عدم اعتماد کا اظہار کیا جائے۔ سر سیمول ہور نے مزید بیان کیا کہ گولی احتیاط سے چلائی گئی تھی لیکن

چوں کہ ہجوم بہت زیادہ اور نزدیک تھا اس لیے اس قدر زیادہ تعداد میں لوگ ہلاک اور مجروح ہوئے۔ گولی چلنے کے بعد ہجوم پیچھے ہٹ گیا اور نعش کو شہر کے باہر دفن کر دیا گیا۔



انقلاب ۲۲ مارچ ۱۹۳۵ء

## حادثہ کراچی پر گورہ فوج کے افسر کا اظہارِ افسوس

۳۵ شہداء کا خون بہا ایک سو روپیہ

کراچی ۲۲ مارچ: حادثہ کراچی کے شہداء و مجروحین کے لیے جو ریلیف کمیٹی بنائی گئی تھی اس کے چندے موصول ہو رہے ہیں۔ اس ضمن میں کرنیل وی ای سی ڈیش ووڈ کمانڈنگ رائل سکس کی طرف سے ایک سو روپے کی رقم کے ہمراہ ایک نہایت ہی دردناک خط بھی موصول ہوا ہے جس میں کمیٹی کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ اس موقع پر رجمنٹ کو جو ناگوار فرض ادا کرنا پڑا ہے اس پر بے حد متاسف ہے اور خاص کر اس شہر میں جہاں اس نے پانچ سال نہایت پُر امن طریق پر گزارے ہوں۔



نیر اسلام ۲۲ مارچ ۱۹۳۵ء

## [ ریلیف کمیٹی کا قیام اور فوج کا اظہارِ ندامت ]

کراچی ۲۲ مارچ: گزشتہ سہ شنبہ کو مسلمانوں کے ہجوم پر گولی چلانے سے جو لوگ مجروح ہوئے۔ ان کی امداد اور جام شہادت نوش کرنے والوں کے پس ماندگان کی اعانت کے لیے ریلیف کمیٹی بنائی گئی ہے جسے زراعت موصول ہو رہا ہے۔ اس کمیٹی کو لفٹنٹ کرنل وی ای سی ڈیش ووڈ ایم سی کمانڈنگ رائل سکس رجمنٹ کی طرف سے ایک سو روپیہ نقد کا عطیہ اور ایک

ہمدردی کا خط موصول ہوا ہے جس میں رجنٹ کی طرف سے مصیبت زدگان کو یقین دلایا گیا ہے کہ رجنٹ کو گولی چلانے کا حد درجہ قلق ہے لیکن سپاہی اپنے فرائض سے مجبور تھے۔ انہیں خاص کر اس امر کے پیش نظر بہت زیادہ افسوس ہے کہ انہیں اس شہر کے لوگوں پر گولی چلانی پڑی جن کی ہمسائیگی میں وہ گزشتہ پانچ سال سے پورے امن سے قیام پذیر تھے۔



نیر اسلام ۲۲ مارچ ۱۹۳۵ء

### زعمائے کراچی کا پیغام

برادران اسلام! ذمہ دار حضرات کے مشورے کے بعد یہ طے ہوا ہے کہ حادثہ کراچی کے زخمیوں اور مقتولوں کے وارثوں کی امداد کے لیے ایک ریلیف فنڈ قائم کیا جائے تاکہ زخمیوں اور مقتولوں کے پس ماندگان کی ہر ممکن مالی مدد کی جاسکے۔

مسلمانو! اگر آپ حضرات کے دل میں قوم کے ان مقتول مظلومین اور زخمی بھائیوں کے لیے کوئی جذبہ قومی موجود ہے تو آپ جلد از جلد اتنا سرمایہ فراہم کر دیں جو ابتدائی ضروریات کے لیے کافی ہو۔ ہمیں امید واثق ہے کہ ایک بھی مسلمان ایسا نہ ہوگا جو اس کار خیر میں حسب توفیق حصہ نہ لے گا۔ جملہ مسلمانان کی اطلاع کے لیے یہ تجربہ کرنا غیر ضروری نہ ہوگا کہ مسٹر حاتم اے علوی خود تمام اصحاب سے جمع شدہ رقم حاصل کر کے اپنے پاس بہ حیثیت خزانچی رکھیں گے۔

نوٹ: جن حضرات کے نام اپیل میں شائع کیے گئے ہیں ان کے سوا کسی دوسرے صاحب کو امدادی رقم نہ بھیجی جائیں۔

خادمان قوم و ملت

(مولانا) محمد صادق مدرسہ عربیہ کراچی  
 شیخ عبدالجید ایم ایل سی ایڈیٹر الوحید کراچی  
 حاتم اے علوی



نیر اسلام ۲۴ مارچ ۱۹۳۵ء

## [غازی عبدالقیوم کا وقت آخر]

کراچی۔ ۱۹ مارچ: شب کے گیارہ بجے غازی عبدالقیوم خاں کو اطلاع دی گئی کہ رات کے آخری حصہ میں آپ کو تختہ دار پر چڑھا دیا جائے گا۔ آپ اس وقت قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ کے چہرے پر ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی، آپ نے تلاوت ساڑھے تین بجے تک جاری رکھی تا آن کہ موت کے انسانی فرشتے نے آپ کو اطلاع دی کہ وقت قریب آچکا ہے، اس لیے تیار ہو جائیں۔ غازی صاحب نے یہ سن کر فرمایا کہ سپارہ ختم ہونے میں چند اوراق باقی رہ گئے ہیں صرف دس منٹ توقف کرتیں تاکہ میں ختم کر لوں۔ جب آپ سپارہ قرآن ختم کر چکے تو پھر اپنے پارہ دل کو راہِ مولا میں قربان کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ آپ با وضو تھے ہی آپ نے اپنی تسبیح گلے میں ڈال لی اور قاصد کے ہمراہ ہوئے۔ پھانسی کے تختہ کی طرف روانہ ہونے سے پہلے آپ نے پانچ مرتبہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ نعرہ تکبیر بلند کیا جس سے جیل کے درودیوار گونج اٹھے جس کا جواب مجبوس قیدیوں نے بھی پوری بلند آہنگی سے دیا۔ آپ کے دونوں ہاتھوں کو پیچھے کر کے ہتھکڑی لگا دی گئی۔ جب آپ پھانسی کے تختہ پر پہنچے تو آپ نے کہا کہ پھانسی کا رسہ میں خود اپنے گلے میں ڈالوں گا۔ آپ نے تختہ پر چڑھ کر رسے کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ:

”خوشا نصیب جو آج وصال حبیب کے حقیقی شربت کا جام نوش کرنے کا

شرف حاصل ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس قربانی کو قبول فرمائے۔“

آپ نے وصیت کی کہ ہندو مسلم میری موت سے زندگی پیدا کریں اور باہمی شکر رنجیوں کو

مٹادیں اور آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔



انقلاب ۲۶ مارچ ۱۹۳۵ء

## فوج نے انتباہ کے بغیر مسلمانوں پر گولی چلائی

کراچی کے حکام کی بے تدبیری اور وعدہ شکنی کی داستان

مسلم اکابر کا حقیقت افروز بیان

شیخ عبدالمجید صاحب سندھی، مسٹر حاتم علوی اور دوسرے اکابر کراچی نے من درجہ ذیل بیان شائع کیا ہے:

ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ غازی عبدالقیوم کی میت کو سپرد خاک کرنے کے سلسلے میں یکم مارچ سے لے کر (جب کہ یہ اعلان ہوا تھا کہ غازی کو دو شنبہ کے دن بہ تاریخ ۳ مارچ کراچی جیل میں پھانسی دی جائے گی) ۱۹ مارچ تک مقامی حکام کی روش کے متعلق بعض حالات و حقائق حکام اور پبلک کی آگاہی کے لیے پیش کر دیں اور ۱۹ مارچ کو وہ روح فرسا حادثہ پیش کیا جب کہ جنازے کے پُر امن جلوس پر بغیر کسی انتباہ و اعلان و وجہ جواز کے بے دردانہ گولی چلائی گئی۔

### وفد کا تقرر

یکم مارچ کو انجمن مسلمانان پنجاب نے مسلم لیڈروں کا ایک جلسہ منعقد کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ غازی عبدالقیوم کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کے متعلق حکام سے کوئی موزوں سمجھوتہ کیا جائے۔ اجلاس میں بیس مسلم نمائندوں کا ایک وفد مرتب کیا گیا اور فیصلہ ہوا کہ وفد کے ارکان دس بجے صبح کے قریب شیخ عبدالمجید صاحب کے مکان پر جمع ہوں اور وہاں سے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے ملاقات کے لیے جائیں چنانچہ وفد کے ارکان مقررہ وقت پر شیخ عبدالمجید صاحب کے مکان پر تشریف لے آئے۔ وہاں آٹھ مقتدر حضرات وفد کے لیے منتخب ہوئے۔ شیخ عبدالمجید وفد کے رہنما بنائے گئے۔ مقصد یہ تھا کہ متذکرہ بالا معاملے کے متعلق حکام متعلقہ سے



- ملاقات کی جائے۔ وفد ذیل کے حضرات پر مشتمل تھا:
- ۱۔ خان صاحب حاجی فضل الہی آنریری مجسٹریٹ
  - ۲۔ خان صاحب عبدالغنی
  - ۳۔ سیٹھ محمد اسحاق آنریری مجسٹریٹ
  - ۴۔ سیٹھ حاجی امام بخش
  - ۵۔ مسٹر نبی بخش محمد پناہ انکم ٹیکس
  - ۶۔ مسٹر حسن علی میر محمد بلوچ، رکن کراچی کارپوریشن
  - ۷۔ مسٹر اے آر خان
  - ۸۔ شیخ عبدالجید

### متعلقہ مقامی افسروں سے ملاقات

اس وفد نے ساڑھے گیارہ بجے صبح ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے ان کے گھر پر ملاقات کی، اس وقت وہاں ذیل کے افسر بھی موجود تھے۔ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس، میر مقبول خاں اسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ آف پولیس، مسٹر بھگوان داس ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ایک یادوسب انسپکٹر غازی عبدالقیوم کے چچا صاحب بھی اس وفد میں موجود تھے۔

وفد نے ان افسروں سے تین گھنٹے تک باتیں کیں۔ ارکان وفد کی درخواست یہ تھی کہ پھانسی کے بعد تجہیز و تکفین کے لیے غازی عبدالقیوم کی لاش ان کے حوالے کر دی جائے۔ وہ اس بات کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار تھے کہ اس موقع پر کسی قسم کی بد امنی نہیں پھیلنے دیں گے۔ حکام کی طرف سے جواب دیا گیا کہ غازی عبدالقیوم کے چچا اور دوسرے رشتہ داروں کی خواہش کے مطابق انہیں اس امر کی اجازت دے دی گئی ہے کہ وہ غازی موصوف کو دفن کرنے کے لیے ان کے وطن صوبہ سرحد (موجودہ نام خیبر پختونخواہ) لے جائیں۔ لہذا مقامی مسلمانوں کو ان کی نماز جنازہ ادا کرنے یا ماتمی جلوس میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی لیکن ارکان وفد نے مسلمانوں کی طرف سے غازی موصوف کی نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت کے حصول پر زور دیا اور کہا کہ غازی عبدالقیوم کے چچا کو بھی اس تجویز سے اختلاف نہیں کہ لاش کو ان کے وطن لے

جانے سے پہلے یہاں نماز جنازہ پڑھ لینے دی جائے۔

### طاقت کے استعمال کی دھمکی

یہاں پر بیان کر دینا ضروری ہے کہ حکام اور ارکان وفد کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ بہ حیثیت مجموعی نہایت خوش گوار تھی البتہ ایک افسر کے منہ سے بے ساختہ یہ جملہ ضرور نکل گیا کہ اگر مقامی مسلمانوں نے مقامی حکام کی مرضی کے خلاف کوئی اقدام کیا تو پھر ہمیں بھی طاقت استعمال کرنی پڑے گی۔ وفد کو یہ فقرہ نہایت غیر موزوں معلوم ہوا جس کے خلاف شیخ عبدالمجید نے سخت احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ میری قوم کے خلاف طاقت استعمال کرنے کی دھمکی دی جا رہی ہے۔ درآں حال یہ کہ ہماری درخواست صرف یہ ہے کہ انہیں ایک مسلمان بھائی کی میت پر نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت دی جائے۔ سول نافرمانی کے زور کے دنوں میں بھی جب کہ بعض دفعہ لوگ تشدد پر اتر آتے تھے۔ حکام ہجوم کو منتشر کرنے کے لیے صرف لٹھیاں استعمال کرتے تھے۔ شیخ عبدالمجید نے مزید ارشاد فرمایا کہ حکام کی اس روش کا مطلب یہ ہے کہ انہیں مسلمانوں کے تعاون کی کوئی پروا نہیں۔ اس پرائیڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس دونوں بول اٹھے۔ ہم تو آپ کا تعاون چاہتے ہیں اور ہمارا طاقت استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ وفد کی درخواست پرائیڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے یقین دلایا کہ مسلم لیڈروں کی درخواست ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس بہ ذریعہ تار ٹھٹھ بھیج دی جائے گی۔ وفد سے کہا گیا کہ وہ اسی دن ساڑھے چار بجے شام ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے ملاقات کرے۔ اس وقت دوسروں کے علاوہ وہاں خان صاحب گولے بھی موجود تھے۔ وفد کو بتلایا گیا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کراچی آرہے ہیں اور ان کے آنے پر اطلاع دے دی جائے گی کہ وہ کب انہیں ملیں۔

شیخ عبدالمجید صاحب نے سوال کا جواب دیتے ہوئے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے کہا کہ غازی عبدالقیوم کے رشتہ داروں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اس کی میت کو اپنے وطن مالوف میں لے جا کر دفن کریں گے۔ ان حالات میں مسلمانوں کی خواہش صرف یہ ہے کہ وہ غازی عبدالقیوم کے جنازہ کی نماز موزوں جگہ ادا کر سکیں۔ اس کے بعد سٹیشن تک میت کی شایعت کر سکیں۔

### پھانسی کی تاریخ کی التوا

۳ مارچ کو وفد کے ارکان جنہیں فرداً فرداً نوٹس موصول ہوا تھا۔ ساڑھے دس بجے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے دفتر میں حاضر ہوئے۔ اس وقت وہاں ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور دونوں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس یعنی مسٹر بھگوان داس اور میر مقبول خاں بھی موجود تھے۔ خان صاحب گولے بھی وہاں تھے وہ بھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس آ بیٹھے۔ ابھی ارکان اپنی اپنی نشست پر بیٹھے ہی تھے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ایک انہیں ایک برقیہ دکھایا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو حکومت کی طرف سے ہدایت کی گئی ہے کہ سر دست پھانسی ملتوی کر دی جائے اور مزید احکام کا انتظار کیا جائے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ارکان وفد سے یہ بھی کہا کہ اس پیغام کو اصل صورت میں عوام تک پہنچا دیا جائے تاکہ اس کے الفاظ کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی نہ رہے۔ اس پر شیخ عبدالمجید صاحب نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے کہا کہ پھانسی کا التوا غالباً اسمبلی کے مسلم ممبران کی کوششوں کا نتیجہ ہے جو وائسرائے سے رحم کی درخواست پر از سر نو غور کرانے کے لیے ساعی ہیں۔ خان صاحب گولے نے تجویز پیش کی کہ تار روز نامہ الوحید کے خاص نمبر میں شائع کیے جائیں۔ شیخ عبدالمجید صاحب اس تجویز پر عمل کے لیے فوراً رضا مند ہو گئے۔ ارکان وفد سے مزید یہ کہا گیا کہ التوا کے تاروں سے یہ نتیجہ نہ نکالا جائے کہ موت کی سزا منسوخ ہو گئی ہے بل کہ پھانسی کی جو تاریخ آئندہ مقرر ہوگی اس کی اطلاع مسلم لیڈروں کو دے دی جائے گی، تار کی نقلیں لے کر ارکان وفد واپس آ گئے۔

### ۴ مارچ کا ہجوم

جن لوگوں کو پھانسی کے التوا کے تاروں سے اطمینان نہیں ہوا، وہ ۴ مارچ کی صبح کو کراچی جیل کے باہر جمع ہو گئے۔ بیان کیا گیا ہے کہ ان میں سے بعض کی خواہش یہ تھی کہ غازی عبدالقیوم کا چہرہ کھڑکی سے دکھایا جائے لیکن حکام جنہوں نے صبح بعض آدمیوں کو اجازت دے دی تھی کہ وہ غازی عبدالقیوم سے ملاقات کر لیں۔ انہوں نے غازی کو کھڑکی سے دکھانے کی درخواست کر دی۔ بعض ارکان وفد کو اس صورت حال کا علم ہوا تو وہ موقع پر پہنچے۔ انہوں نے

لوگوں کو منتشر ہو جانے پر راضی کرنا شروع کیا۔ بارہ بجے کے قریب شیخ عبدالمجید صاحب موقع پر پہنچے تو انہوں نے جیل کے دروازے کے سامنے لوگوں کو زمین پر بیٹھے ہوئے پایا۔ خان صاحب حاجی فضل الہی، حاجی امام بخش اور سیٹھ اسحاق جیل کے دروازے کے سامنے اجتماع کو روک رہے تھے۔ من درجہ بالا مسلم رہنما اور خان صاحب حاجی عبدالغنی اور شیخ عبدالمجید صاحب ایک گوشے میں علاحدہ مشورہ کے لیے جمع ہوئے اور فیصلہ کیا کہ وہ جیل کے دروازے سے ہٹ کر کھڑے ہو جائیں تاکہ لوگ اس طرف آجائیں۔ لوگوں سے زبانی کچھ نہ کہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے لوگ منتشر ہو گئے۔ بعد ازاں رہنماؤں نے انہیں مخاطب کیا اور یقین دلایا کہ غازی عبدالقیوم کو پھانسی نہیں دی گئی۔ نیز درخواست کی کہ دو آدمی منتخب کر لیے جائیں جن کے واسطے غازی عبدالقیوم کے ساتھ ملاقات کی اجازت حاصل کر لی جائے گی۔ اس طرح اطمینان کر چکنے کے بعد سب اپنے گھروں کو چلے جائیں۔

### پولیس کالاشی چارج

لوگ اس تجویز پر رضامند ہو گئے اور ایک دو آدمی اس فیصلے کی اطلاع دینے کے لیے ان لوگوں کے پاس بھیجے گئے جو جیل کے دروازے کے سامنے بیٹھے تھے۔ یہ لوگ ابھی وہاں پہنچے بھی نہ تھے جب یہ دیکھا گیا کہ پولیس نے ہلکا سا لاٹھی چارج کیا اور مجمع منتشر کر دیا گیا۔ یہ طرز عمل اگرچہ افسوس ناک تھا لیکن اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلا۔ اس لیے کہ ہزاروں آدمیوں نے رہنماؤں کے قول کو صحیح سمجھتے ہوئے اور واقعہ پر افسوس کرتے ہوئے اپنے گھروں کا راستہ لیا۔ اس دوران میں اور آدمی آنے لگے جنہیں اس واقعہ یا پھانسی کے التوا کے متعلق کچھ علم نہ تھا۔ یہ آدمی بھی چاہتے تھے کہ ان میں سے چند آدمی غازی عبدالقیوم کے ساتھ ملاقات کر کے پورا اطمینان کر لیں کہ غازی عبدالقیوم کو خفیہ پھانسی دے کر دفن نہیں کر دیا گیا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے پولیس کے ان افسروں کی موجودگی میں جو موقع پر حاضر تھے۔ شیخ عبدالمجید صاحب سے کہا کہ وہ لوگوں سے اس بات کا عہد لے کر کہ غازی کو پھانسی نہ دیے جانے کی نسبت اطمینان حاصل کر کے گھروں کو چلے جائیں گے۔ غازی سے جیل میں ملاقات کر لیں۔ شیخ عبدالمجید نے اس تجویز کو قبول کر لیا اور درخواست کی کہ خان صاحب حاجی فضل الہی آنریری مجسٹریٹ کو بھی ان کے ساتھ جانے کی

اجازت دی جائے۔

### غازی سے ملاقات کی اجازت منسوخ

شیخ صاحب معاً ہجوم میں گئے۔ دو تین منٹ ان کے سامنے تقریر کی، ابھی وہ یہ بھی نہیں کہنے پائے تھے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے غازی عبدالقیوم سے ملاقات کی اجازت دے دی ہے تو مجسٹریٹ نے جو شیخ صاحب کے پیچھے کھڑا تھا۔ حکم دے دیا کہ شیخ صاحب اس معاملے کے متعلق تقریر نہ کریں۔ شیخ صاحب وہیں تقریر کو بند کر کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی طرف بڑھے لیکن مجسٹریٹ شیخ صاحب سے بات بھی کیے بغیر جیل کے دروازے کی طرف چلے گئے۔ ایک لمحہ میں چار پانچ لاریاں جیل کے دروازے پر آئیں جن میں فوجی لوگ سوار تھے۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک صف باندھے کھڑے رہے، پھر چلے گئے۔ مسلم رہنماؤں بل کہ پولیس کے بعض افسروں نے بھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اس رویہ پر تعجب کا اظہار کیا جنہوں نے بغیر کسی وجہ کے غازی سے ملاقات کی اجازت منسوخ کر دی اور فوج بلالی۔ حالاں کہ اس کی ضرورت نہ تھی اور ہزاروں لوگ آدھ گھنٹہ پہلے جا چکے تھے اور جو لوگ تازہ آئے تھے وہ دو تین سو سے زیادہ نہ تھے اور یہ سب کے سب جیل کے باہر دیوار کے پاس بالکل پُر امن طریق پر کھڑے رہے۔ اس موقع پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مسلمان لیڈروں سے مل کر ان کو اس بات کا یقین دلایا کہ غازی صاحب کو تا حال پھانسی نہیں دی گئی بل کہ وہ زندہ موجود ہیں اس لیے آپ ہجوم کو منتشر کر دیں۔ لیڈروں نے ہجوم سے کہا کہ ہمیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے ایک ایک لفظ کی صحت کا یقین ہے اور ضروری ہے کہ چند آدمیوں کے سوا سب منتشر ہو جائیں۔ غالباً چند آدمیوں کے سوا ڈھائی بجے تک تمام لوگ چلے گئے۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ غازی کے رشتہ داروں نے شام کے تین چار بجے کے درمیان غازی سے ملاقات کی اور جو چند آدمی اس وقت تک جیل پر موجود تھے انہیں غازی کے رشتہ داروں نے پھانسی کے اتوا کا یقین دلایا اور وہ بھی چلے گئے۔ اس وقت سے لے کر غازی کے رشتہ داروں کے سوا کوئی شخص جیل کی طرف نہ گیا۔

چوں کہ غازی عبدالقیوم کے ورثاء کو یقین دلایا جا چکا تھا کہ پھانسی کے بعد میت ان کے حوالے کر دی جائے گی اس بنا پر غازی کے بھائی اور چچا کی طرف سے ایک درخواست ۳ مارچ

کوٹھی مجسٹریٹ کے نام بھیجی گئی۔

### غازی کے ورثاء کی درخواست

۱۔ ہم رشتہ دارانِ عبدالقیوم کی استدعا ہے کہ پھانسی کے بعد عبدالقیوم کی میت ازراہ مہربانی ہمیں دے دی جائے اور ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم اپنے مذہب کے مطابق احاطہ جیل کے باہر اس کی تجہیز و تکفین کر لیں۔

۲۔ ہم سٹی مجسٹریٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں اجازت دے دی کہ ہم میت کو اپنے گاؤں ”غازی“ (ضلع ہزارہ صوبہ سرحد) کو لے جائیں۔ ہماری درخواست ہے کہ جس دن پھانسی دی جائے اسی دن ۹ بجے شب کراچی میل سے ہمیں میت کے لے جانے کی اجازت دی جائے۔

اس کے بعد جب پھانسی ملتوی کر دی گئی تو رشتہ داروں نے ایک اور درخواست (مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۳۵ء) اسی حاکم کے پاس بھیجی اور اس کی نقول وائسرائے اور گورنر بمبئی کے پرائیویٹ سیکرٹری کو بھی ارسال کیں اور ان حکام بالادست سے استدعا کی کہ وہ ان کی التجاؤں کی عاجلانہ منظوری کے لیے مقامی حکام کو ہدایت کر دیں۔ اس درخواست کا مضمون حسب ذیل تھا:

”ہم آپ کو اپنی درخواست مورخہ ۳ مارچ ۱۹۳۵ء کی طرف توجہ دلاتے ہیں جس میں ہم نے اس امر پر مقامی حکام کا شکریہ ادا کیا تھا کہ انہوں نے ہمیں عبدالقیوم کی میت اس کے گاؤں میں لے جانے کی اجازت دے دی۔ ہم اس شکریہ کا اعادہ کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری درخواست کے دوسرے دو نکات کے متعلق اب تک کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

یعنی اول: جیل کے باہر تجہیز و تکفین کی اجازت۔

دوم: پھانسی کے دن پنجاب میل سے میت لائے جانے کی منظوری۔

اس سلسلے میں ہم آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی گزارش کر دیتے ہیں کہ عبدالقیوم کی والدہ اس کی میت کو بالآخر تدفین کے لیے مدینہ شریف بھیجنا چاہتی ہے اور جونہی ہمارے پاس مصارف سفر کا انتظام ہو گیا ہم اس اجازت کے لیے بھی

درخواست پیش کریں گے۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ان معروضات کا جواب شاید اس لیے نہیں ملا کہ پھانسی ملتوی ہو گئی ہے۔ وجہ کچھ بھی ہو بہ ہر حال ہماری استدعا ہے کہ ہماری پہلی درخواست کا جواب جلد دے دیا جائے۔ اس سے ہمارے اندیشوں کا بہت بڑی حد تک ازالہ ہو جائے گا اور ہم آپ کے تہ دل سے شکر گزار ہوں گے۔“

### سٹی مجسٹریٹ کا جواب

سٹی مجسٹریٹ کراچی کی طرف سے اس کے جواب میں حسب ذیل چٹھی (نمبر ۷۳۷ مورخہ ۷ مارچ ۱۹۳۵ء) موصول ہوئی۔

”رحمت اللہ خاں کو اس کی درخواست مورخہ ۹ مارچ ۱۹۳۵ء کے جواب میں اطلاع دی جاتی ہے کہ اس کی درخواست مورخہ ۳ مارچ کا جواب مناسب وقت پر دیا جائے گا۔“

نئی دہلی اور بمبئی کے جوابات حسب ذیل ہیں:

”نقل چٹھی نمبر ایف ۲۴/۱۲۳۷ جوڈیشل، گورنمنٹ آف انڈیا۔ ہوم

ڈیپارٹمنٹ نئی دہلی۔ ۱۵ مارچ ۱۹۳۵ء

تمہاری درخواست مورخہ ۶ مارچ ۱۹۳۵ء من جانب قیدی سزایافتہ موت عبدالقیوم حکومت بمبئی کے پاس بھیج دی گئی ہے تاکہ قواعد کے مطابق اس کا تدارک کیا جائے۔“

نقل چٹھی مورخہ یکم مارچ ۱۹۳۵ء من جانب پرائیویٹ سیکرٹری گورنر بمبئی

مجھے ہدایت دی گئی ہے کہ میں تمہاری چٹھی مورخہ ۶ مارچ ۱۹۳۵ء کی موصولی کا اقرار کروں۔ تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ چٹھی ہوم ڈیپارٹمنٹ میں دفتری غور اور کارروائی کے لیے بھیج دی گئی ہے۔

### پھانسی دے دی گئی

نئی دہلی والی چٹھی ۷ مارچ ۱۹۳۵ء کو کراچی پہنچی۔ اس خط و کتابت کے پیش نظر قدرتی

طور پر یہ توقع کی جاتی تھی کہ حکومت پھانسی سے پہلے عبدالقیوم کے رشتہ داروں کو اپنے فیصلے سے مطلع کر دے گی لیکن ۱۹ مارچ ۱۹۳۵ء کو پانچ بجے صبح پولیس والوں نے ان کے رشتہ داروں کو آن جگایا اور انہیں سیدھے شہر کے باہر میوہ شاہ کے قبرستان میں لے گئے۔ اسی اثنا میں غازی عبدالقیوم کو تقریباً چار بجے صبح چپ چاپ پھانسی دے دی گئی اور اس کے رشتہ داروں کو آخری ملاقات تک کا موقع نہ دیا گیا تھا۔ اس کی میت قبرستان مذکور میں پہنچادی گئی جہاں اس کے لیے ایک قبر بھی تیار کر لی گئی۔ مٹھی بھر پولیس کے آدمی وہاں موجود تھے اور سات بجے تک کوئی ایک سو مسلمان مرد و زن وہاں جمع ہو گئے جو غازی کا چہرہ دیکھنا چاہتے تھے۔ ان لوگوں نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ میت کو کسی کھلے میدان میں منتقل کیا جائے تاکہ عام نماز جنازہ پڑھی جائے۔ نعش اب لحد میں اتاری جا چکی تھی اور حافظ غلام رسول (کیمپ کراچی) ایک مختصر نماز جنازہ بھی پڑھا چکے تھے جنہیں پولیس صبح ہی صبح بلا کر لے آئی تھی۔

### میت کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا

تاہم لوگوں کی درخواست پر نعش کو قبر سے نکال کر قبرستان سے قریباً ایک میل کے فاصلے پر ایک میدان میں رکھا گیا۔ یہاں پولیس نے نعش کو لوگوں کے حوالے کر دیا اور خود چلی گئی۔ رفتہ رفتہ ہجوم بڑھنا شروع ہو گیا اور گیارہ بجے تک بیس ہزار اشخاص مرد، عورتیں اور بچے جمع ہو گئے تھے۔ حیرت یہ ہے کہ اس وقت وہاں پولیس کا ایک سپاہی بھی موجود نہ تھا۔ یہ ہجوم قریباً ساڑھے گیارہ بجے ایک جلوس کی شکل میں چوکی دائر عید گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہجوم ابھی عید گاہ کے میدان سے قریباً ایک سو گز کے فاصلے پر تھا کہ ایک فوجی دستے نے ان کا راستہ روک لیا۔ اس اثنا میں ایک اور فوجی دستہ ہجوم کے پیچھے سے آ گیا۔ یہاں سڑک کے دونوں جانب مکانات اور سڑکیں ہیں۔ ہجوم ہر طرف سے گھرا ہوا تھا، اتنے میں ایک موٹر کار بھی آ گئی جس میں ایک فوجی افسر کے ہمراہ دو آنریری مجسٹریٹ (جہاں گیر پٹاٹھا کے اور رائے بہادر شورام دیوان مل) بھی سوار تھے۔ یہ موٹر کار ہجوم میں سے گزر کر آگے پہنچ گئی۔ بہت سے اشخاص نے اس طرز عمل پر اعتراض کیا اور کہا کہ یہ حرکت خلاف مذہب اور نعش کی توہین کے مترادف ہے لیکن موٹر کار کے افسروں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر بعض مکرانی نوجوانوں کو جوش آ گیا اور انہوں نے موٹر پر چند روڑے پھینک دیے اور کہا جاتا ہے کہ رائے



بہادر دیوان مل کو بھی ایک روڑا لگاتا ہم موٹر کار آگے بڑھتی گئی تاکہ آں کہ جلوس کے آخری حصے پر پہنچ گئی۔ اس کے فوراً بعد فوجی دستوں کو یہ حکم ملا کہ گولی چلا دو اور انہوں نے نہایت قریب سے فائر کرنا شروع کر دیا۔

### فوج نے گولی چلا دی

گولی چلانے سے قبل نہ کوئی انتباہ کیا گیا اور نہ لائٹھی چارج تک نوبت آئی۔ اس ہجوم کے ایک شخص کو بھی اس نوع کی خون ریزی اور قتل عام کا گمان تک نہ تھا۔ مرد و عورتیں اور بچے بالکل بے خبر کھڑے تھے کہ ان پر گولیوں کی بارش شروع ہو گئی۔ اس پر ہجوم دفعتاً منتشر ہو گیا اور جنازے..... کو جبراً میوا شاہ کے قبرستان میں لے جا کر دفن کر دیا۔ گولی چلانے کا منظر بے حد دردناک اور رقت انگیز تھا۔ قرب و جوار کی دیواریں فائرنگ کی غضبناکی کا پتہ دیتی ہیں۔ تمام زمین خون کی کثرت سے لالہ زار بن گئی تھی۔ عورتوں اور بچوں کو بلا امتیاز گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ چند ہی منٹ کے اندر ہسپتال میں نعشوں اور مجروحین کی آمد شروع ہو گئی۔ فوج اور پولیس کی لاریاں، پرائیویٹ موٹر کاریں اور بعض دیگر ذرائع سے مجروحین و مقتولین کی اس قدر تعداد آرہی تھی کہ ہسپتال کے افسران کے انتظام سے معذور تھے۔ مستند اطلاعات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ شہدا کی تعداد چالیس اور مجروحین کی تعداد ایک سو تھی۔ بعض لوگ سول ہسپتال میں داخل ہو کر جاں بحق ہو گئے اور اکثر ایسے لوگ بھی تھے جن کے ہاتھوں، بازوؤں اور ٹانگوں کو کاٹنا پڑا۔

اس سلسلہ میں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض مجروحین و مقتولین کے ورثاء اور احباب ان کو قتل گاہ سے اپنے طور پر گھروں کو لے گئے تھے۔ ایسے اشخاص کی صحیح تعداد معلوم کرنے کے لیے کوشش ہو رہی ہے۔ بہ ہر حال یہ تعداد من درجہ صدر اعداد و شمار میں شامل نہیں۔

### توجہ طلب مسائل

من درجہ صدر بیان سے بعض مسائل خاص طور پر توجہ طلب ہیں مثلاً:

۱۔ حکام نے مقامی مسلم لیڈروں پر ہرگز کوئی اعتماد نہ کیا حالانکہ وہ اس بات کا یقین دلا چکے تھے کہ پھانسی کے بعد اگر میت کو ان کے حوالے کر دیا گیا تو وہ کسی قسم کی بد امنی اور شورش

نہیں ہونے دیں گے۔

۲۔ حکام نے اپنی وحشیانہ طاقت کے گمان پر ہر قسم کی ذمہ داری کو اپنے اوپر لے لیا اور اپنے ارادے کو کامیاب بنانے کا عزم کر لیا۔

۳۔ اگرچہ ۴ مارچ کو حکام کو اس بات کا یقین دلایا جا چکا تھا کہ جس ہجوم کو ہزاروں کی تعداد میں بتایا جاتا ہے اس پر پولیس کا لاٹھی چارج ہی کافی ہوگا لیکن ۱۹ مارچ کو نہ کوئی لاٹھی چارج ہوا اور نہ ہجوم کو گولی چلانے سے قبل کوئی تنبیہ کی گئی۔

۴۔ اگر بعض غیر ذمہ دار اشخاص نے آنریری مجسٹریٹوں پر کچھ پتھر بھی پھینکے تو اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ موٹر کار کے سواروں نے ہجوم کو اشتعال کا موقع دیا۔ جس نے جنازہ کے جلوس سے جبراً گزرنے کی کوشش کی۔ نیز ان حالات میں بلا امتیاز گولی چلانے کو کسی حالت میں بھی حق بجانب قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۵۔ بعض اخبارات کی اس گم راہ کن خبر نے بھی سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے کہ ہجوم نے باغیانہ شکل اختیار کر لی تھی اور یہ لوٹ اور خون ریزی کا بازار گرم کرنا چاہتا تھا۔ اس قسم کی اطلاعات کی اس واقعہ کے بعد کیا حیثیت رہ جاتی ہے کہ ۴ مارچ سے لے کر ۱۹ مارچ تک کوئی فرقہ وارش کش واقع نہیں ہوئی اور ہندو مسلم تعلقات اعتدال پر رہے۔ ہجوم کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ میت کو عید گاہ کے میدان میں پہنچایا جائے اور جو لوگ میوا شاہ کے قبرستان میں نماز جنازہ میں شریک نہیں ہو سکے۔ عید گاہ کے میدان میں شرکت کی سعادت حاصل کریں۔



انقلاب ۲۶ مارچ ۱۹۳۵ء (مراسلہ)

## کراچی کے حادثہ خونین کے متعلق پہلا چشم دید بیان

فوجیوں نے گولی چلانے سے قبل کوئی اغتباہ نہ کیا  
عبدالقیوم کی میت کو دفن نہیں کیا گیا تھا

کراچی ۲۱ مارچ، جناب ایڈیٹر صاحب اخبار انقلاب  
السلام علیکم! میں غازی عبدالقیوم کے جنازہ میں شریک ہونے والے مسلمانوں پر گولی  
چلنے کے اصل واقعات لکھتا ہوں، یہ جو کچھ میں لکھوں گا بالکل صحیح ہے اور آپ مہربانی کر کے اپنے  
قیمتی اخبار میں شائع کر کے مشکور فرمائیں۔

۱۹ مارچ کی صبح کو ۴ بجے غازی صاحب کو شہادت کا جام پلا کر میت پولیس کی معیت  
میں میواشاہ غازی کے قبرستان کے کپاؤنڈ میں لائی گئی اور پولیس کی طرف سے قبر کی کھدائی کا  
پہلے سے انتظام کر لیا گیا تھا۔ پولیس ۶ بجے کے قریب غازی موصوف کے رشتہ داروں کے گھر  
گئی اور ان سے کہا کہ آؤ ہمارے ساتھ غازی صاحب سے ملاقات کرادیں۔ غازی صاحب  
کے رشتہ داروں میں سے ایک آدمی شہر میں چلا گیا اور اس نے شہر میں خبر کر دی۔

میواشاہ غازی کے مزار کے باہر چاروں طرف پولیس کا پہرہ تھا۔ اندر بیس پچیس آدمیوں  
نے نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد پولیس نے لاش کو دفن کرنے کی کوشش کی مگر چند آدمی اس  
وقت پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے قبر میں دفن نہ ہونے دیا، وہاں خود لیٹ گئے مگر پولیس نے غازی  
صاحب کی لاش کو قبر میں اتار دیا، پتھر اور مٹی نہ دی تھی کہ لوگ کافی تعداد میں آنے شروع ہو گئے،  
حتیٰ کہ لوگ بہت بڑی تعداد میں جمع ہو گئے۔ تب پولیس واپس چلی گئی۔ لوگوں نے غازی  
صاحب کی لاش کو قبر سے نکال کر باہر میدان میں نماز جنازہ ادا کی۔ عورتیں، مرد، بچے قریباً ایک  
لاکھ ہوں گے۔ نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد لوگ شہر کی طرف جنازہ لے کر چل رہے۔ اس  
جلوس کے دوران میں ایک موٹر میں پولیس افسر تھے ان کو چند شرارتی لڑکوں نے معمولی پتھر

برسائے مگر موٹر فاسٹ سپیڈ میں لے گئے اور جلوس سے نکل گئے۔ چوکیواڑہ کے سرے پر فوج ملٹری اور پولیس کا پہرہ تھا۔ لوگ بڑھتے جا رہے تھے کہ گولیوں کی بارش شروع ہو گئی۔ میں حلفیہ لکھ رہا ہوں اور میرا چشم دید واقعہ ہے پولیس افسروں نے نہ یہ کہا کہ تم لوگ منتشر ہو جاؤ نہ لاٹھی چلائی اور نہ ہوئی فائر کیے۔ اگر ہوائی فائر کیے جاتے یا لوگوں کو دھمکی دی جاتی یا لاٹھی چارج کیا جاتا تو لوگ ضرور منتشر ہو جاتے۔ گولی قریباً پانچ چھ منٹ تک چلتی رہی۔ بس پھر کیا تھا بہت سے لوگ زخمی چھپ کر اپنے گھروں کو چلے گئے اور بہت سے شہید ہوئے۔ اخباروں میں جو تعداد زخمیوں یا شہیدوں کی دی جا رہی ہے وہ تعداد سول ہسپتال سے لی گئی ہے۔ بہت سے زخمی اپنے گھروں میں علاج کر رہے ہیں اور بہت سے پرائیویٹ ڈاکٹروں سے علاج کر رہے ہیں۔ دو تین عورتیں بھی زخمی ہوئی ہیں۔ لوگ چھپ کر گھروں میں علاج کر رہے ہیں۔ میں کوشش میں ہوں کہ صحیح تعداد شہیدوں کی مل جائے۔ تعداد صحیح ملنے پر میں پھر آپ کو اطلاع دوں گا۔ گولی چلنے سے بہت سے لوگ جو اپنی جھونپڑیوں میں تھے ان کو گولیاں جھونپڑیوں میں لگی ہیں اور زخمی ہوئے ہیں۔

خدا کی قسم کھا کر میں لکھتا ہوں کہ پولیس نے گولی چلانے سے پہلے کسی قسم کی وارننگ یعنی اطلاع نہیں دی۔ اخباروں میں تعداد ٹھیک نہیں بتائی جا رہی۔

اخباروں میں خبر دی گئی ہے کہ پولیس پر لوگوں نے حملہ کر دیا اور پولیس نے ہوائی فائر کیے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر ایک دو ہی صرف ہوائی فائر کیے جاتے تو بہت سے لوگ واپس چلے جاتے، ہجوم نے کسی قسم کا حملہ پولیس پر نہیں کیا۔ مسلمانوں میں گھر گھر میں ماتم برپا ہے، ہر قوم میں شہید ہوئے ہیں، گولیاں سپاہیوں نے چلائی تھیں۔

ایک دردمند مسلمان



انقلاب ۲۶ مارچ ۱۹۳۵ء

## مجر و چین کراچی کی امداد کی جائے

کراچی، ۲۴ مارچ۔ مسلمانانِ کراچی نے ایک عظیم الشان اجتماع میں من درجہ قراردادیں منظور کیں:

۱۔ مسلمانانِ کراچی کا یہ عظیم الشان اجتماع مسلم لیڈروں کے ۲۰ مارچ کے اجلاس کی قرارداد کی لفظ بہ لفظ تصدیق کرتا ہے جو غازی عبدالقیوم کی رسم تدفین کے لیے منظور کی گئی تھی۔

قرارداد کے الفاظ حسب ذیل تھے:

”یہ جلسہ ارباب حل و عقد سے مطالبہ کرتا ہے کہ ایک غیر جانب دار کمیٹی کے ذریعے افسران متعلقہ کے رویہ کی تحقیقات کی جائے۔ مسلمانانِ کراچی کے اس جم غفیر کا عقیدہ ہے کہ متعدد اشخاص کی جاں تلفی بالکل غیر منصفانہ ہونے کے علاوہ افسران متعلقہ کی ناقابلیت کی پوری دلیل ہے کیوں کہ فائر کے بغیر ہی معاملہ صاف ہو سکتا تھا۔ یہ جلسہ اظہارِ افسوس کرتا ہے کہ افسران متعلقہ نے غازی عبدالقیوم کو پھانسی دینے کی تاریخ کے تعین اور ان کی نعش کے متعلق اپنے ان مواعید کے خلاف کارروائی کی جو مسلم لیڈروں سے کیے گئے تھے۔“

مسلمانانِ کراچی کو اس امر کا نہایت افسوس ہے کہ باوجود یہ کہ مسلم لیڈروں نے اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ صورت حالات کو پُر امن رکھ کر تمام معاملات کو اچھی طرح طے کر لیں گے۔ حکومت کے ارباب حل و عقد نے مسلم زعماء کے تعاون کی پروا نہ کی۔ اس لیے اس جلسہ کی یہ رائے ہے کہ اتنی جانوں کے اتلاف کی ذمہ داری محض انہی افسروں پر عائد ہے۔

۲۔ مسلمانانِ کراچی کا یہ جلسہ حادثہ ہائلہ کراچی کے متعلق جس میں کہ متعدد مرد، عورتیں اور بچے ہلاک اور مجروح ہوئے ہیں۔ غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے۔ یہ جلسہ کراچی کے تمام مسلمانوں سے استدعا کرتا ہے کہ مولانا محمد صادق، شیخ عبدالمجید اور سیٹھ حاتم کی اپیل کے جواب میں چندہ کی ہر ممکن رقم کو پیش کرتے ہوئے اپنی دلی ہمدردی کا ثبوت دیں۔



انقلاب ۲۶ مارچ ۱۹۳۵ء

## مصیبت زدگان کراچی کی امداد

پٹنہ، ۲۳ مارچ۔ مسٹر ایم مجید صاحب نے بڑی انجمن خادم الاسلام مسلم یتیم خانہ پٹنہ بہ ذریعہ تار اطلاع دیتے ہیں کہ انجمن نے ایک خاص جلسہ کے ذریعہ مصیبت زدگان کراچی سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کراچی کے مسلم زعماء کے نام تار ارسال کیے ہیں جن میں یتیموں کی پرورش اور ان کی نگہداشت کے لیے اپنی خدمات پیش کی ہیں۔

## مسلمانانِ کانپور کا خاص جلسہ

کانپور، ۲۰ مارچ۔ مسٹر ایس ایم فاروقی سیکرٹری لیگ، مسلم ایسوسی ایشن کانپور بہ ذریعہ تار اطلاع دیتے ہیں کہ مسلمانانِ کانپور نے جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا جس میں من درجہ ذیل قرارداد منظور ہوئی:

”مسلمانانِ کانپور کا یہ جلسہ حادثہ ہائلہ کراچی کے متعلق غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے شہداء کے ورثاء اور مجروحین سے دلی ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔ یہ جلسہ حکومت سے التجا کرتا ہے کہ ایک آزاد کمیٹی کے ذریعے معاملے کی تحقیق کر کے مجرمین کو سزا دے۔“

یہ جلسہ اسمبلی کے کانگریسی ارکان کا شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے اسمبلی میں واقعہ کراچی کی بحث میں مسلم لیڈروں سے تعاون کیا ہے۔“



انقلاب ۲۷ مارچ ۱۹۳۵ء

## حکام کو سزا اور شہداء کے ورثا کو خوں بہا دیا جائے

کراچی کے خونیں حادثہ پر انجمن اسلامیہ شرق پور کا احتجاج شرق پور، ۲۳ مارچ۔ مسٹر پی ایم اسلم سیکرٹری انجمن اسلامیہ شرق پور مطلع فرماتے ہیں: انجمن اسلامیہ شرق پور کی مجلس عاملہ کے ارکان کا ایک جلسہ بہ صدارت حکیم سردار محمد صاحب ۲۲ مارچ کو اسلامیہ سکول شرق پور میں منعقد ہوا۔ من درجہ ذیل قراردادیں بہ اتفاق آراء منظور ہوئیں:

”ہم نے نہایت خوف و ہراس اور حقارت کے ساتھ اس لرزہ خیز حادثہ کی خبر کو سنا ہے کہ ۱۹ مارچ ۱۹۳۵ء کو کراچی میں پولیس اور فوج نے غازی عبدالقیوم کی نعش کے گرد جمع شدہ بے گناہ مسلمانوں پر فائر کیے۔ واقعات سے یہ امر واضح ہے کہ یہ صورت مقامی حکام کے دانش مندانہ طور پر معاملہ کو ہاتھ میں لینے سے قاصر رہنے اور فوجی و غیر فوجی آدمیوں کی بدانتظامی کے باعث رونما ہوئی۔

اگر حکام کی بدانتظامی سے ناگوار صورت پیدا ہو بھی گئی تھی تو بھی یہ حادثہ خونیں گرفتوں کے آدمی ایسی غیر ذمہ داری اور بے پروائی سے کام نہ لیتے۔ وقوع پذیر نہ ہوتا۔ یہاں کراچی کے کثیر التعداد مسلمانوں کی اموات پر ہم کو افسوس ہے اور ہم شہداء کے پس ماندگان کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔ وہاں ہم حکومت سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ ایک آزاد تحقیقاتی کمیٹی مامور کرے اور مجرموں کو سزا دے، شہداء کے قریبی رشتہ داروں کو جنہیں ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ تاوان دیا

جائے۔

ہم حکومت کو پُر زور طریقہ پر جتا دینا چاہتے ہیں کہ اگر حکومت نے اس بارے میں فوری کارروائی نہ کی تو حکومت پر مسلمانوں کو جو اعتماد ہے۔ وہ سب ختم ہو جائے گا۔“

ایک اور قرارداد منظور ہوئی کہ مذکورہ بالا قرارداد کی نقول گورنر جنرل، صدر اسمبلی اور اخبارات کو بھیجی جائیں۔



حادثہ گراچی کی تحقیقات کی جائے

## مسلمانانِ کلکتہ کے مطالبات

کلکتہ، ۲۵ مارچ۔ مسلمانانِ کلکتہ کے ایک عظیم الشان اجتماع نے مسٹر ایچ ایس سہروردی، ایم ایل سی کے زیر صدارت ایک خاص اجلاس منعقد کر کے متعدد قراردادوں کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا کہ حادثہ گراچی کی تحقیقات کے لیے ایک آزاد کمیٹی کو قائم کرے اور شہداء کے ورثاء اور مجروحین کو زرفندیہ دے اور ان کے نقصان کی تلافی کرے۔

ایک دوسرے ریزولوشن کے ذریعے حکومت اور اسمبلی کے ارکان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ تعزیرات ہند کی بعض دفعات کی ترمیم کر کے ایسے اشخاص کو عبور دریائے شور کی سزا دے جو ناشائستہ کتابیں لکھ کر کسی مذہب پر ناجائز حملے کر کے کسی قوم کے افراد کی دل آزاری کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔





انقلاب ۲۷ مارچ ۱۹۳۵ء (اداریہ)

## کراچی کے مسلمانوں کی بے گناہی ثابت ہوگئی

مسلم اکابر کا حقیقت افروز بیان

شیخ عبدالمجید سندھی اور دوسرے مسلم اکابر نے کراچی کے واقعہ ہائلہ کے متعلق جو مفصل بیان شائع کیا ہے وہ اشاعت دیروزہ میں قارئین کرام کے ملاحظہ میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ کراچی کے خونچکاں واقعہ کی ذمہ داری تمام تر حکام پر ہے۔ انہوں نے بے درپے بے تدبیری سے کام لیا، مسلمانوں کی ہر جائز خواہش کو رد کیا، ہجوم کو مطمئن کرنے اور مطمئن رکھنے کی وہ تمام صورتیں جن پر بغیر کسی اندیشے اور خطرے کے عمل کیا جاسکتا تھا۔ حکام نے انتہائی بے پروائی سے مسترد کیں اور حد درجہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ مسلمانوں پر گولی چلانے کی وجہ پیدا کرنے کے لیے یہ غلط بیانی کی گئی کہ مجمع نے غازی عبدالقیوم کی میت کو دفن کرنے کے بعد قبر سے نکالا اور جلوس کو شہر لے جایا جا رہا تھا، حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ میت صرف لحد میں اتاری گئی تھی، دفن نہیں کی گئی تھی۔ نیز مسلمانوں کی خواہش یہ نہ تھی کہ جلوس کو شہر میں پھرائیں بل کہ محض یہ تھی کہ چاکیواڑہ عیدگاہ میں نماز جنازہ ادا کریں، وہ قبرستان سے نکل کر ایک میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے اور عیدگاہ سے صرف سو گز کے فاصلے پر رہ گئے تھے جب ان پر بغیر کسی اہانتاہ و اطلاع کے بے دردانہ گولی چلائی گئی۔

مسلمان صرف یہ چاہتے تھے کہ انہیں نماز جنازہ ادا کرنے کا موقع دیا جائے، ان کے مسلمہ رہنما ہر قسم کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار تھے، یہ انتظام ہو سکتا تھا کہ مثلاً چاکیواڑہ عیدگاہ میں یا کسی اور کھلے میدان میں نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت دے دی جاتی اور کوئی تعرض نہ کیا جاتا، البتہ رہنماؤں سے یہ کہہ دیا جاتا کہ اگر جلوس کو عیدگاہ سے ادھر ادھر لے جانے کی کوشش کی جائے گی تو نتائج کی ذمہ داری ان پر ہوگی۔ عجیب بات یہ ہے کہ مجمع قبرستان سے نکل کر ایک میل کا فاصلہ طے کر چکا تھا اور عیدگاہ سے صرف سو گز کے فاصلے پر رہ گیا تھا، کیا یہ ممکن

نہ تھا کہ اس موقع پر مزید انتظار کر لیا جاتا اور اگر مجمع عید گاہ میں نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد جلوس کو شہر میں پھرانے کی سعی کرتا تو اسے روکا جاتا؟ میت کو قبرستان سے ایک میل لانے کی اجازت دینے اور عید گاہ سے صرف سو گز کے فاصلے پر گولی چلانے کے لیے کون سی وجہ جواز پیش کی جاسکتی ہے؟

تمام واقعات کو سامنے رکھا جائے تو ظاہر ہے کہ مجمع پوری طرح پُر امن رہا، اس کی طرف سے کوئی حرکت ایسی سرزد نہ ہوئی جو خلاف قانون و خلاف آئین تھی، صرف ایک واقعہ ایسا ہے جسے افسوس ناک قرار دیا جاسکتا ہے یعنی یہ کہ جب دو آنریری مجسٹریٹ ایک فوجی افسر کے ساتھ موٹر میں آئے اور مجمع میں سے گزرے تو بعض مکرانی نوجوانوں نے موٹر پر پتھر پھینکے اس پر یقیناً افسوس ہے لیکن اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ موٹر ہجوم میں سے گزارنے کی کوشش سے بعض نوجوانوں کے دل پر یہ اثر پڑا کہ میت کی بے حرمتی کی جا رہی ہے۔ ادنیٰ درجے کی عقل کا انسان بھی اندازہ کر سکتا ہے کہ ایسے موقع پر موٹر میں سوار رہنا اور موٹر کو ہجوم میں سے گزارنے کی کوشش کرنا ماتمی جلوس کے شرکاء کے دل پر اچھا اثر نہیں ڈال سکتا تھا۔ فوجی افسر کی نسبت تو کہا جاسکتا ہے کہ شاید اسے ہندوستانیوں کے آداب سے ناواقف نہیں ہو سکتے تھے، کیا وجہ ہے کہ انہوں نے عام آداب سے بے پروائی اختیار کی؟ ہندوستان کے تمام شہروں میں عام دستور ہے کہ جنازہ سڑک پر سے گزر رہا ہو تو سواریاں رُک جاتی ہیں یا سڑک کے ایک طرف ہو جاتی ہیں لیکن کراچی میں اس کے برعکس موٹر کو مجمع میں سے گزار کر آگے لے جانے کی کوشش کی گئی اور اس کے بعد نہ مجمع کو روکا گیا نہ لوگوں سے پوچھا گیا کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور میت کو کہاں لے جا رہے ہیں، نہ انہیں منتشر ہونے کے لیے کہا گیا، نہ گولی چلانے سے قبل انتباہ کیا گیا بلکہ معاً گولی چلانے کا حکم دے دیا گیا جس سے بے گناہ مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ اس بے دردی اور شقاوت کے مظاہرے کے لیے کون سا عذر پیش کیا جاسکتا ہے؟ مجمع کی روک تھام کی یہ کون سی صورت تھی؟ واقعات سے قطعی طور پر ظاہر ہو گیا ہے کہ جلد سے جلد آزادانہ تحقیقاتی کمیشن مقرر کرنا لازم ہے اور ان تمام بے درد حکام کو عبرت ناک سزا دینا ضروری ہے جنہوں نے انتہائی شرم ناک [غفلت سے] کام لے کر بلا وجہ اور بلا ضرورت ۷۳ قیمتی جانیں ضائع کیں اور ایک سو سے زائد افراد کو زخمی کیا۔

بیان مظہر ہے کہ:

”اس وقت تک جو معلومات مہیا ہو سکی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہداء کی تعداد چالیس ہے اور ایک سو کے قریب آدمی زخمی ہوئے جن لوگوں کو سول ہسپتال میں داخل کیا گیا ان میں سے متعدد زخموں کی وجہ سے جاں بحق ہو گئے۔ بعض کے زخموں کی نزاکت کے باعث ان کے بازو اور ٹانگیں کاٹنی پڑیں۔ یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ بعض شہدا اور مجروحین کو ان کے دوست اور رشتہ دار اٹھا کر لے گئے اور وہ سول ہسپتال میں نہیں پہنچے۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ ایسے لوگوں کی صحیح تعداد معلوم ہو جائے۔ یہ لوگ شہدا اور مجروحین کی بیان کردہ تعداد میں شامل نہیں ہیں۔“

ایک واقعہ جو خاص طور پر توجہ طلب ہے یہ ہے کہ حکام نے اگرچہ مسلم لیڈروں کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ انہیں مرحوم عبدالقیوم کی پھانسی کی تاریخ سے مطلع کر دیا جائے گا اور نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت دے دی جائے گی لیکن نہ مسلمانوں کو اطلاع دی گئی، نہ مرحوم کے رشتہ داروں کو اطلاع دی گئی نہ آخری ملاقات کرائی گئی بل کہ چار بجے صبح پھانسی دے چکنے کے بعد مرحوم کے رشتہ داروں کو اطلاع دی گئی اس عہد شکنی اور نہایت ہی افسوس ناک عہد شکنی کے لیے کون سی وجہ جواز پیش کی جاسکتی ہے؟

پہلے عوام کو یہ معلوم تھا کہ پھانسی ۴ مارچ کو دی جائے گی اس کے مطابق لوگ جیل کے باہر جمع ہو گئے، ان کا مطالبہ محض یہ تھا کہ ایک دو آدمیوں کو مرحوم سے ملاقات کا موقع دیا جائے تا کہ اطمینان ہو سکے کہ مرحوم کو خفیہ خفیہ پھانسی دے کر دفن نہیں کر دیا گیا یا مرحوم کا چہرہ کھڑکی میں سے دکھا دیا جائے لیکن اس سے انکار کیا گیا۔ آخر میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے شیخ عبدالحمید صاحب اور خان صاحب حاجی فضل الہی کو جیل کے اندر مرحوم سے ملاقات کی اجازت دی اور جب شیخ صاحب عوام کو مطمئن کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ وہ ملاقات کر کے یقین دلا دیں گے کہ مرحوم زندہ ہے تو سب لوگ واپس جائیں۔ عین اس موقع پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ملاقات کی اجازت واپس لے لی۔ یہ عجیب و غریب تلون اور تنگ مزاجی حالات کی اصلاح کا موجب نہیں بن سکتی تھی۔

ضروری اور لازمی ہے حکومت جلد سے جلد آزاد تحقیقاتی کمیشن مقرر کرے۔ میتیں یا

چالیس آدمیوں کا خون اور ایک سو کے قریب مجروحین کی مجروحیت کوئی معمولی واقعہ نہیں بل کہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ سرحد کی بعض جنگوں میں کم مواقع پر اتنا بڑا نقصان ہوا ہوگا۔ ضروری ہے کہ تحقیقات کے بعد تمام ذمہ دار افسروں کو عبرت ناک سزائیں دی جائیں۔ شہداء کے پس ماندوں اور زخمیوں کے لیے مستقل امداد کا بندوبست کیا جائے۔

اکابر کراچی کے بیان سے ان تمام غلط بیانیوں کی تردید ہوگئی جو اب تک کی گئیں اور جن سے شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید مسلمانوں نے جوش کی حالت میں کوئی نا واجب حرکت کی ہو۔ اس بیان نے کراچی کے واقعہ ہائلہ کی درد انگیزی میں دو چند اضافہ کر دیا ہے اور مسلمانوں کی بے گناہی قطعی طور پر آشکارا ہوگئی ہے۔



انقلاب ۲۷ مارچ ۱۹۳۵ء

کراچی کے حادثہ خونیں کی تحقیقات کی جائے

## مسلمانانِ لاہور کے اجتماعِ عظیم کی قراردادیں

لاہور ۲۳ مارچ۔ آج ساڑھے آٹھ بجے شام مجلس مرکزیہ احرار اسلام ہند، لاہور کے زیر اہتمام باغ بیرون دہلی دروازہ مسلمانانِ لاہور کا ایک عظیم الشان جلسہ زیر صدارت جناب چودھری افضل حق ایم ایل سی انعقاد پذیر ہوا۔ جلسہ کی غرض و غایت کراچی کے حادثہ خونیں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا تھی۔ حاضرین کی تعداد پندرہ ہزار سے زائد تھی۔ خواجہ عبدالرحیم صاحب عاجز کی نظموں کے بعد مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی نے واقعہ ہائلہ کراچی پر ایک معرکہ الآرا تقریر فرمائی۔ بعد ازاں حسب ذیل قراردادیں منظور کی گئیں آخر میں سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی تقریر ہوئی۔ جلسہ رات کے ایک بجے اختتام پذیر ہوا۔

۱۔ یہ جلسہ کراچی میں گولی چلائے جانے کے خلاف جس سے متعدد اشخاص شہید اور متعدد مجروح ہو گئے ہیں۔ زبردست صدائے احتجاج بلند کرتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ فی الفور ایک آزاد تحقیقاتی کمیٹی مقرر کرے اور ملزمان کو قرار واقعی

سزائیں دے۔ نیز یہ جلسہ شہدا کے پس ماندگان اور مجروحین کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

۲۔ یہ جلسہ مناسب سمجھتا ہے کہ کراچی کے حادثہ خونیں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لیے انفرادی کوششوں کی بجائے اجتماعی کارروائی کی جائے چنانچہ یہ جلسہ قرار دیتا ہے کہ ۲۹ مارچ ۱۹۳۵ء بہ روز جمعۃ المبارک تمام مساجد میں کراچی کے حادثہ خونیں پر رنج و غم کا اظہار کیا جائے اور آزاد تحقیقات کا مطالبہ کیا جائے۔ نیز شہدا کے پس ماندگان کی امداد کے لیے روپیہ فراہم کر کے ریلیف کمیٹی کراچی کو بھیجا جائے۔



انقلاب ۲۸ مارچ ۱۹۳۵ء

کراچی کے حادثہ خونیں پر زور احتجاج

## مسلمانانِ سکھر کا عظیم الشان جلسہ

۲۲ مارچ کو سکھر کی سفید مسجد میں مسلمانانِ سکھر کا ایک عظیم الشان جلسہ یا محمد صاحب بٹر زمیندار کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں حکومت سندھ کے اس فعل کی مذمت کی گئی کہ اس نے کراچی میں پُرامن اور بے گناہ مسلمانوں کے جلوس پر بلاوجہ تشدد کیا۔ درآں حالاں کہ مسٹر گنپسن کمشنر سندھ کراچی میں موجود تھے اور مجمع کو منتشر کرنے کے عام ذرائع اختیار نہ کیے نہ لاشی چارج کیا، نہ گرم پانی استعمال کیا، اور نہ گولیاں چلانے سے پہلے مناسب انتباہ کیا گیا۔ اس جلسے میں من درجہ ذیل قرارداد منظور کی گئی جو وائسرائے گورنر سندھ اور مرکزی مجالس وضع قوانین اور بمبئی کونسل کے مسلمان ممبروں کے پاس بھیجی گئیں۔

آزاد تحقیقات کا مطالبہ

۱۔ مسلمانانِ سکھر کا یہ جلسہ متعلقہ حکام کے غیر ذمہ دار فعل کی سختی سے مذمت کرتا ہے کہ انہوں نے معاملہ کے مالہ و ماعلیہ پر اچھی طرح غور کیے بغیر اور غازی

عبدالقیوم کے جنازے کے جلوس میں شریک ہونے والے پُرامن اور بے گناہ مسلمانوں کو مناسب طریق پر متنبہ کیے بغیر یورپین فوجوں کو گولی چلانے کا حکم دے دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بے گناہ مسلمان جن میں بچے اور عورتیں بھی شامل تھی، زخمی ہوئے اور مارے گئے۔ یہ جلسہ حکومت بمبئی سے التجا کرتا ہے کہ وہ اس درد انگیز واقعہ کی تحقیقات کے لیے ایک آزاد کمیشن مقرر کرے اور جن افسروں پر جرم ثابت ہو انہیں قرار واقعی سزا دے۔

### مسلمان ممبروں سے درخواست

۲۔ یہ جلسہ بمبئی کونسل کے سندھی مسلم ممبروں اور مرکزی مجلس وضع آئین کے ممبروں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ حکومت پر زور ڈالیں کہ تحقیقات کے لیے آزاد کمیشن مقرر کیا جائے اور اگر حکومت کمیشن کے تقرر سے انکار کرے تو وہ احتجاج کے طور پر اپنی نشستوں سے مستعفی ہو جائیں۔

### پس ماندگان سے ہمدردی

۳۔ یہ جلسہ ان نہتے اور بے گناہ شہیدوں کے متعلقین سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے جو گولیوں کے ہدف بنے اور بے دردی سے مارے گئے جب کہ وہ غازی عبدالقیوم کے جنازے کے آخری فرائض ادا کر رہے تھے۔

### شہدا کے لیے دعائے مغفرت

۴۔ یہ جلسہ تمام شہیدوں کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے اور بارگاہ ایزدی میں مانگی ہے کہ شہداء کی رُو حیں ظل رحمت میں امن حاصل کریں۔



انقلاب ۲۸ مارچ ۱۹۳۵ء

## کراچی کے حادثہ خونیں کے تازہ حالات

حکام کی بے تدبیری، بدعہدی اور نالائقی

(از محمد یونس صاحب علیگ، سیکرٹری کراچی سدھار سوسائٹی)

کراچی میں ۱۹ مارچ کو دن کے تقریباً ساڑھے بارہ بجے نہتے اور پُرا من ہجوم پر انگریزی فوج نے جس بے رحمی سے گولیاں چلائیں اس کے متعلق نہایت غلط اور مبالغہ آمیز اطلاعات خبر رساں ایجنسیوں نے اخبارات کو بھیجی ہیں جس کی غرض و غایت اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ کراچی سے باہر کے لوگوں کو ان مظلوم شہداء کے پس ماندگان کے ساتھ اظہارِ ہمدردی تک سے روکا جائے اور سرکاری عہدہ داروں کی نالائقی، عدم تدبیر اور بدانتظامی پر پردہ ڈال دیا جائے۔

### اسلامی پریس کی بے چارگی

کراچی کے شائع ہونے والے اسلامی اخبارات اس حادثہ فاجعہ کے متعلق کسی قسم کی خبر تک شائع نہیں کر سکتے۔ مجسٹریٹ نے تمام اخبارات اور مطابع کے مالکوں، ایڈیٹروں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اس موضوع پر نہ کوئی مضمون لکھیں، نہ خبر شائع کریں حتیٰ کہ مطابع میں شہداء کے ساتھ ہمدردی کرنے کے متعلق یا ان کے پس ماندگان کی امداد کے لیے کوئی اپیل تک شائع نہیں ہو سکتی جب تک کہ سٹی مجسٹریٹ صاحب بہادر اس کے مضمون کو ایک نظر ملاحظہ نہ فرمائیں۔

مقامی رہنماؤں نے ۲۱ مارچ کو فیصلہ کیا کہ ۲۳ مارچ کو جمعہ کے دن ایک پبلک میٹنگ کی جائے۔ اشتہار کا مسودہ ایک ایک پریس میں لے جایا گیا لیکن ہر جگہ سے یہی جواب ملتا کہ ہم طبع نہیں کر سکتے اور مجسٹریٹ کے احکام کی خلاف ورزی کر کے اپنے کو مصیبت میں پھنسانے کے لیے تیار نہیں۔ سندھ کے واحد اسلامی جریدہ روزنامہ الوحید نے احتجاجاً اپنی اشاعت ہی بند کر دی ہے۔ اس قسم کا اقدام دوسرے اسلامی جرائد نقیب، نجات اور ترجمان بلوچ کرنے والے

ہیں۔ قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ صورتِ حالات کراچی کے مسلمانوں کے لیے کس قدر صبر آزما ہے۔

### کتمانِ حق

اسمبلی کے بھرے اجلاس میں مسٹر گابا کی تجویز کے جواب میں ہوم ممبر نے جو تقریر کی، نیز سر سیمونیل ہور نے پارلیمنٹ میں کراچی کے حادثہ کے متعلق جو کچھ کہا وہ کتمانِ حق کی بدترین مثال ہے۔ مسلمانوں کی خواہش تھی کہ شہر سے جنازہ کا جلوس نکالیں، انہوں نے پولیس سے زبردستی جنازہ چھین لیا..... وہ لاکھوں سے مسلح تھے..... ایک مسلمان نے ایک گورے سپاہی سے رائفل چھیننے کی کوشش کی، مسلمان ملٹری پر حملہ آور ہوئے..... اگر جلوس کو شہری طرف بڑھنے کی اجازت دی جاتی تو اس قدر قتل و غارت ہوتا جس کی مثال کراچی بل کہ ہندوستان کی گزشتہ تاریخ میں نہ ملتی..... وغیرہ جس قدر اطلاعات شائع ہوئی ہیں یا بیانات دیے گئے ہیں از سر تا بہ پاغلط اور گم راہ کن ہیں۔

### پھانسی کا التواء

غازی عبدالقیوم کو پہلے ۴ مارچ کو پھانسی دی جانے والی تھی یہ اطلاع تقریباً ایک ہفتہ قبل اخبارات میں شائع ہو گئی تھی۔ بعض معززین شہر کا ایک وفد زیر سرکردگی جناب شیخ عبدالمجید صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے ملا۔ غازی مرحوم کے اعز انے خواہش کی تھی کہ نعش کو ان کے وطن مالوف پہنچایا جائے۔ اس وفد نے زور دیا کہ نعش کو ورثا کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ وہ عام مسلمانوں کی خواہش کے مطابق تجہیز و تکفین کا مناسب بندوبست کر سکیں۔ حکام کی خواہش ایسی معلوم ہوتی تھی کہ نعش کو سرکاری طور پر غازی عبدالقیوم کے وطن پہنچا دیا جائے تاکہ کراچی میں کسی قسم کا جلوس و مظاہرہ نہ ہو۔ وفد نے حکام سے کئی ملاقاتیں کیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حکام کا نقطہ نظر تبدیل ہو گیا ہے۔ آخری ملاقات کے موقع پر جو ۳ مارچ کو ہوئی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مسلم زعماء کو وہ تار دکھایا جو پھانسی کے التواء کے سلسلہ میں اس کو گورنمنٹ بمبئی کی طرف سے موصول ہوا تھا اور وعدہ کیا کہ وہ پھانسی کے متعلق آخری احکام کے موصول ہونے پر مسلم رہنماؤں سے مشورہ کریں گے کہ نعش کو کہاں اور کس طرح دفنایا جائے۔ مسلم رہنماؤں نے ان کو قطعی طور پر یقین دلایا تھا کہ اگر نعش کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا تو کسی قسم کی گڑبڑ نہیں ہوگی



اور وہ اس سلسلہ میں ہر قسم کی ذمہ داری لینے کے لیے تیار تھے۔ مسلمانوں کی خواہش صرف اس قدر تھی کہ غازی کے جنازہ کی تجہیز و تکفین وہ خود کریں، حکام خود ایک راستہ مقرر کر دیں، جنازہ کو اس راستہ سے قبرستان تک لے جایا جائے اور جمیع مسلمانوں کو نماز جنازہ میں شرکت کا موقع ملے۔

### وعدہ خلائی

پھانسی ۴ مارچ کو نہیں دی گئی۔ مسلمان امن و سکون کے ساتھ حکومت کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے انہیں یقین تھا کہ اگر غازی کو پھانسی کراچی میں دی گئی تو حکام اپنے وعدہ کے مطابق مسلم رہنماؤں سے مشورہ کریں گے اور جمیع مسلمانوں کو تجہیز و تکفین میں حصہ لینے کا موقع ملے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

یکایک ۱۹ مارچ کو تقریباً ۱۰ بجے شہر میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ آج صبح ۴ بجے غازی عبدالقیوم کو جیل میں پھانسی دے دی گئی جس نے یہ خبر سنی۔ رنج و الم کے عالم میں جیل یا قبرستان کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسلامی دکانیں بند ہونے لگیں، گاڑیاں چلنی بند ہو گئیں، مسلمانوں کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں اس خبر کے سنتے ہی ماتم پانہ ہو گیا ہو، مسلم رہنما بالکل بے خبر تھے، حکام نے ان سے قطعی طور پر مشورہ نہیں کیا، نہ ان کو کسی قسم کی اطلاع دی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ خبر کو مخفی رکھنے سے مسلمانوں کو پتہ تک نہ چلے گا اور وہ خاموشی کے ساتھ غازی عبدالقیوم کی نعش کو درگاہ میواشاہ میں دفن کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن بعد کے حالات سے معلوم ہوا کہ حکام کا اندازہ غلط تھا اور یہ نتیجہ تھا ان کی غیر تجربہ کاری، نااہلی اور عدم تدبر کا۔

### پھانسی اور مابعد کے واقعات

۱۹ مارچ کو ہولی کے دن جب کہ تعطیلات کے سبب ہزاروں آدمی بے کار تھے اور ہندوؤں کے تہوار کا دن تھا، صبح کو ۴ بج کر ۱۰ منٹ پر غازی عبدالقیوم کو تختہ دار پر چڑھا دیا گیا۔ چار بجے سے پہلے کسی باہر کے آدمی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ جیل کے اندر غازی عبدالقیوم کو پھانسی دینے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ اگر اس راز سے واقف تھے تو پولیس و جیل کے حکام بالا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ، سٹی مجسٹریٹ یا درگاہ میواشاہ کے متولی جن کی اجازت سے شب کے بارہ بجے درگاہ کے احاطہ میں قبر کھودی گئی۔ ان حضرات کے سوا اس رازدروں سے اور کوئی واقف نہ

تھا حتی کہ غازی عبدالقیوم کے ورثا تک کو اس کا پتہ نہ تھا۔

تقریباً ۱۵ بجے صبح کو چند پولیس میں غازی عبدالقیوم کے ناشاد ورثا کے پاس ایک موٹر بس لیے ہوئے پہنچے اور ان کو سوتے سے جگایا۔ ان کو اطلاع دی گئی کہ آج عبدالقیوم کو پھانسی دی جائے گی آخری ملاقات جا کر آؤ۔ اس خبر کا سننا تھا کہ ان کا گھر ماتم کدہ بن گیا اور قرب و جوار کے رہنے والے ہمسایوں کو بھی اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی۔ پولیس کی موٹر بس اعزا کو لے کر روانہ ہو گئی۔ کس طرف؟ جیل کی طرف نہیں قبرستان کی جانب! راستہ میں اعزا نے دریافت کیا کہ ہم کو کہاں لے جا رہے ہو، جیل کا تو یہ رستہ نہیں۔ تب ان کو معلوم ہوا کہ غازی عبدالقیوم کو پھانسی دی جا چکی ہے اور ان کا جنازہ قبرستان میں لے جایا جا چکا ہے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون

### قبرستان میں اجتماع

یہ لوگ روتے دھوتے قبرستان پہنچے تو دیکھا کہ سچ مچ غازی کا جنازہ موجود ہے اور قبر بھی تیار ہے۔ مولوی غلام رسول پیش امام مسجد قصایاں کو پولیس نے منگوا رکھا تھا۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ میں مرحوم کے اعزا اور چند مسلمان جو درگاہ سے متعلق تھے۔ شریک ہوئے۔ یہ سب کچھ مجسٹریٹ کی موجودگی میں اور پولیس کے پچاس سپاہیوں کی نگرانی میں ہوا۔ نماز ختم ہوتے ہوتے ۷ بجے کا وقت ہو چکا تھا۔ غازی کا جسم قبر میں رکھا جا چکا تھا، ابھی قبر کو پاٹا نہیں گیا تھا کہ چہار سو مسلمان درگاہ میوا شاہ کے دروازہ پر جمع ہو گئے جو پولیس نے بند کر رکھا تھا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ہمیں نماز جنازہ پڑھنے کا موقع دیا جائے۔ غازی کے اعزا نے بھی اس امر کی خواہش کی کہ ابھی مرحوم کے بہت سے خویش و اقارب ایسے ہیں جن کا انتظار کرنا چاہیے تاکہ وہ بھی آخری زیارت کر سکیں۔ اس عرصہ میں آس پاس کے عورت مرد بچے جوق در جوق درگاہ کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ وہ نماز جنازہ ادا کرنے نے نیز غازی کا آخری دیدار کرنے کے آرزو مند تھے۔ مجسٹریٹ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ غازی کی نعش قبر سے نکال لیں اور باہر لے جا کر نماز جنازہ ادا کر لیں۔ مسلمانوں کے پڑے کے پڑے آتے تھے اور نماز جنازہ ادا کرتے جاتے تھے۔ مجسٹریٹ یا پولیس نے کسی کو کچھ نہیں کہا اور نہ کسی قسم کا تعرض کیا۔ جوں دیر ہوتی گئی مجمع زیادہ ہوتا گیا حتی کہ دس اور گیارہ بج گئے اور حاضرین کی تعداد کا اندازہ بیس اور تیس ہزار کے درمیان پہنچ گیا۔

## غلطی کا احساس

یہ ایک ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مع اپنے دیگر مشورہ کاروں اور پولیس کی معیت کے نعش کو اسی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں میں چھوڑ کر شہر کی طرف واپس چلے گئے۔ غالباً ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے دیکھ لیا کہ وہ باوجود اس قدر اخفا کے مسلمانوں کو بے خبر نہیں رکھ سکے اور ان کی نیران کے مشورہ کاروں کی توقع کے بالکل برعکس مسلمانوں کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا۔ انتظامی نقطہ نظر سے حکام کی یہ دوسری غلطی تھی ان کو چاہیے تھا کہ مسلم رہنماؤں کو ۱۹ مارچ سے ایک دو دن پہلے بلا کر حسب وعدہ فیصلہ کرتے کہ نعش کی تجہیز و تکفین کس طرح کی جائے اور اس طرح چوروں کی طرح کام نہ کرتے پھر اگر یہ نہیں کیا گیا تھا تو نعش کو عام مسلمانوں کے جم غفیر کے حوالہ کر کے یوں واپس چلا جانا اگر حماقت نہیں تھی تو اور کیا تھا؟

## مسلمان بالکل ہراسن تھے

مسلمان جوق در جوق چلے آ رہے تھے۔ چاروں طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ وہ نماز جنازہ ادا کرے۔ لوگ وضو کرنا چاہتے تھے۔ وضو کے لیے پانی میسر نہ آتا تھا۔ چالیس ہزار کے مجمع میں بیس ہزار سے زائد آدمی ایسے تھے جنہوں نے نماز جنازہ ادا نہیں کی تھی، آدمی پر آدمی گرا پڑتا تھا اور ہر شخص نماز میں شرکت کے لیے سبقت کرنا چاہتا تھا۔ اس صورت حالات کو دیکھتے ہوئے عوام کی ایک جماعت کی طرف سے صدائیں بلند ہوئیں کہ چا کیواڑہ عید گاہ میں نعش کو لے جایا جائے۔ وہاں اطمینان کے ساتھ سب لوگ نماز جنازہ ادا کریں۔ تجویز معقول تھی، لوگوں نے جنازہ کو کندھے پر رکھا اور چا کیواڑہ عید گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔



انقلاب ۲۸ مارچ ۱۹۳۵ء (اداریہ)

## کراچی کے حکام کی ہول ناک مجرمت

زہرہ گداز حادثہ کا زہرہ گداز نقشہ

کراچی کے خونچکاں حادثہ کے متعلق جو مزید بیانات مختلف ذمہ دار افراد کی طرف سے موصول ہوئے ہیں ان سے مسلم اکابر کراچی کے بیان کی حرفاً حرفاً تائید ہوتی ہے مثلاً یہ کہ:

۱۔ مسلم رہنما ہر ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار تھے، صرف ماننا چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو مرحوم عبدالقیوم کے جنازے کی نماز ادا کرنے کی اجازت دی جائے۔

۲۔ متعلقہ حکام نے وعدہ کیا تھا کہ وہ پھانسی سے قبل مسلم رہنماؤں اور مرحوم کے رشتہ داروں کو اطلاع دے دیں گے نیز مرحوم کی میت ان کے رشتہ داروں کے حوالے کر دی جائے گی۔

۳۔ پھانسی کی تاریخ اور وقت کے متعلق مسلم رہنماؤں یا مرحوم کے رشتہ داروں کو کوئی اطلاع نہ دی گئی بل کہ ۱۹ مارچ کو صبح کے چار بجے مرحوم کو بلا اطلاع پھانسی دے دی گئی۔ میوا شاہ کے قبرستان میں ایک قبر کا انتظام کر لیا گیا۔ مرحوم کے رشتہ داروں کو صبح آخری ملاقات کے بہانے سے جگایا گیا لیکن انہیں میوا شاہ کے قبرستان میں پہنچا دیا گیا جہاں پہنچ کر ان پر یہ حقیقت کھلی کہ مرحوم کو پھانسی دی جا چکی ہے۔

۴۔ یہ خبر سن کر مسلمان قبرستان میں جمع ہونے لگے، میت لحد میں اتاری جا چکی تھی لیکن تدفین عمل میں نہیں آئی تھی کہ مسلمان موقع پر زیادہ تعداد میں جمع ہو گئے اور حکام وہاں سے چلے آئے۔

۵۔ مسلمان میت کو اٹھا کر نماز جنازہ کے لیے چاکیواڑہ عید گاہ میں لا رہے تھے جو قبرستان سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔

۶۔ عید گاہ صرف چار سو گز کے فاصلے پر رہ گئی تھی جب کہ مجمع پر بلا انتباہ اور بلا اطلاع گولی

چلائی گئی۔

۱۔ گولی چلنے تک مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی جس سے یہ شبہ بھی پیدا ہو سکتا کہ وہ کوئی فساد برپا کرنا چاہتے ہیں یا ان کا ارادہ ہے کہ میت کو شہر میں لے جائیں اور اس طرح موجب فساد بنیں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ ان حالات میں گولی چلانے کے متعلق کون سی وجہ پیدا ہوئی؟ اگر حکام جلوس کو روکنا چاہتے تھے تو کیا وجہ ہے کہ اسے خود قبرستان میں نہ روکا گیا اور کم و بیش ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کی اجازت دی گئی؟ کیا وجہ ہے کہ لیاری ندی کے پل پر نہ روکا گیا، حالاں کہ وہ پل جلوس کو روکنے کا ایک بہت اچھا موقع تھا۔ کیا وجہ ہے کہ نہ جلوس والوں سے پوچھا گیا کہ وہ میت کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں اور ان کا ارادہ کیا ہے؟

اب گولی چلنے کے واقعات ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ چاکیواڑہ عیدگاہ مرکز شہر سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر ہے اور اس کے آس پاس

مسلمانوں کی آبادی ہے۔

۲۔ جس جگہ گولی چلائی گئی وہ اتنی تنگ ہے کہ جنازہ کے پیچھے جو آدمی آرہے تھے انہیں علم

ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ سامنے فوج ہے اور اگر وہ آگے بڑھے یا منتشر نہ ہوئے تو گولی چل جائے گی نہ وہ گولی چلنے پر ادھر ادھر بھاگ سکتے تھے۔

۳۔ گولی صرف چند قدم کے فاصلے پر سے چلائی گئی سرکاری بیان منظر ہے کہ ۳۷ رراؤنڈ

چلائے گئے۔ شہدا کی تعداد کم از کم ۳۷ رراؤنڈ زخمیوں کی تعداد کم از کم ۱۰۱ بیان کی گئی ہے، دوسرے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض مضروبین کا ابھی تک پتہ نہیں مل سکا۔ اگر سرکاری بیان کو بھی درست سمجھا جائے تو ہر گولی کم از کم تین آدمیوں پر اثر انداز ہوئی۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ فاصلہ بہت کم تھا۔

۴۔ گولی چلانے سے قبل نہ کوئی انتباہ کیا گیا نہ مجمع کو منتشر ہونے کا حکم اور وقت دیا گیا نہ

لوگوں سے یہ کہا گیا کہ حکام کے نزدیک قیام امن کے جو اصول ہیں ان کی پیروی نہ کرو گے تو گولی چلا دی جائے گی، نہ ہوا میں فائر کیے گئے نہ گولیوں کا رخ زمین کی طرف رکھا گیا بل کہ مختلف رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر آدمیوں کے سینوں اور سروں میں گولیاں لگیں۔

۵۔ ایک نیا انکشاف یہ ہوا ہے کہ موقع پر طبی امداد کا کوئی انتظام نہ تھا۔ سیکرٹری صاحب کراچی سندھ سوسائٹی کا بیان منظر ہے کہ ایمبولینس کاریں تقریباً ایک گھنٹہ بعد موقع پر پہنچیں۔  
۶۔ گولیوں سے بعض وہ لوگ بھی مجروح ہوئے جو آس پاس کی جھونپڑیوں میں تھے اور جلوس میں شامل نہ تھے۔

ان واقعات میں کون سی چیز ایسی نظر آتی ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ متعلقہ حکام نے عقل، سمجھ، تدبیر اور انسانیت سے کام لیا؟ اگر وہ سمجھتے تھے کہ نماز جنازہ ادا کرنے کی حالت میں بد امنی پیدا ہو جائے گی تو بہتر ہوگا کہ پوری سختی کے ساتھ اس اجازت سے انکار کر دیتے۔ مسلم رہنماؤں سے پہلے ہی کہہ دیتے کہ اجازت نہیں دی جائے گی یا میت کو اپنے اہتمام میں کسی ایسے مقام پر پہنچا دیتے کہ ایسا کوئی موقع پیش نہ آتا۔ اگر وہ مسلمانوں کے مطالبہ ادائے نماز جنازہ کو جائز سمجھتے تھے تو بہتر ہوتا کہ مسلم رہنماؤں کے ساتھ مشورہ کر کے سارا انتظام کرتے اور رہنما ہر قسم کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے ہمہ تن تیار تھے۔ اگر جلوس کو روکنا منظور تھا تو بہتر ہوتا کہ اسے قبرستان میں روکا جاتا یا لیاری ندی کے پل پر روکا جاتا یا اگر یہ معلوم ہو چکا تھا کہ مسلمان عید گاہ میں نماز جنازہ ادا کر کے میت کو دفن کرنا چاہتے ہیں تو اس کا انتظام کر دیا جاتا اور جب جلوس قبرستان سے تقریباً ایک میل آگے آچکا تھا اور عید گاہ کے راستے کی طرف مڑنے والا تھا تو پھر گولی چلانے کا کون سا موقع تھا؟ البتہ جلوس شہر کی طرف آتا تو جو مناسب سمجھا جاتا کیا جاتا؟ سب سے آخر میں گولی چلانے سے قبل انتباہ ضروری تھا اور لوگوں کو منتشر ہو جانے کا پورا موقع دینا چاہیے تھا لیکن ایسی جگہ پر گولی چلائی گئی اور ایسی حالت میں چلائی گئی کہ نہ عام مجمع اس مصیبت سے آگاہ تھا نہ اُس کے لیے منتشر ہونے کا موقع تھا بل کہ ایسے لوگوں کے بھی گولیاں لگیں جو سرے سے مجمع میں شریک ہی نہ تھے۔

حکومت ہند، حکومت بمبئی اور حکومت برطانیہ کو جو اطلاعات بہم پہنچائی گئیں وہ بالکل غلط اور ازسرتا پا خلاف واقعہ تھیں۔ آج یہ حقیقت سب کے سامنے آچکی ہے۔ آج آزاد تحقیقات کی ضرورت و اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ حکومت کا اولین فرض ہے کہ وہ ان امور پر فوراً توجہ مبذول کرے اور کراچی کے پُر امن مسلمانوں پر مقامی حکام کی بے تدبیری سے جو ہول ناک مصیبت نازل ہوئی ہے اس کی جلد سے جلد تلافی کرے۔

جتنی نئی تفصیلات سامنے آتی ہیں واقعہ ہائلہ کی درد انگیزی اور زہرہ گدازی میں اضافہ کرتی چلی جا رہی ہیں۔ کراچی کے اخباروں میں کوئی اطلاع شائع نہیں ہو سکتی۔ ”الوحید“ (اخبار) احتجاجاً بند ہے۔ ”ترجمان بلوچ“ میں صرف سیاہ حاشیہ درج ہے۔ ”نقیب“ کا صرف ایک ورق نکلتا ہے جس میں مجبوریوں کا ذکر ہے۔ تمام ہندوستانیوں اور تمام انسانیت دوستوں کا فرض ہے کہ وہ کراچی کے واقعہ ہائلہ کی درد انگیزی پر متوجہ ہوں اور جو حکام اس کے موجب بنے انہیں عبرت ناک سزائیں دلوانے کی ہر مناسب تدبیر اختیار کریں۔



انقلاب ۲۸ مارچ ۱۹۳۵ء

## طول و عرض ہند میں حادثہ کراچی پر غم و غصہ کی لہر

آزاد تحقیقات اور شہداء کے ورثا کو تاوان دینے کا مطالبہ  
اسلامی اداروں اور عظیم الشان جلسوں کی احتجاجی قراردادیں  
لاء کالج کے مسلم طلبا کا برقیہ

لاہور، ۲۵ مارچ۔ راجہ مشتاق احمد خاں بی اے سیکرٹری لاء کالج مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی

ایشن لاہور مطلع فرماتے ہیں کہ:

”لاء کالج کے مسلمان طلبانے من درجہ ذیل احتجاجی برقیہ گورنر بمبئی کو ارسال کیا ہے:

”لاء کالج کے مسلمان طلبا کراچی میں مسلمانوں کے نہتے ہجوم پر جس میں

خواتین اور اطفال بھی شامل تھے۔ حکام نے جس نامعقول اور غیر دانش مندانہ

طریقہ پر فائر کیے اس پر انتہائی غم و غصہ اور خوف و ہراس کا اظہار کرتے ہیں۔“

انجمن اسلامیہ امرت سر کا احتجاج

لاہور ۲۶ مارچ۔ انجمن اسلامیہ امرت سر نے اپنے اجلاس خصوصی میں جو ۲۲ مارچ کو

جناب شیخ صادق حسن بیرسٹرایٹ لاء کی صدارت میں منعقد ہوا، من درجہ ذیل قراردادیں منظور کی

ہیں:

”۱۔ انجمن اسلامیہ امرت سرکا یہ جلسہ کراچی کے اَلْم ناک حادثہ پر جس میں کثیر التعداد نہتے مسلمان مرد شہید اور مجروح کیے گئے۔ پُر زور طریقہ پر اظہارِ افسوس کرتا ہے۔

۲۔ یہ جلسہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس خونیں حادثہ کی آزاد تحقیقات کرے اور جو افسران اس حادثہ کے ذمہ دار ہیں ان کو سنگین سزائیں دے۔

۳۔ یہ جلسہ حکومت پر زور دیتا ہے کہ وہ شہداء کے پس ماندگان کو خونِ ناحق کا کافی تاوان ادا کرے۔

۴۔ یہ جلسہ تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ریلیف فنڈ میں دل کھول کر چندہ دیں۔

۵۔ یہ جلسہ ان ہندو بھائیوں کے جذبہ کی قدر کرتا ہے جنہوں نے مظلومین کراچی کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کیا ہے۔

۶۔ انجمن اسلامیہ نے ایک سب کمیٹی اس غرض سے مامور کی ہے کہ مظلومین کراچی کی امداد کے لیے روپیہ فراہم کرے۔ میاں عمر دین خاں میونسپل کمشنر مذکورہ بالا سب کمیٹی کے سیکرٹری مقرر کیے گئے ہیں۔

جماعت احمدیہ لاہور کی قرارداد

۲۲ مارچ کو بعد نماز مسجد احمدیہ بلڈنگس لاہور میں شہدائے کراچی کا جنازہ غائبانہ پڑھا گیا اور اتفاق رائے سے من درجہ ذیل ریزولوشن پاس کیا گیا:

”احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا یہ عام اجلاس کراچی کے بے گناہ اور نہتے مسلمانوں کے کشت و خون کو نہایت غم و غصہ کی نظر سے دیکھتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس حادثہ ہانکہ کے متعلق ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کرے اور ان حکام کو کما حقہ سزا دے جن کی غفلت سے یہ صورت حالات پیدا ہوئی اور گورنمنٹ کا فرض ہے کہ شہداء کے پس ماندگان کو ان کے خونِ ناحق کا معاوضہ دے۔ نیز یہ اجلاس جملہ شہداء کراچی کے پس ماندگان سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے قوم سے اپیل کرتا



ہے کہ ان کی امداد کے لیے جو فنڈ کھولا گیا ہے اس میں پوری امداد کرنی چاہیے۔

انجمن اسلامیہ منڈی بہاء الدین

انجمن اسلامیہ منڈی بہاء الدین کے زیر اہتمام ۲۴ مارچ کو بعد از نماز عصر کراچی کے حادثہ خونیں کے خلاف مسلمانان علاقہ منڈی بہاء الدین کا ایک جلسہ جامعہ مسجد میں منعقد ہوا جس میں کراچی کے بے گناہ مسلمانوں پر گولی چلانے کے اقدام کے خلاف احتجاج کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ حکومت اس معاملہ کے متعلق ایک آزادانہ تحقیقات کرے۔

محمد الدین ایڈیٹر صوفی و

صدر انجمن اسلامیہ

جمعیت اسلام لاہور کا احتجاجی جلسہ

لاہور ۲۶ مارچ۔ آج بعد نماز ظہر مرکزی جمعیت اسلام لاہور کا ایک احتجاجی جلسہ منعقد ہوا جس میں غازی عبدالقیوم کی شہادت کے روزِ پُرامن اور نہتے مسلمانوں پر گولی چلائے جانے کے خونین سانحہ پر صدائے احتجاج بلند کی گئی اور حکومت سے پُر زور الفاظ میں آزاد و فوری تحقیقات کا مطالبہ کیا گیا۔



الفقیہ ۲۱/۲۸ مارچ ۱۹۳۵ء

## واقعہ ہائلہ کراچی کے کشتگان کی تعداد

کراچی ۲۳ مارچ: منگل کے دن کراچی میں نہتے مسلمانوں پر بے پناہ گولیوں کے زخموں میں سے آج صبح ہسپتال میں ایک زخمی جاں بحق ہو گیا ہے۔ اس سے شہیدوں کی تعداد ۳۹ تک پہنچ گئی۔ ہسپتال میں ابھی ۸۷ مجروح موجود ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ ان کی حالت سدھر رہی ہے۔



انقلاب ۲۹ مارچ ۱۹۳۵ء

## کراچی کا واقعہ ہائلہ - مسلم ارکان اسمبلی کا فیصلہ

نئی دہلی ۲۶ مارچ؛ اسمبلی کے مسلم ارکان نے فیصلہ کیا ہے کہ اگر کراچی میں گولی چلانے کے واقعہ ہائلہ کی تحقیقات کے لیے حکومت نے کوئی غیر جانب دار پبلک کمیٹی مقرر نہ کی تو ایک غیر سرکاری تحقیقاتی کمیٹی جو مسلم اور غیر مسلم ارکان پر مشتمل ہوگی - بنائی جائے گی تاکہ وہ موقع پر پہنچ کر شہادت لے سکے اور پبلک اور حکومت کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کرے۔

مسلمانوں نے غازی عبدالقیوم کی قبر کو نہیں کھودا تھا - ایک غلط خبر کی تردید

لاہور، ۲۷ مارچ؛ مولانا محمد صادق، شیخ عبدالمجید، مولوی محمد ثناء اللہ، سید محمد اسلام بیرسٹر، سیٹھ عالم علوی، مشہور و معروف سندھی لیڈروں نے من درجہ ذیل بیان دفتر احرار کے نام بغرض اشاعت ارسال فرمایا ہے:

”ہندوستان کے تمام جرائد نے اپنی اپنی اشاعتوں میں اس غلط خبر کو شائع کیا ہے کہ مسلمانان کراچی نے غازی عبدالقیوم کی نعش کو قبر کھود کر باہر نکال لیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پولیس نے غازی ممدوح کی نعش کو لحد میں رکھا تھا مگر لحد کو مٹی یا پتھروں سے بند نہیں کیا تھا، ارباب حل و عقد نے مسلمانوں کو غازی عبدالقیوم کا منہ دیکھنے سے منع نہیں کیا تھا، اسی غرض سے مسلمانوں کا ایک جم غفیر قبر کے نزدیک جمع ہوا تھا، جنہوں نے لحد سے نعش کو نکال کر باہر رکھ دیا تھا تاکہ عوام الناس اس کا منہ دیکھ سکیں اور نماز جنازہ ادا کی جائے۔“



انقلاب ۲۹ مارچ ۱۹۳۵ء

## ملتان میں حادثہ کراچی پر احتجاج

۲۲ مارچ کو مسلمانانِ ملتان کا ایک جلسہ زیرِ صدارت سید زین العابدین شاہ صاحب جیلانی صدر انجمن فدایانِ اسلام باغ عام خاص میں منعقد ہوا۔ حاضرین قریباً پندرہ ہزار ہوں گے جس میں محترم صدر کی طرف سے ”ملتان کے مسلمانوں کے حقوق کی بربادی“، ”کراچی میں اہل اسلام پر قیامت خیز حادثہ“ اور ”خانیوال میں عید کے دن مسلمانوں پر حملے“ کے موضوعات پر ولولہ انگیز تقریر کے بعد من درجہ ذیل ریزولوشن پیش ہوا، جو غایت درجہ جوش و خروش کے عالم میں بالکل متفقہ و متحدہ طور پر پاس ہوا۔

”اسلامیانِ ملتان کا یہ عظیم الشان ماتمی جلسہ کراچی میں غازی عبدالقیوم شہید علیہ الرحمۃ کی پھانسی کے موقع پر اہل اسلام کے غیر مسلح مغموم مجمع پر رائل سکس رجمنٹ کی جانب سے بے پناہ آتش باری پر جس کے نتیجے کے طور پر سینکڑوں مسلمان شہید و زخمی ہو چکے ہیں۔ نہایت غم و اندوہ ظاہر کرتا ہے اور کراچی کے ماتم زدہ مسلمان بھائیوں کے ساتھ اس قیامت خیز حادثہ پر دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ نیز گورنمنٹ کی خدمت میں التجا کرتا ہے کہ وہ ذمہ دار افسروں کے خلاف مناسب کارروائی کر کے ہندوستان کے مسلمانوں کی اشک شونی کرے۔“

خواجہ عبدالکریم تاصف پروپرائٹرز اخبار ”نمائندہ“ ملتان



انقلاب ۳۰ مارچ ۱۹۳۵ء (اداریہ)

## عبدالقیوم مرحوم، گاندھی جی اور انارکزم

ہندوؤں کے ایک ”سیدھے سوال“ کا جواب

”پرتاپ“ کے مہاشہ کرشن جاننا چاہتے ہیں کہ مسلمان جب کہتے ہیں کہ حضور خواجہ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے شاتم کا قتل کا از روئے شریعت واجب ہے تو اس کے معنی کیا ہیں؟ وہ مسلمانوں سے اور بالخصوص مسلم معاصرین سے سوال کرتے ہیں کہ کیا عبدالقیوم کو نھورام کے قتل کا حق حاصل تھا؟ اس سوال کا جواب ایک مرتبہ نہیں، دس مرتبہ، بیس مرتبہ، سو مرتبہ نفی میں دیا جا چکا ہے۔ کھول کھول کر بیان کیا جا چکا ہے کہ افراد نہ تو افراد کے جرائم کا تعین کر سکتے ہیں نہ انہیں سزا دے سکتے ہیں، مجرمین کے جرائم کا فیصلہ اور ان پر سزاؤں کا نفاذ کلیۃً عدالتوں سے متعلق ہے۔ اسلامی شریعت نے کسی فرد کو یہ حق عطا نہیں کیا کہ وہ بہ طور خود کسی مجرم کو سزا دے دے اور مسلمانوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ عبدالقیوم کا فعل شرعاً یا قانوناً درست تھا، بل کہ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ اس واقعہ کی تہ میں وجوہ و محرکات اشتعال بے حد قوی تھے۔ ظاہر ہے کہ عبدالقیوم مرحوم کو نھورام کے ساتھ کوئی ذاتی یا خاندانی عداوت نہ تھی، نھورام نے ایک ایسی کتاب شائع کی جس سے ہر مسلمان کو سخت و شدید رنج پہنچا۔ ہر مسلمان کی انتہائی دل آزاری ہوئی، مرحوم عبدالقیوم اس رنج اور دل آزاری کو ضبط نہ کر سکا اور حالت بے خودی و عدم ضبط و اشتعال میں اس سے وہ فعل سرزد ہوا۔ اگر نھورام کتاب شائع نہ کرتا تو اس فعل کے صدور کا قطعاً کوئی امکان نہ تھا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ مہاشہ کرشن کو اس واقعہ کے مخصوص متعلقات و محرکات سے تجاہل پر اصرار ہے؟

اور مہاشہ کرشن تو ان لوگوں میں سے ہیں جو سرکاری افسروں پر قاتلانہ حملے کرنے والوں کی بالواسطہ حمایت کرتے رہے ہیں، کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے سامنے سردار بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں کے مقدمے، بھوک ہڑتال اور پھانسی کے زمانے کے تمام فائل پیش کیے جائیں؟ وہ ان ہندوؤں کی ہمیشہ حمایت کرتے رہے ہیں جنہوں نے ذبح گاو کی بنا پر مسلمانوں کو وحشیانہ

مظالم کا تختہ مشق بنایا اور ان سے غالباً یہ حقیقت مخفی نہیں کہ گزشتہ سال اُجودھیا کے ہندوؤں نے مسلمانوں پر وحشت، بہمیت اور حیوانیت و درندگی کا جو طوفان نازل کیا تھا وہ کسی عدالت سے پروانہ جواز حاصل کرنے کے بعد نازل نہیں کیا گیا تھا۔ وہ جانتے ہیں کہ اس قسم کے بیسیوں واقعات بلا تکلف پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن مہاشہ جی اپنی ایک تحریر بھی پیش نہیں کر سکتے جس میں انہوں نے ایسے وحشی اور تہذیب نا آشنا اور انسانیت ناشناس ہندوؤں کی مذمت کی ہو۔ انہیں شاید یہ بھی یاد نہیں رہا کہ گاندھی جی نے سردار بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں کی پھانسیوں کے موقع پر کیا بیان دیا تھا، محض عمل ہی نہیں بل کہ قول و خیال میں بھی عدم تشدد کے اس داعی اعظم نے دہلی سے ۲۴ مارچ ۱۹۳۱ء کو جو بیان شائع کیا تھا اس کے بعض حصے درج ذیل ہیں:

”اس نوجوان (سردار بھگت سنگھ) اور اس کے رفیقوں کو پھانسی نے تاج

شہادت پہنا دیا ہے، ان کی موت سے ہزاروں کو اسی طرح صدمہ ہوا ہے گویا ان کے

اپنے رشتہ داروں کی موت واقع ہوئی ہے..... ہم سب کو چاہیے کہ ان کے ایثار، ان

کی ہمت اور ان کی مصلحت نا اندیش شجاعت کی پیروی کریں، لیکن جس طرح انہوں

نے ان صفات کو استعمال کیا اس طرح نوجوانوں کو نہیں کرنا چاہیے۔“

کیا یہ ان لوگوں کی تعریف نہیں ہے جو ایک انگریز افسر کے نہایت ہی افسوس ناک قتل

کے جرم میں ماخوذ ہو کر سزا یاب ہوئے تھے اور حد درجہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ وہ جس افسر کو

لالہ لاجپت رائے کے انتقام میں قتل کرنا چاہتے تھے اس کے دھوکے میں انہوں نے ایک ایسے

شخص کو قتل کر دیا تھا جس کا کوئی جرم اور کوئی قصور بھی نہ تھا۔ مہاشہ کرشن بتائیں کہ گاندھی جی کے

محولہ بالا ارشاد کی نسبت ان کا کیا ارشاد ہے؟

اس زمانے میں گاندھی جی نے حکومت کے ساتھ نیا نیا سمجھوتہ کیا تھا اور ان پر اعتراض ہو

رہے تھے کہ سمجھوتے کے باوجود حکومت نے کیوں سردار بھگت سنگھ وغیرہ کو پھانسی کی سزا دی،

گاندھی جی جانتے تھے کہ سمجھوتے میں پھانسی کو روکنے کی کوئی شرط نہ تھی، لیکن اس کے باوجود

انہوں نے کہا:

”سمجھوتے (یعنی گاندھی ارون میثاق) کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت کا یہ

صاف و صریح فرض تھا کہ پھانسی کی سزا کو کم از کم غیر معین ملت کے لیے ملتوی کر دیا

جاتا۔ حکام نے اپنی اس حرکت سے (یعنی پھانسی دینے سے) سمجھوتے کو خطرے میں ڈال دیا ہے اور اس وحشیانہ طاقت کا مظاہرہ کیا ہے جو اسے حاصل ہے۔“  
یہ رائے عامہ جس طرف گاندھی جی اشارہ کر رہے تھے کیا تھی؟ یہی تھی نا کہ سردار بھگت سنگھ اور اس کے ساتھیوں کو پھانسی نہ دی جائے، اگرچہ وہ ایک بے گناہ افسر کے قتل کے جرم میں سزایاب ہوئے تھے، ان ارشادات کے متعلق مہاشہ کرشن جو کچھ تجویز فرمائیں اسے عبدالقیوم مرحوم کے واقعہ پر بھی چسپاں کر کے دیکھ لیں، اگر ان کا اطمینان نہ ہو تو پھر ہم سے استفسار فرمائیں۔ اس بیان کے آخر میں گاندھی جی نے لکھا تھا:

”ملک میں عام ہڑتال کا ہونا یقینی ہے، وفات یافتہ مجبان وطن کی یاد کا احترام اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ نہایت خاموش اور پُر امن جلوس نکالے جائیں۔ اس موقع پر پاکیزگی نفس کے لیے کوششیں کرنی چاہیے۔“

بتائیے کیا یہ عوام کو سردار بھگت سنگھ وغیرہ کی پھانسی پر مشتعل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی؟ اقتباس سے ظاہر ہے کہ اگر گاندھی جی کو ہڑتال کا یقین نہ ہوتا تو وہ اس کی بھی دعوت دیتے جس طرح انہوں نے خاموش اور پُر امن جلوس نکالنے کی دعوت دی اور یہ سب کچھ ان لوگوں کے تعلق میں جائز سمجھا گیا جو عدالت کے فیصلے کے مطابق ایک بے گناہ افسر کے قتل میں سزایاب ہوئے تھے اور جنہوں نے خود ایک شخص کے لیے ”سزا“ تجویز کی، خود اس کا نفاذ کیا اور حد درجہ افسوس اس بات پر ہے کہ جس شخص کو ”سزا“ دینی مقصود تھی اس کے بجائے ایک بالکل غیر متعلق شخص کو ”سزا“ دے دی۔ مہاشہ کرشن نے اپنے غلط مفروضات کی بنا پر شریعت اسلامیہ کی نسبت لکھ دیا ہے کہ

”وہ شریعت بھی کیا جو ہر شخص کو یہ حق دیتی ہو کہ خاص جرم کے ثابت ہوئے بنا جسے چاہے سزا دے دے یہ کسی چشتی زمانے کی یادگار تو ہو سکتی ہے لیکن مہذب دنیا اسے برداشت نہیں کر سکتی۔“

ہمیں بتایا جائے کہ گاندھی جی کا بیان جس فعل کی بالواسطہ تعریف کر رہا ہے اسے کس زمانے کی یادگار قرار دیا جائے۔ اس سلسلے میں اور گزارشات بھی ہیں لیکن ہم انہیں سردست ملتوی رکھتے ہیں۔

آخر میں اتنا ضرور کہ دینا چاہتے ہیں کہ مہاشہ کرشن نے اپنے زیر بحث مضمون میں شریعت پر بالواسطہ تعریضات کے علاوہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بھی تعریض میں تامل نہیں کیا، وہ لکھتے ہیں:

”یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ جب اس جرم (جرم توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی سزا موت مقرر کی گئی تھی تو اس وقت حالات خاص تھے۔ خلفاء (رضی اللہ عنہم) کو اپنی حکومت قائم کرنی تھی۔ دوسروں کے دلوں پر اپنا سکہ جمانا تھا، وہ چاروں طرف دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے۔ اندرونی دشمنوں سے بھی انہیں مقابلہ تھا اور بیرونی دشمنوں سے بھی، ایسے پراگندہ حالات میں اگر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کی سزا موت قرار دی گئی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آج تبدیل شدہ حالات میں بھی یہی سزا ہے۔“

گویا حضرت خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مختلف جرائم کے لیے جو سزائیں تجویز کیں وہ صرف اس مقصد و غرض کو پیش نظر رکھ کر تجویز ہوئی تھیں کہ ان کی حکومت قائم ہو جائے اور لوگوں پر ان کا سکہ جم جائے اور ان کے سامنے (معاذ اللہ) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول پاک کی سنت مطہرہ کی کوئی روشنی نہ تھی۔



انقلاب ۳۰ مارچ ۱۹۳۵ء

## کراچی کے حادثہ پر خون کے آنسو

بنارس اور لائل پور میں جلسے

بنارس، ۲۴ مارچ۔ کل شب لنگڑے حافظ کی مسجد میں حادثہ کراچی کے سلسلہ میں زیر صدارت جناب ڈاکٹر عبدالکریم صاحب فاروقی مسلمانان بنارس کا ایک اہم جلسہ منعقد ہوا، جس میں جناب اشفاق احمد صاحب سابق پرائیویٹ سیکرٹری، جناب مولانا شوکت علی صاحب، جناب مرزا اصغر حسین صاحب، جناب مولوی عبدالمجید صاحب ایم اے، ایل ایل بی، مولوی ابوالخیر صاحب سابق سیکرٹری بنارس میونسپلٹی نے تقریریں کیں اور ذیل کاربندوں نے پیش ہو کر نہایت جوش و خروش کے ساتھ منظور ہوا؛

”مسلمانان بنارس کا یہ اجتماع کراچی کے خونی واقعات کے سلسلہ میں کراچی کے مقامی عملے کی شرم ناک روش کو نہایت حقارت آمیز نظر سے دیکھتے ہوئے اپنے دلی افسوس کا اظہار کرتا ہے اور شہیدوں کے اعزاء اور مجروحین سے پوری ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے موجودہ نظام حکومت سے پُر زور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ان افسوس ناک واقعات کے متعلق جلد از جلد ایک تحقیقاتی کمیٹی کا تقرر کر کے معاملات کی تحقیقات کرے اور جن بہائم صفت حکام کے اشارہ سے یہ خون ریزی ہوئی ہے ان کو قرار واقعی سزا دے۔ کیوں کہ اس قسم کی نازیبا اور ڈوگر شاہی کارروائیاں مسلمانان ہند کے برداشت سے باہر ہیں۔“

لائل پور میں جلسہ

لائل پور، ۲۲ مارچ۔ بعد نماز جمعہ مسلمانوں کے ایک عظیم الشان جلسے میں من درجہ ذیل قراردادیں منظور کی گئیں:



”مسلمانانِ لائل پور کا یہ پبلک جلسہ شہدائے کراچی کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے اور شہداء کے پس ماندگان سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ نیز اپنی حالت غلامانہ محسوس کرتے ہوئے کراچی کے ان حکام پر جو اس قتل عام کے ذمہ دار ہیں۔ ملامت کرتا ہے اور گورنمنٹ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ان غلط کار افسروں کو ٹھیک ٹھیک سزائیں دے کر کیفر کردار تک پہنچائے۔“



انقلاب ۳۱ مارچ، ۱۹۳۵ء

## کراچی کے حادثہ خونین کی غیر سرکاری تحقیقات

### اسمبلی کے مسلمان ارکان کا فیصلہ

کراچی کے خونین واقعہ کے متعلق جہاں تک میری اطلاعات کا تعلق ہے حکومت ہند نے ابھی اس قسم کا کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے کہ اسمبلی کے مطالبہ کے مطابق تحقیقات کے لیے کوئی آزاد کمیشن مقرر کرے چنانچہ اس بنا پر کہ اسمبلی کے اجلاس اب عن قریب ختم ہونے ہیں۔ مسلمان اراکین میں حکومت کی اس لاپرواہی سے سخت تشویش پیدا ہو گئی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ایک ہفتہ میں حکومت نے آزاد تحقیقات کا انتظام نہ کیا تو اس کا صاف و صریح طور پر یہی مطلب ہوگا کہ حکومت صحیح تفصیلات کو چھپانا چاہتی اور تحقیقات سے گریز کر رہی ہے چنانچہ کل سہ شنبہ کی شام کو سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون صاحب کی قیام گاہ پر اسمبلی کے سربراہ اور مسلمان اراکین کا ایک مشاورتی جلسہ ہوا، جس میں حکومت کے سکوت اور تحقیقاتی کمیٹی کے مطالبہ کی طرف سے بے پرواہی پر غور کر کے یہ طے کیا گیا کہ اگر حکومت جلد سے جلد تحقیقاتی کمیٹی کا تقرر نہ کرے تو فوراً ایک ایسی غیر سرکاری پبلک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جائے جو ہندو اور مسلمان اراکین پر مشتمل ہو اور وہ جلد سے جلد کراچی پہنچ کر تحقیقات شروع کر دے اور اپنی رپورٹ ملک کے سامنے پیش کر دے تاکہ لوگوں کو صحیح حالات اور ان واقعات سے مستند طور پر واقفیت ہو جائے کہ جو کراچی میں ہوئے ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کمیٹی پانچ یا چھ ارکان پر مشتمل ہوگی اور اس کی صدارت کے لیے ایک ایسے تجربہ کار شخص کو منتخب کیا جائے گا جو عدالتی اور قانونی کام کا پورا تجربہ رکھتا ہو اور جس کی قانون دانی کو حکومت بھی تسلیم کرتی ہو۔



انقلاب ۳۱ مارچ ۱۹۳۵ء (اداریہ)

## کراچی کے واقعہ خونیں کی غیر سرکاری تحقیقات

مسلم ارکان اسمبلی کا درست فیصلہ

کراچی کے حادثہ خونیں کے متعلق جو حالات تدریجاً سامنے آئے ہیں، ان سے غیر مشتبہ طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ واقعہ اس سے بدرجہا زیادہ درد انگیز اور بدرجہا زیادہ الم ناک تھا جتنا کہ شروع میں عام طور پر سمجھا گیا تھا۔ شروع میں اکثر اشخاص کا خیال یہی تھا کہ مسلم ہجوم سے ضرور کوئی غیر مناسب حرکت سرزد ہوئی ہوگی جس پر پولیس کو گولی چلانی پڑی اور اس پر رنج اس وجہ سے تھا کہ زیادہ آدمی شہید اور زخمی ہوئے لیکن جب حقیقی اور مستند حالات سامنے آئے تو واضح ہوا کہ ابتدا خبر رساں ایجنسیوں نے اس واقعہ ہائلہ کی جو اطلاعات مہیا کی تھیں وہ صرف اس غرض کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی تھیں کہ حکام کی شقاوت، ان کی سنگ دلی اور ان کی بے تدبیری چھپ جائے اور ظاہر ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا مجبوری کی حالت میں کیا، اب یہ حقیقت عالم آشکار ہے کہ گولی چلانے کا کوئی موقع، کوئی ضرورت اور کوئی مجبوری نہ تھی، نہ مسلمانوں سے کوئی غیر مناسب حرکت سرزد ہوئی، نہ وہ میت کے جلوس کو شہر میں لے جانا یا پھرانا چاہتے تھے بل کہ ان کی خواہش یہ اور صرف یہ تھی کہ مرحوم عبدالقیوم کے جنازے کی نماز ادا کر لیں۔ اگر حکام پھانسی سے پیشتر ذمہ دار مسلم رہنماؤں کو بلا کر جنازے کے مقام محل کا تصفیہ کر لیتے تو انہیں (حکام کو) کسی انتظام کی تکلیف برداشت نہ کرنی پڑتی، حکام نے وعدہ بھی کیا تھا کہ مسلم رہنماؤں سے مشورہ کر لیں گے، انہیں پھانسی کی تاریخ سے مطلع کر دیں گے لیکن مسلم رہنما تو رہے ایک طرف۔ مرحوم عبدالقیوم کے رشتہ داروں کو بھی اطلاع نہ دی گئی اور نہ آخری ملاقات

کرائی گئی بل کہ ۱۹ مارچ کو صبح کے چار یا پانچ بجے مرحوم کو پھانسی دے چکنے کے بعد ان کے رشتہ داروں کو یہ کہہ کر سوتے سے جگایا گیا کہ چلو عبدالقیوم سے آخری ملاقات کر لو اور انہیں جیل لے جانے کی بجائے میوہ شاہ کے قبرستان میں پہنچایا گیا، جہاں مرحوم کا جنازہ رکھا ہوا تھا اور قبر تیار تھی۔

یہ خبر شہر میں پھیلی تو مسلمان جنازہ کی ادائیگی کے لیے قبرستان کی طرف جانے لگے، اس پر پولیس اور حکام کے دل میں بلا وجہ سراسیمگی پیدا ہوئی، اس وقت بھی صحیح تدبیر یہی تھی کہ ذمہ دار مسلم رہنماؤں کو بلا کر کہہ دیا جاتا کہ نماز جنازہ ادا کر لی جائے اور اس کے لیے باہمی مشورہ سے مناسب وقت اور مقام کا تعین کر لیا جاتا لیکن حکام نے یہ بھی نہ کیا بل کہ جب لوگ زیادہ تعداد میں جمع ہونے لگے تو حکام اور پولیس کے آدمی غائب ہو گئے، یہ بالکل غلط ہے کہ مرحوم کی میت کو دفن کیا جا چکا تھا اور مسلمانوں نے قبر کھود کر میت کو نکالا جیسا کہ بعض ابتدائی اطلاعات میں بیان کیا گیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ میت دفن نہیں ہوئی تھی بل کہ لحد میں اتاری گئی تھی اور اس کا لحد میں اتارنا بھی حقیقتہً حکام اور پولیس کی گھبراہٹ کا نتیجہ تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ لوگ جمع ہونے لگے ہیں، فی الفور میت قبر میں اتار دی تا کہ جلد سے جلد دفن کر دیں لیکن لوگ ادائے نماز جنازہ کے خواہاں تھے، اس کے لیے ضروری تھا کہ میت لحد سے باہر نکالی جاتی، حکام اور پولیس وہاں سے غائب ہوئے تو مسلمانوں نے یہ فیصلہ کیا کہ نماز جنازہ چا کیواڑہ عید گاہ میں ادا کریں۔ یہ فیصلہ یقیناً اس لیے کیا گیا کہ شہر سے اور جتنے لوگ نماز جنازہ ادا کرنے کے خواہاں ہوں، وہ باسانی ایک معروف مقام پر پہنچ جائیں۔ چنانچہ میت کو عید گاہ میں پہنچانے کی غرض سے اٹھایا گیا، ایک میل کا فاصلہ طے ہو چکا تھا صرف چار سو گز کا فاصلہ باقی تھا۔ جلوس عید گاہ کی سڑک پر مڑنے والا تھا کہ بلا اہانتاہ اور بلا اطلاع نہایت قریب کھڑے ہو کر گولی چلا دی گئی، یہ مقام ایسا تھا کہ آگے کے آدمیوں کے سوا عام لوگوں کو خبر بھی نہیں ہو سکتی تھی کہ سامنے فوج ہے اور آگے بڑھنے یا منتشر نہ ہونے پر گولی چل جائے گی۔ مختلف اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ گولیاں بعض ایسے آدمیوں کو لگیں جو سرے سے جلوس میں شریک ہی نہ تھے بل کہ اپنی جھونپڑیوں میں کھانا پکا رہے تھے، یا کھانا کھا رہے تھے۔

ان درد انگیز حالات کے انکشاف کے بعد کون سا شخص کراچی کے حکام کی مجرمیت کے

یقین میں ایک لمحہ کے لیے بھی متامل ہوگا۔ حکومت کا فرض تھا کہ وہ جلد سے جلد آزاد تحقیقاتی کمیشن کے تقرر کا اعلان کرتی لیکن حکومت ہند بھی خاموش ہے اور حکومت بمبئی نے بھی اب تک کچھ نہیں کیا۔ آخر کب تک انتظار کیا جائے؟ دہلی کی اطلاعات مظہر ہیں کہ حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون ایم ایل اے نے انہی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسمبلی کے مسلم ممبروں کو جمع کیا۔ اس اجتماع میں فیصلہ ہوا کہ اگر حکومت جلد سے جلد آزاد تحقیقاتی کمیشن مقرر نہ کرے تو ایک غیر سرکاری کمیٹی مقرر کر دی جائے جو اپنی تحقیقاتی رپورٹ عوام کی آگاہی کے لیے ملک اور ارکان اسمبلی کے روبرو پیش کرے۔ ہر شخص اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ کوئی تحقیقاتی کمیشن اس بیش بہا متاع زندگی کو واپس نہیں لاسکتا جو ۱۹ مارچ کو حکام کراچی کی شقاوت، سنگ دلی اور بے تدبیری کی نذر ہوئی۔ مقصود صرف یہی ہے کہ مجرم حکام کی مجرمیت آئینی طریق پر ثابت ہو جائے تاکہ انہیں عبرت ناک سزائیں دی جاسکیں۔

حکام اس لیے ہوتے ہیں کہ عوام کی حفاظت کریں۔ اس لیے نہیں ہوتے کہ عوام کی جانوں سے جب چاہیں بے پروائی اختیار کر لیں۔ اگر خدا نخواستہ تحقیقات میں تاخیر ہوئی تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ صحیح اور حقیقی حالات کو دنیا کے سامنے لانے کی مشکلات بڑھ جائیں گی جو شہادتیں اب تازہ ہیں وہ مٹ جائیں گی۔ ضروری ہے کہ حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون اور دوسرے ذمہ دار اصحاب ایسی تدابیر اختیار کریں کہ جلد سے جلد تحقیقاتی کمیٹی مقرر ہو جائے۔ کیا حکومت کے نزدیک حکام کے اقتدار کی پاس داری اتنی اہم اور اتنی عزیز ہے کہ اسے ۳۷ بے گناہوں کی موت اور ایک سوا ایک بے گناہوں کی زہرہ گداز مجروحیت بھی متاثر نہیں کر سکتی؟

یہ دوش حکومت کے متعلق عوام میں اچھا خیال اور اچھی رائے پیدا نہیں کر سکتی، اگر حکام کراچی کی پوزیشن صاف ہے تو پھر تحقیقات میں کیوں تامل ہے؟ اور اگر صاف نہیں ہے تو پھر ان کی مجرمیت کے اعلان و اعتراف میں توقف کو کس بنا پر جائز سمجھا جاسکتا ہے؟ تحقیقات میں تاخیر سے عوام کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ حکومت اندر ہی اندر تمام حالات کا جائزہ لے رہی ہے، اس کی خواہش یہ ہے کہ حکام کی پوزیشن کو محفوظ کرنے کی تمام تدابیر مکمل کر لے۔ اس کے بعد تحقیقات کا اعلان کرے۔ یہ شیوہ حکومت کے لیے ہرگز مفید نہیں بل کہ مضر ہے۔ بہر حال اگر حکومت تحقیقات کے فوری آغاز کے لیے تیار نہیں تو غیر سرکاری تحقیقاتی کمیٹی کے تقرر میں

تامل نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں یقین ہے کہ حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون جلد سے جلد تحقیقاتی کمیٹی مقرر کر کے کام شروع کرادیں گے۔ اس کمیٹی میں ہندوؤں کو شامل کر لینے کی تجویز بھی بالکل مناسب ہے۔ مسلمانوں کی مظلومیت ظاہر ہے اور انہیں کسی مجلس اور کسی کمیٹی میں اپنی مظلومیت کو پیش کرنے میں تامل نہیں ہو سکتا۔



انقلاب ۳۱ مارچ ۱۹۳۵ء

## کراچی کے خونیں حادثہ پر اسلامی ہند میں عالم گیر اضطراب

متعدد مقامات پر جلسے اور احتجاج

حصار میں جلسہ

حصار (بہ ذریعہ ڈاک) مسلمانانِ حصار کے عظیم الشان اجتماع میں من درجہ ذیل

ریزولوشن منظور ہوئے:

”☆ مسلمانانِ حصار کا یہ عظیم الشان جلسہ مسٹر تصدق خان شیروانی کی

ناگہانی موت پر اظہارِ افسوس کرتا ہے۔

☆ مسلمانانِ حصار کا مطالبہ ہے کہ حادثہ کراچی کے متعلق ایک کمیٹی قائم

کر کے متعلقہ افسران کو ان کے غیر دانش مندانہ رویہ کی وجہ سے پوری سزا دی

جائے۔

☆ مسلمانانِ حصار کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کراچی کے متعلقہ افسران مسلم

لیڈروں کے تعاون کو نظر انداز نہ کرتے تو خون ریزی تک نوبت نہ پہنچتی۔

☆ یہ جلسہ حکومت کو مشورہ دیتا ہے کہ آئندہ ایسے مواقع پر قتل و خون کے

بجائے آشک آور یا دوسرے گیس استعمال کیا کرے جو نسبتاً کم مضر ہوں۔

☆ یہ جلسہ کراچی کے شہداء کے ورثاء سے دلی ہمدردی رکھتے ہوئے

ہندوستان کے مسلمانوں سے التماس کرتا ہے کہ کراچی میں ان کی شہادت کی یادگار

تعمیر کی جائے۔“

## لاہور میں احتجاجی جلسہ

لاہور: ۲۹ مارچ۔ آج شاہی مسجد لاہور میں مسلمانوں کا اجتماع شہداء کراچی پر اظہارِ افسوس کے لیے منعقد ہوا۔ جناب خطیب مولانا سید عزالدین صاحب نے ایک موثر تقریر فرمائی اور مسلمانوں کے الم ناک حادثے پر اظہارِ خیال کیا اور بتایا کہ یہ واقعہ ہماری مذہبی اور قومی زندگی پر نہایت گہرا اثر ڈالنے والا تھا پھر باتفاق رائے حسب ذیل تجویز پاس ہوئی۔

”مسلمانانِ لاہور کا یہ جلسہ شہداء کراچی پر انتہائی غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے اور خداوند قدوس کی درگاہ میں دست بہ دعا ہے کہ وہ شہداء کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ نیز یہ جلسہ گورنمنٹ سے پُر زور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایک آزاد کمیٹی مقرر کر کے اس واقعہ کی پوری تحقیق کرے اور شہداء کے اقربا کے ساتھ پوری مالی اور اخلاقی ہمدردی کا برتاؤ کرے اور ان کی آئندہ زندگی کو ہر صورت سے کامیاب بنائے۔“



لاہور: ۲۸ مارچ۔ آج کبوہان ہند لاہور کا ایک خاص اجلاس شیخ محبوب الہی ایڈووکیٹ کے دفتر زیر صدارت حاجی رحیم بخش منعقد ہوا جس میں حادثہ کراچی پر انتہائی غم و غصہ اور شہداء کراچی کے پس ماندگان سے ہمدردی کا اظہار کے ساتھ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ فوراً اس خونیں حادثہ کی آزاد تحقیقات کرے۔



## رہتک میں احتجاجی جلسہ

۲۶ مارچ کو بعد نماز عشاء مسجد کوٹ میں مولانا محمد فیاض صاحب خطیب مسجد کوٹ نے ایک موثر تقریر کی۔ بعد ازاں حسب ذیل ریزولوشن بہ اتفاق رائے پاس ہوئے:

”یہ جلسہ کراچی کے نہتے مسلمانوں پر غیر محتاط طریق سے افسرانِ ذمہ دار کے حکم سے گولی چلنے کے خلاف جس نے ستر کروڑ مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کیا ہے - مذمت کا ووٹ پاس کرتا ہے۔“

## مسلمانانِ کوہاٹ کا احتجاج

کوہاٹ ۲۷ مارچ (بذریعہ ڈاک) گذشتہ جمعہ (۲۲ مارچ ۱۹۳۵ء) کو جامع مسجد زیارت حضرت حاجی بہادر صاحب میں مسلمانانِ کوہاٹ نے کراچی کے خونچکان حادثہ پر انتہائی رنج و قلق کا اظہار کیا اور بے گناہ شہداء کی مغفرت کے لیے دعا کی گئی۔

## غازی پور میں جلسہ

۱۹ مارچ - مسلمانوں کے ایک عظیم الشان اجتماع میں یہ قرارداد با تفاق آراء منظور ہوئی کہ واقعہ ہائلہ کراچی کی فوراً تحقیقات کی جائے۔



انقلاب ۳۱ مارچ ۱۹۳۵ء

## حادثہ کراچی پر ہندو سبھا کا اظہارِ مسرت

شادی سخن کہ بر تو ہمیں ماجرا رسد

ملتان ۲۹ مارچ - لالہ شو دیال جنرل سیکرٹری ہندو سبھا ملتان لکھتے ہیں کہ ہندو سبھا ملتان نے اپنے خاص اجلاس میں حادثہ کراچی کے متعلق افسرانِ متعلقہ کے طرز عمل کی تائید کی اور ظاہر کیا کہ اگر ایسا رویہ اختیار نہ کیا جاتا تو شہر میں لوٹ مچ جاتی اور آگ لگ جاتی۔ ایک خاص ریزولوشن کے ذریعے تحقیقاتی کمیٹی کے تقرر کے مطالبہ کی مذمت کی گئی۔



نیر اسلام ۲۴ مارچ / یکم اپریل ۱۹۳۵ء

## غازی عبدالقیوم کی پھانسی کا خون آشام دن

مسلمانوں کے پچاس ہزار کے ہجوم پر گولیوں کی بارش، خاک و خون میں تڑپتے ہوئی لاشیں  
چونتیس شہید اور ڈیڑھ سوزخمی، اسمبلی میں التوائے اجلاس کی تحریک

۱۹ مارچ کا دن انگریزی حکومت کی تاریخ میں خونی حروف سے لکھا جائے گا جب کہ  
فوج نے پچاس ہزار مسلمانوں کے پُرامن اور نہتے ہجوم پر خطرہ کے موہوم امکانات کی وجہ سے  
گولیوں کی غیر محتاط بارش کی۔ جس سے (اخبار) اسٹیٹس مین اور متعصب ہندو پولیس کے یک  
طرفہ بیانات کے مطابق چونتیس مسلمان ہولناک طریقہ پر شہید ہوئے اور دوسو کے قریب زخمی  
ہوئے۔ زخمیوں کی تعداد ایک سو ایک تک پہنچ چکی ہے اور یہ یقین کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ  
زخمی اس سے زیادہ ہیں۔

اسلامی ذرائع سے صحیح خبروں کا انتظار کیا جا رہا ہے تاہم اتنا معلوم ہوا ہے کہ اس خبر سے  
ہندوستان کے مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہو گیا ہے۔ اسمبلی کے مسلم ارکان خاص طور پر بے چین  
نظر آتے ہیں اور بعض مسلم رہنماؤں کا خیال ہے کہ گولیوں کی بارش غیر محتاط طریقہ پر ہوئی ہے۔  
ہر طبقہ کے لیڈر امن و نظم کی بحالی کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔

ہسپتال میں فوجی اور سول ڈاکٹر کی زیر نگرانی زخمیوں کی مرہم پٹی ہو رہی ہے۔ حکام کی موثر  
تدبیر کے نتیجے کے طور پر شہر میں امن و سکون کی فضا بحال ہو رہی ہے اگرچہ بعض مقامات پر اب  
بھی قدرے جوش پھیلا ہوا ہے۔

اسٹیٹس مین کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ جلوس میں عورتیں اور بچے شامل نہیں تھے۔ یہ بھی  
معلوم ہوا ہے کہ ہلاک شدگان اور زخمیوں میں باشندگان کراچی کی نسبت باہر کے مسلمان زیادہ  
ہیں۔

مسٹر گابا نے گولی چلنے کے واقعہ کے سلسلے میں اسمبلی میں التوائے اجلاس کی تحریک پیش



کرنے کا نوٹس دیا ہے۔

کراچی کے حادثہ کے متعلق معاصر اسٹیٹس مین کے نامہ نگار کراچی نے جو بیان ارسال کیا ہے وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

”۔۔۔۔ جو کراچی میں دوپہر کے وقت شروع ہوا جس میں ۳۳ ہلاک اور ۷۷ زخمی ہوئے کیوں کہ پولیس اور فوج نے گولی چلا دی۔

عبدالقیوم کی مہاراج نھورام کے قتل کے الزام میں جوڈیشل کمشنر سندھ کے اجلاس سے سزائے موت کا حکم ہوا تھا چنانچہ ۱۹ مارچ کو صبح چار بجے اسے کراچی سنٹرل جیل میں پھانسی دے دی گئی اور اس کی نعش ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سٹی مجسٹریٹ اور پولیس پارٹی کی معیت میں میوا شاہ جا کر اس کے خاندانیوں کے سپرد کر دی گئی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کہا کہ اس نعش کو جلد دفن کر دو۔ اس کارروائی کے لیے انتظامات کیے جا رہے تھے۔ اتنے میں کچھ لوگ آگئے اور انہوں نے اس کا چہرہ دیکھنا چاہا، اسی میں دیر ہو گئی اور مجمع بڑھنے لگا حتیٰ کہ نعش کئی بار قبر میں رکھی گئی اور کئی بار مشتاقان دیدار نے مٹی ہٹا دی۔

بالآخر اس مجمع کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی اور قبرستان میں اس مجمع کا رویہ پولیس اور افسروں کی جانب مخالفانہ ہو گیا اور یہ مجمع ان کو چاروں طرف سے گھیرنے لگا اور اس مجمع نے قبر کھود کر نعش کو نکالنا طے کیا۔ جوش اتنا زیادہ بڑھ گیا تھا کہ یہ عظیم مجمع بے قابو ہو گیا اور نعش کو اوپر اٹھا کر کراچی کی جانب لے چلا۔ پولیس کے پارٹی اس انتظار میں رہی کہ کوئی مناسب موقعہ آجائے جہاں اس مجمع کو روکا جاسکے۔ اسی اثنا میں صورت حالات نہایت نازک ہو گئی کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو فوج طلب کرنی پڑی۔ اگر اس مجمع کو بغیر روک ٹوک شہر میں داخل ہونے دیا جاتا تو نہایت سخت قسم کی امن شکنی کا اندیشہ اور ایسی خون ریزی اور اتنا قتل ہوتا کہ جیسا ہندوستان کے بلوچوں میں کبھی زیادہ سے زیادہ ہوا ہوگا۔

چکی دارہ میں پولیس نے اس مجمع کو روکنا چاہا لیکن پولیس کی یہ کوشش بے سود

ثابت ہوئی بل کہ مجمع نے جارحانہ رویہ اختیار کیا اور پتھروں اور لائٹیوں کا استعمال پولیس کے خلاف ہونے لگا۔ تین آزریری مجسٹریٹ بھی پتھروں سے زخمی ہوئے۔ دیگر ہتھیار اور اوزار بھی استعمال میں لائے گئے۔

صورت حالات نہایت ہی نازک ہو گئی۔ ہر ممکن کوشش کی گئی کہ مجمع قابو میں آ جائے مگر کامیابی کسی صورت میں نہ ہوئی۔ اس لیے یہ ضروری ہو گیا کہ شہر کی حفاظت کے لیے آخری وسیلہ اختیار کیا جائے۔ فوجوں کو مجمع کے سامنے کر دیا گیا۔ یہ فوج رائل سسکن رجمنٹ تھی۔ مجمع اس طریق پر بھی نہ رکا اور بڑھتا چلا گیا جب اس مجمع نے فوج کو بالکل گھیر لیا تب فوج کو فائر کرنے کا حکم دیا گیا۔ ۴۷ باڑھ فائر کیے گئے، اس سے مجمع کی پہلی صف پیچھے ہٹ گئی۔ زخمی اور ہلاک شدہ لوگ فوج اور مجمع کے درمیان پڑے ہوئے تھے لیکن پچھلا حصہ آگے بڑھنے پر بھی ٹلا رہا اور کوشش یہاں تک کی گئی کہ پولیس اور فوج پر بغلی حملہ کیا جائے بل کہ پیچھے سے بھی حملہ کیا جائے۔ لیکن اس عرصہ میں مزید فوج آ گئی۔ اس لیے مجمع اس کوشش میں ناکام رہا اور اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔

فوراً ہی زخمی اور ہلاک شدگان اور ان لوگوں کو جو دم توڑ رہے تھے۔ سول ہسپتال پہنچایا گیا اور وہاں ان کی دیکھ بھال ہوئی۔ ہسپتال میں اسٹاف کی امداد کے لیے فوجی سرجن اور فوجی ہسپتال کے اسٹاف کو بھی پہنچا دیا گیا۔ بعد کو عبدالقیوم کی نعش پھر میو شاہ پہنچائی گئی اور وہیں اس کو دفن کیا گیا۔

بظاہر اب بالکل سکون ہے لیکن لیاری وغیرہ میں ابھی اندر ہی اندر جوش موجود ہے۔ شہر کو محفوظ رکھنے کے لیے نہایت مکمل انتظامات کیے گئے ہیں۔ کل رات کو بھی فوج کا پہرہ رہا اور آج بھی پولیس پہرہ دے رہی ہے۔

ایک چشم دید کا بیان ہے کہ جب یہ میت جیل سے قبرستان کو پہنچائی جا رہی تھی

پولیس کی مداخلت کے مجمع پولیس کی صفوں کو چیرتا ہوا نعش تک پہنچ گیا اور نعش کو

چھین لیا اور اسے لے کر ایک پرے میدان میں جا پہنچے اور وہیں نماز ادا کی گئی۔  
مسلم لیڈروں نے نیز پولیس نے ہجوم سے منتشر ہونے کی درخواست کی اور  
یہ بھی مان لیا کہ ہجوم کی خواہش کے بہ موجب سہ پہر کو دو بجے دُفن کر دیا جائے۔  
ہجوم کو پُر سکون کرنے کی ہر ممکن کوشش ناکام رہی اور مزید فوج طلب کرنی  
پڑی۔ پہلے تو مجمع سے منتشر ہونے کو کہا گیا، اس کے بعد ہی ہوائی فائر کیے گئے اور مجمع  
منتشر ہو گیا۔

جس قتل کے الزام میں عبدالقیوم کو پھانسی کی سزا دی گئی وہ جوڈیشل کمشنر سندھ  
کے اجلاس واقع کراچی میں ہوا تھا۔ مقتول کا نام نھورام تھا اور مقتول کی ایک اپیل کی  
سماعت ہو رہی تھی کیوں کہ مقتول کو عدالت ماتحت سے پیغمبر اسلام کے خلاف مضمون



نیر اسلام ۸/۱۸ اپریل ۱۹۳۵ء

## گوجرخان

گوجرخان، ۳۰ مارچ: سید محمد فضل شاہ صاحب امیر حزب اللہ و سجادہ نشین جلال پور  
شریف نے ہزاریکسلسی وائسرائے کو حسب ذیل برقیہ ارسال فرمایا ہے:

”میں اپنے لاکھوں مریدوں اور سب سے بڑی جماعت حزب اللہ کی طرف  
سے کراچی کے حادثہ فاجعہ میں حکام کے وحشیانہ طرز عمل پر احتجاج کرتا ہوں۔  
مسلمانوں کو اس واقعہ سے نہایت صدمہ پہنچا ہے۔ آپ سے درخواست کی جاتی ہے  
کہ اس واقعہ کے متعلق آزادانہ تحقیقات کے بعد ذمہ دار افسروں کو عبرت انگیز سزا دی  
جائے اور مصیبت زدگان کو کافی معاوضہ دیا جائے۔“



الفقیہ ۲۱ اپریل ۱۹۳۵ء

## مظلومین کراچی کی امداد

انجمن اسلامیہ امرت سرنے اپنے ممبران سے چندہ جمع کر کے دو صد روپیہ کی رقم کی دوسری قسط بہ ذریعہ چیک سینٹھ حاتم علوی صاحب صدر شہدائے کراچی ریلیف فنڈ کی خدمت میں کراچی روانہ کر دی ہے۔



غازی محمد صدیق شہید رحمۃ اللہ علیہ

انقلاب ۲۰ ستمبر ۱۹۳۲ء

## پالا شاہ قصوری کا قتل

پالا شاہ ساہوکار، قصور نے مذہب اسلام اور احکام اسلام کے شان میں بے ادبی کے الفاظ کہے تھے اور مسلمانان قصور و بیرون جات اس پر بہت مشتعل ہوئے تھے چنانچہ اس شخص کو ابتدائی عدالت سے سزائے قید بھی ہوئی تھی۔ پچھلے دنوں کسی نے اسی کو قتل کر دیا۔ ایک مسلمان نوجوان محمد صادق (محمد صدیق) الزام قتل میں گرفتار کیا گیا ہے۔ ابتدائی بیانات ہو چکے ہیں۔ عن قریب لاہور سیشن کورٹ میں اس کا چالان پیش ہوگا۔ (نامہ نگار)



انقلاب ۲۷ ستمبر ۱۹۳۲ء

## میاں محمد صدیق کے مقدمہ کی مزید تحقیقات

قصور ۲۴ ستمبر؛ آج میاں محمد صدیق کو پولیس نے ریمانڈ لینے کے لیے سردار ہر بنس سنگھ مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کرنا تھا لیکن احاطہ کچھری میں مسلمانوں کے جم غفیر کو دیکھ کر پولیس میاں صاحب موصوف کو واپس جیل لے گئی۔ مجسٹریٹ صاحب نے جیل میں جا کر ریمانڈ دیا۔ میاں صاحب ہشاش بشاش تھے۔

چند شرارت پسند ہندو اس کوشش میں ہیں کہ اور غریب مسلمانوں کو اس مقدمہ میں پھنسایا جائے چنانچہ آریہ سماج قصور کے بعض سرکردہ لیڈر اس معاملہ میں نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔



نیر اسلام ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۲ء

## غازی محمد صدیق قصوری کے مقدمہ کی سماعت

قصور، ۱۸ اکتوبر: آج غازی محمد صدیق صاحب کو خان صاحب چوہدری غلام مصطفیٰ صاحب سب ڈویژنل مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہونا تھا۔ دس بجے سے پہلے ہی مسلمان

ہزاروں کی تعداد میں احاطہ کچہری میں جمع ہو گئے تھے اور جیل سے لے کر کمرہ عدالت تک سڑک پر بیٹھے تھے۔ مستورات کا جم غفیر بھی پھولوں کے ہار لے کر اشتیاق دیدار میں ایستادہ تھا۔ غازی صاحب کو مسٹر ڈلیس صاحب بہادر کپتان پولیس کی کار میں لایا گیا۔ موٹر تیز رفتاری سے گزر گئی، واپسی پر دیدار کا وعدہ کیا گیا چنانچہ واپسی پر مشتاقان دیدار سڑک کے دور و یہ کھڑے ہو گئے۔ غازی صاحب کو جیل لے جانے کے لیے موٹر میں سوار کیا گیا۔ کار آہستہ آہستہ گزاری گئی۔ غازی صاحب نے کھڑے ہو کر تمام مسلمانوں کو اپنے دیدار سے مستفیض فرمایا۔ جناب ڈلیس صاحب بہادر کپتان پولیس، مسٹر ایم اے خان آنریری مجسٹریٹ قصور اور شیخ مرید احمد صاحب تھانہ دارشہر کا انتظام نہایت قابل متین تھا۔ تمام مسلمان ان کے شکر گزار ہیں۔ آج مقدمہ توہین کی مسلیں پیش ہوئی تھیں چنانچہ پیش ہونے کے بعد آئندہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۲ء بہ غرض شامل ہونے فہرست گواہان صفائی کی مقرر ہوئی۔



انقلاب ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۲ء

## غازی محمد صدیق قصوری کا مقدمہ سیشن سپرد کر دیا گیا

غازی مدوح نے حکم سنتے ہی نعرہ تکبیر بلند کیا

قصور، ۱۱ اکتوبر۔ آج غازی حافظ محمد صدیق کا مقدمہ بہ عدالت خان صاحب چوہدری غلام مصطفیٰ صاحب سب ڈویژنل مجسٹریٹ پیش ہوا۔ کچہری کے وقت سے پیشتر ہزار ہا مرد و زن جیل کے دروازہ سے لے کر کچہری تک صف بستہ تھے۔ انجمن تبلیغ الاحناف کوٹ پیراں کے رضا کار باوردی جلوس کی شکل میں کچہری پہنچ چکے تھے۔ پولیس کا زبردست سنگینوں کا پہرہ تھا۔ کمرہ عدالت میں ماسوائے وکلاء غازی صاحب کے ورنہ حاجی عبدالقادر میونسپل کمشنر، مولانا شیر نواب خاں، حکیم انعام اللہ، چوہدری محمد عاشق صاحبان کے کسی کو اجازت نہ تھی۔ استغاثہ کی طرف سے شیخ امیر علی کورٹ ڈی ایس پی اور غازی مدوح کی طرف سے مولوی محمد داؤد صاحب وکیل پیش ہوئے۔ فہرست گواہان صفائی داخل کی گئی۔

گواہان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ مولانا سید حبیب آف سیاست مع فائل اخبارات ماہ اکتوبر
- ۲۔ مولانا ظفر علی خان آف زمیندار مع فائل
- ۳۔ مولانا (عبدالحمید) سالک آف انقلاب مع فائل
- ۴۔ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب خطیب جامع مسجد وزیر خاں لاہور
- ۵۔ جناب خطیب صاحب شاہی مسجد لاہور معرفت سیکرٹری صاحب انجمن اسلامیہ لاہور
- ۶۔ مولانا احمد علی امیر انجمن خدام الدین لاہور
- ۷۔ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری
- ۸۔ مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری امرتسری
- ۹۔ مولانا شیر نواب خاں قصوری
- ۱۰۔ شیخ محمد عظیم صاحب قصوری
- ۱۱۔ شیخ خوشی محمد صاحب، قصور

عدالت نے فہرست ملاحظہ کرتے ہی سرکاری پیر و کار کو دکھائی جس پر اس نے اعتراض کیا کہ گواہان غیر متعلقہ ہیں۔ ان پر مذہبی سوالات ہوں گے۔ اس قسم کی شہادت کا اصل مقدمہ کی شہادت سے کوئی تعلق نہیں۔ وکیل صفائی نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ برادران وطن کی طرف سے تو ہین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریروں اور تقریروں کی شکل میں ہمیشہ ابتدا ہوتی ہے باوجود اس امر کے کہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمان اپنے محبوب اور جان و مال سے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کو برداشت نہیں کر سکتے تو پھر وہ کیوں اس قسم کے ہتک آمیز رسائل وغیرہ کی اشاعت کر کے شیدایان پیغمبر کو اشتعال دلاتے ہیں چوں کہ ایسے واقعات اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں اور علماء کرام نے بھی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے جوابات دیے ہیں اس لیے اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ تمام واقعات قتل (ریکارڈ) پر لائے جائیں تاکہ عدالت سزایابی کا حکم سناتے وقت اشتعال انگیز واقعات کو پیش نظر رکھے اور حکومت کو قانون میں ترمیم کرنی پڑے۔ مجسٹریٹ نے بحث سن کر فہرست وکیل صفائی کو واپس کر دی اور کہا کہ گواہان صفائی غیر متعلقہ



ہیں، اس لیے درخواست سیشن کورٹ سپرد کردی جائے۔ اس کے بعد غازی محمد صدیق صاحب کو عدالت نے حکم سنایا کہ آپ کا مقدمہ سیشن سپرد کر دیا گیا۔ حکم سنتے ہی غازی صاحب موصوف نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ کمرہ عدالت میں غازی صاحب نے آب زم زم اور پھل تناول فرمائے۔ چوہدری محمد عاشق اور حکیم انعام اللہ اور دیگر حاضرین نے غازی صاحب سے معانقہ و مصافحہ فرمایا۔ مسٹر ڈیس ایڈیشنل سپرنٹنڈنٹ پولیس نے موٹر کار میں غازی صاحب کو بٹھایا اور حسب سابق آہستہ آہستہ چلانی شروع کی۔ مشتاقان دیدار سڑک کے دورویہ صف بستہ تھے۔ فلک شگاف نعرہ ہائے تکبیر نے گونج پیدا کر دی۔ غازی صاحب اپنی زیور زیب تن کیے ہوئے موٹر میں کھڑے ہو کر پیام و سلام اور نعرے بلند کرتے ہوئے اُچھلتے تھے اور پھولے نہیں سماتے تھے۔ بالآخر ہزار ہا زائرین کی نظروں سے غازی صاحب مدوح اوجھل ہو گئے اور مسلمانوں کا جم غفیر جلوس کی شکل میں نظمیں پڑھتا ہوا شہر میں داخل ہوا۔ جلوس پر امن تھا۔ جلوس نئے بازار سے ہوتا ہوا خانقاہ حضرت بلھے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر پہنچا۔ حاجی عبدالقادر صاحب میونسپل کمشنر قصور نے اختتام جلوس پر تقریر فرمائی اور کہا کہ مذہب اسلام کی یہ ہرگز تعلیم نہیں ہے کہ مذہب سے اختلاف رکھنے والوں کو محض مذہبی اختلاف کی وجہ سے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے مگر یہ یاد رہے کہ مسلمان (توہین رسالت) برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم پر سازش کا الزام لگایا جاتا ہے مگر ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ جب پروانہ شمع پر اپنی جان قربان کرتا ہے تو کسی سے مشورہ کرتا ہے؟ حاضرین نے جواب دیا، ہرگز نہیں۔ آپ نے فرمایا اسی طرح شمع رسالت کے پروانہ کو بھی کسی سازش سے مشورہ کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد غازی محمد صدیق، غازی عبدالقیوم خاں زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے گئے اور پھر جلوس منتشر کر دیا گیا۔

(نامہ نگار)



(اخبار) نیر اسلام، یکم دسمبر ۱۹۳۳ء

## قصہ عاشق رسول عرف غازی محمد صدیق

گورنمنٹ نے ضبط کر لیا

لاہور۔ یکم دسمبر پنجاب گورنمنٹ نے قصہ عاشق رسول عرف غازی محمد صدیق (پنجابی) کی تمام جلدیں بحق ملک معظم ضبط کر لی ہیں۔ اس پمفلٹ کو غلام محمد المعروف گاموں قصوری نے کوٹ مراد خان قصور ضلع لاہور سے شائع کیا تھا۔ یہ پمفلٹ کی ضبطی پریس ایمر جنسی کے ماتحت عمل لائی گئی ہے۔



انقلاب ۷ دسمبر ۱۹۳۳ء

## غازی محمد صدیق کا مقدمہ

۶ دسمبر کونٹریل جیل میں سماعت

لاہور، ۵ دسمبر۔ غازی محمد صدیق قصوری کے مقدمہ کی سماعت چھ دسمبر کونٹریل جیل میں ہوگی اور آپ کی طرف سے میاں عبدالعزیز پیرسٹر اور مولوی غلام محی الدین قصوری وکیل پیش ہوں گے۔



انقلاب ۸ دسمبر ۱۹۳۲ء

## غازی محمد صدیق کو سزائے موت کا حکم سنا دیا گیا

شمع نبوت کے شیدائی کا ہنگامہ خیز بیان

لاہور، ۶ دسمبر۔ آج لاہور سنٹرل جیل میں مسٹر سیل سیشن جج کے روبرو غازی محمد صدیق کے خلاف پالائل کو قتل کرنے کے الزام میں مقدمہ قتل عمد زبردفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند کی سماعت ہوئی۔ استغاثہ کی طرف سے خان صاحب قلندر علی خاں پبلک پراسیکیوٹر اور صفائی کی طرف سے میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹر اور شیخ خالد لطیف گابا بیرسٹر پیروکار تھے۔ اس کے علاوہ عدالت میں نمائندگان پریس اور غازی محمد صدیق کے لواحقین بھی موجود تھے جن میں غازی صاحب کی والدہ، چھوٹا بھائی محمد شفیع اور ماموں خوشی محمد قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ تیس چالیس دیگر اشخاص بھی عدالت میں آئے ہوئے تھے جن کو غازی موصوف کے مقدمہ کی سماعت سے خاص دل چسپی تھی چونکہ غازی صاحب کے مقدمہ پر عام لوگوں کے جمع ہو جانے کا خاص کراہت تھا اس لیے مقامی حکومت کے خاص احکام کے مطابق مقدمہ کی سماعت سنٹرل جیل میں ہوئی، جہاں مقدمہ سازش کی سماعت ہوا کرتی تھی۔ عدالت کے باہر ایڈیشنل پولیس کا کافی انتظام تھا۔ مولوی محمد داؤد صاحب وکیل قصور سے پیروی مقدمہ کے لیے آئے ہوئے تھے۔

### مقدمہ کے حالات

ٹھیک دس بجے مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی اور خان صاحب قلندر علی خان نے ایسروں اور متعلقین مقدمہ کی آگاہی کے لیے مقدمہ قتل کے واقعات اور حالات پڑھ کر سنائے جس میں آپ نے فرمایا کہ ۱۶ مارچ ۱۹۳۲ء کو جب کہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ مقتول نے نماز کا مضحکہ اڑایا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کیے جس پر ایک شخص پیر محمد کلیم نے جو مسجد کے پاس ہی دکان کرتا تھا۔ مقتول کی اس حرکت پر اظہار ناراضگی کیا اور مقتول کے خلاف عدالت میں استغاثہ دائر کیا اور مسٹر سیل مجسٹریٹ درجہ اول کی عدالت سے

مقتول کو چھ ماہ قید ڈیڑھ سو جرمانہ کی سزا دی گئی جس کی مقتول نے اپیل کی اور اسے تافصلہ اپیل ضمانت پر رہا کیا گیا۔

ملزم محمد صدیق جو فیروز پور کارہنے والا ہے قصور میں اپنے ماموں کے پاس آیا ہوا تھا اور وہیں سکونت اختیار کی ہوئی تھی۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۴ء کی شام کو ساڑھے آٹھ بجے بلھے شاہ کے مزار کے قریب ایک شخص سردار علی نے شور سنا جب وہ گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ ملزم ایک اہنی کھرپے کے ساتھ پالائل کو مار رہا ہے چنانچہ لوگ موقع پر پہنچ گئے اور عابد علی شاہ کی طرف سے تھانہ میں ابتدائی رپورٹ دی گئی اور ملزم کو حراست میں لے لیا گیا۔ خون آلود کھرپا کیمیکل ایگزامینر کے پاس بھیجا گیا جس نے اس کی تصدیق کی کہ اس پر انسانی خون لگا ہوا ہے۔ مقتول کے جسم پر جو ضربات پائی گئیں ان کی تعداد ۷۳ ہے جو کسی تیز دھار والے آلہ سے لگائی گئی تھیں۔ ملزم نے عدالت ماتحت میں اس امر کا اقبال کیا ہے کہ چوں کہ مقتول نے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کی تھی اس لیے وہ اس توہین کو برداشت نہ کر سکا اور اسے قتل کر دیا کیوں کہ جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بے ادبی کرتا ہے اُسے کبھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔

### پولیس کی شہادتیں

مقدمہ کی باقاعدہ کارروائی شروع ہونے پر صاحب داد خان کانسٹیبل کی شہادت ہوئی۔ میاں عبدالعزیز صاحب کی جرح کے جواب میں گروہ نے کہا کہ ملزم نے جائے وقوعہ سے بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔

علی اکبر کانسٹیبل نے بیان کیا کہ میں نے مقتول کے خون آلودہ پارچات کے پارسل محرر تھانہ کے پاس پہنچائے تھے۔ خوشی رام محرر تھانہ نے بیان کیا کہ ستمبر ۱۹۳۴ء میں محرر مال تھانہ قصور تھا۔ ۱۸ ستمبر کو اکبر علی شاہ کانسٹیبل تین پارسل میرے پاس لایا تھا جو میں نے کیمیکل ایگزامینر کے پاس بھیج دیے۔ ان کے پارسلوں کی مہریں بالکل صحیح حالت میں تھیں اس کے بعد محمد حسین نقشہ نویس کی شہادت ہوئی۔

میاں صاحب کی جرح کے جواب میں گواہ نے بیان کیا کہ جائے وقوعہ سے سردار علی کے مکان کا دروازہ نظر آتا ہے مسلمانوں کے مذہب کے مطابق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر اور کوئی قابل تعظیم شخصیت نہیں اور مسلمانوں کے نزدیک خدا کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔

وسلم) کا دوسرا درجہ ہے۔ یہ درست ہے کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بے ادبی کرنے پر مسلمانوں کو سخت جوش اور طیش آتا ہے۔ ریسرچ گواہ نے بیان کیا کہ پالائل مقتول میرا داد تھا اور ساہوکاری کا کام کرتا تھا اور اکثر بلھے شاہ کی خانقاہ پر سلام کی غرض سے جایا کرتا تھا۔ میں نے مقتول کی نعش کو ڈاکٹر کے رُوبرو شناخت کیا تھا۔

لالہ ویر بھان سب انسپکٹر نے بیان کیا کہ میں نے مقدمہ ہذا کی تفتیش کی تھی اور ملزم و مقتول کے خون آلود پارچات کو مع کھرپے کے قبضہ میں لیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد امین چند پلیڈر نے شہادت دی۔

### مجسٹریٹ قصور کی شہادت

سردار ہرنس سنگھ مجسٹریٹ قصور نے بیان کیا کہ میں نے ملزم محمد صدیق کا اقبالی بیان ۱۶/۱۷ ستمبر کی درمیانی شب کو ساڑھے بارہ بجے قلم بند کیا۔ ملزم کو میرے رُوبرو ہتھ کڑی میں لایا گیا تھا، بیان قلم بند کرنے سے پیشتر میں نے ملزم کو ان تمام باتوں سے آگاہ کر دیا تھا کہ میں مجسٹریٹ ہوں اور وہ بغیر کسی دباؤ یا ڈر کے درست درست بیان دے کیوں کہ یہی بیان اگلی عدالتوں میں بہ طور شہادت کے پیش ہوں گے۔ اس نے ان تمام باتوں کو سمجھتے ہوئے اپنی مرضی سے بیان دیا اور بیان سننے کے بعد اس نے اپنے بیان پر اپنا انگوٹھا لگایا اور دستخط کیے۔ ملزم نے میرے رُوبرو کسی قسم کی سختی وغیرہ کی شکایت نہیں کی، اس کے بعد گواہ نے محمد صدیق کا اقبالی بیان پڑھ کر سنایا جس میں غازی محمد صدیق نے بیان کیا تھا کہ وہ عرصہ چار پانچ ماہ سے مقتول کے قتل کا ارادہ کر چکا تھا، کیوں کہ اس نے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کی تھی۔ ہماری شریعت میں حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے ادبی معاف ہو سکتی ہے کیوں کہ اس کی جزا و سزا خدا کے اختیار میں ہے لیکن رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین معاف نہیں ہو سکتی، مجھے خواب میں اس امر کی بشارت ہوئی تھی کہ میں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں گستاخی کرنے والے سے بدلہ لوں چناں چہ میں نے مقتول پالاشاہ کو قتل کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد گواہ پر جرح کی گئی۔

### آنریری مجسٹریٹ کی شہادت

مسٹر ایم اے خاں آنریری مجسٹریٹ نے بیان کیا کہ میں نے جائے وقوعہ پر پہنچ کر موقع کا معائنہ کیا تھا، روضہ کی زمین اور فرش پر خون کے نشانات پائے گئے جو قطرات کی شکل میں مسجد

کے سامنے ختم ہو گئے، جہاں کی زمین کچھ کھدی ہوئی تھی۔ میں نے موقع کے مطابق رپورٹ مرتب کی، اس کے بعد گواہ نے اپنی رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ گواہ نے جرح کے جواب میں کہا کہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم سب سے اولیٰ ہے اور میں رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کرنے والے کو بہت۔۔۔۔ سمجھتا ہوں اور رسول کو گالیاں دینا بھی فعل فبیح ہے اور ایسے فعل کرنے والے شخص کو جب میں دیکھوں گا مجھے اس سے نفرت ہوگی۔

اس کے بعد پیر محمد دوکاندار کی شہادت ہوئی۔

### عباد علی کا نشیبیل کی شہادت

عباد علی کا نشیبیل نے بیان کیا کہ ۱۵ ستمبر کی شام کو خانقاہ کے قریب میں نے شور سنا اور موقع پر پہنچ کر دیکھا کہ مقتول ضربات۔۔۔۔ سے بے ہوش پڑا ہے اور اس کے پاس۔۔۔۔۔ کو میں پہلے بھی جانتا تھا، اس کے جسم سے خون جاری تھا اور اس کے سر میں بھی ضربات آئی ہوئی تھیں۔ ملزم کے ہاتھ میں ایک خون آلود کھریا تھا جسے میں نے قبضے میں لے لیا اور سردار علی کو تھانہ میں اطلاع کے لیے بھیجا تا کہ وہ مزید پولیس کو جائے وقوعہ پر لے آئے۔ کچھ دیر بعد رام سنگھ اور صاحب داد کا نشیبیل وہاں آ گئے۔ مضروب کو کا نشیبیل صاحب داد کی معیت میں ہسپتال بھیجا گیا اور ہم ملزم کو مع کھریا کے تھانہ لے گئے۔ ملزم نے بھاگنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کے بعد اجلاس لنچ کے لیے ملتوی ہوا۔

### لنچ کے بعد کی کارروائی

سردار علی عینی گواہ نے بیان کیا کہ میں بلھے شاہ کی خانقاہ کا مجاور ہوں اور جائے وقوعہ سے پچاس کرم کے فاصلے پر ہے۔ شام کے ۸ بجے میں گھر میں روٹی کھا رہا تھا کہ ایک گونگا اور بہرہ فقیر وہاں آیا جب میں باہر نکلا تو دیکھا کہ ملزم پالا شاہ مقتول۔۔۔۔ گواہ۔۔۔۔ محمد صدیق کو شناخت کیا۔۔۔۔ کو میرے روبرو چار ضربات لگائی گئیں جو اس کی گردن کی پشت پر لگیں۔ میں ڈرنی وجہ سے آگے نہ بڑھا کہ اتنے میں عباد علی کا نشیبیل وہاں آ گیا جس نے ملزم کے ہاتھ سے کھریا لے لیا جو خون آلود تھا اور اسے حراست میں لے لیا۔ مجھے بہ غرض اطلاع تھانہ بھیجا گیا جہاں سے میں سپاہیوں کو ساتھ لے کر جائے وقوعہ پر واپس پہنچا۔ اس وقت مقتول خاموش تھا جب میں پہلی مرتبہ جائے وقوعہ پر پہنچا تھا اس وقت پالائل رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان



دینا چاہیے۔



نیر اسلام ۱۴ دسمبر ۱۹۳۴ء

## عبدالقیوم و محمد صدیق

کسی کے دربار میں جاتے ہیں

رات ہے۔ اندھیرا ہے۔ مادی محسوسات نیست و نابود ہیں۔ ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہیں دیتا۔ درخت چپ ہیں۔ جانور چپ ہیں۔ ہوا چپ ہے۔ آسمان چپ ہے۔ زمین چپ ہے اور جس کو چپ کہتے ہیں وہ بھی دم بہ خود خاموش ہے۔ میں بھی ان خامشیوں کو محسوس کرنے والا ساکت و جامت ہوں۔ کیا بولوں؟؟؟ کس سے بولوں؟؟؟ اور کیوں بولوں؟؟؟ بن بولے صوتِ سرمد سن رہا ہوں۔

ایک صوتِ سرمدی ہے جس کا اتنا جوش ہے

ورنہ ہر ذرہ ازل سے تا ابد خاموش ہے

آنکھ نہ دیکھے۔ کان نہ سنیں۔ ادراک کی قوتیں دَرکِ حسیت سے انکار کر دیں۔ پھر بھی صوتِ سرمدی، آوازِ حق، صدائے قدوس و لم یزل و لایزال گونجتی ہے اور اس سے یہ غیبی بول سُکتے ہی رہیں گے کہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے لال صلی اللہ علیہ والہ وسلم! تیرا بول بالا ہو۔

.....عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نورِ نظر! تو مہجوروں کے دل کی ٹھنڈک ہو۔

.....ابوطالب کے لاڈلے! تیری بات اُونچی ہو۔

.....حلیمہ کی معصوم بکریوں کے چرواہے! ننھے کندھوں پر کالی کالی زلفیں لٹکانے والے!

تیری بکریاں سلامت رہیں۔

.....فاطمہ الزہرا کے باپ! سدا اللہ، ید اللہ، حجۃ اللہ علی کے بھائی! اور خسر، حسن و حسین

کے نانا!، عائشہ کے پتی!، ابوبکر کے یارِ غار!، عمر کا دل لینے والے!، عثمان کی حیا کے رکھوالے!،

خالد کی تلوار کو کفر شکن بنانے والے!، ابو ہریرہ کے خلیل!، ابو ذر کے دوست!، ابوسفیان کے



داماد!..... زندہ باد..... پائندہ باد!!

عبدالقیوم و محمد صدیق تیرے رُخِ روشن کے دیوانے اور پروانے تجھ پر نثار ہوں۔ تجھ پر فدا ہوں اور مدینہ کے سبز گنبد میں نبوت کی تجلیاں دکھانے والے ماہِ ہاشمی العرب رب کے جلوہ کو عرب کی صورت میں پیش کرنے والے۔ احد کے حکم کو احمد بن کر دنیا کو پہنچانے والے۔ امت کے نفسِ امارہ اور نفسِ لوامہ کو نفسِ مطمئنہ بنانے والے فسادِ خلی فی عبادی و ادخلی جنتی کی بشارت دینے والے۔ امت کی آنکھوں میں آ۔ دلوں میں آ۔ اور کبھی نہ جا۔ کہ تیرے قرب ہی کی ہر دل کو تمنا ہے اور تیری نگاہ ہی کی ہر چشمِ امید وار ہے

قربانِ نگاہ تو شوم باز نگاہے

تیرے قدموں میں جھکا ہوا

حسن نظامی



نیر اسلام ۸ جنوری ۱۹۳۵ء

## عدالت عالیہ لاہور میں غازی محمد صدیق کی اپیل

اپیل کی سماعت فروری میں ہوگی

لاہور، ۲ جنوری؛ غازی محمد صدیق (جنہیں پالے شاہ کے قتل کے الزام میں عدالت سشن سے موت کی سزا دی گئی تھی) اس کی طرف سے میاں عبدالعزیز بیرسٹرایٹ لاء نے عدالت عالیہ لاہور میں اپیل دائر کر دی ہے۔ اپیل کی سماعت غالباً فروری میں ہوگی۔



انقلاب ۲۵ جنوری ۱۹۳۵ء

غازی محمد صدیق کی اپیل  
عن قریب سماعت ہوگی

لاہور، ۲۳ جنوری۔ غازی محمد صدیق کی طرف سے جو اپیل لاہور ہائی کورٹ میں دائر کی گئی ہے وہ ہفتہ وار فہرست پر آگئی ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ پانچ چھ روز کے اندر اندر اس کی سماعت چیف جسٹس اور جسٹس عبدالرشید کے روبرو ہو جائے گی۔



انقلاب ۷ مارچ ۱۹۳۵ء

غازی محمد صدیق کی درخواستِ رحم مسترد کر دی گئی

چھ مارچ کو فیروز پور جیل میں پھانسی دی جائے گی

لاہور، ۵ مارچ۔ قصور سے بہ ذریعہ فون اطلاع موصول ہوئی ہے کہ وائسرائے ہند نے غازی محمد صدیق کی جنہیں پالاشاہ کے قتل کے الزام میں سزائے موت دی گئی تھی۔ درخواستِ رحم مسترد کر دی ہے اور کل صبح ۷ بجے مطابق ۶ مارچ آپ کو فیروز پور ڈسٹرکٹ جیل میں جام شہادت پلایا جائے گا۔ ساڑھے دس بجے صبح غازی صاحب کے لواحقین آپ کی نعش کو فیروز پور جیل سے حاصل کر کے قصور لائے جائیں گے جہاں ایک بجے بعد دوپہر نماز جنازہ ادا کی جائے گی اور آپ کی تدفین عمل میں لائی جائے گی۔ اُمید کی جاتی ہے کہ جنازے میں بے شمار لوگ شرکت کریں گے۔

(مسلم نیوز سروس)



الفقیہ ۱۴ مارچ ۱۹۳۵ء

## ہدیہ عقیدت

بمختصر نازش اسلامیاں شہید ناموس ملت اسلام غازی محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اے فدائے حرمت ناموس ختم المرسلین  
 اے شہید جذبہ حب شفیق المذنبین  
 جان کو اپنی فدا کر کے رسول پاک پر  
 کر دیا روشن چراغ حب فخر عالمین  
 اس طرف بوسہ دیا تیرے گلو نے وار کو  
 اس طرف بولے ملائک آفریں صد آفرین  
 کر گئی ہے قوم کو زندہ یہ قربانی تیری  
 مفتخر تجھ پر رہیں گے تا ابد اہل یقین  
 تیرے اس عزم مقدس کا یہ ادنیٰ ہے کمال  
 مثل پروانہ کھنچے آئے ہیں صد ہا مسلمین  
 جھولیاں بھر بھر کے گل ہائے عقیدت کی بہم  
 نعش پر تیری نچھاور کر رہے ہیں اہل دین  
 زندہ باد اے غازی دین محمد زندہ باد  
 تا ابد نازل ہو تجھ پر رحمت رب العباد



الفقیہ ۱۴ مارچ ۱۹۳۵ء

## پروانہ رسالت غازی محمد صدیق کو جام شہادت پلا دیا گیا

انا للہ وانا الیہ راجعون!!! چھ مارچ ۱۹۳۵ء صبح سات بجے فیروز پور ڈسٹرکٹ جیل میں غازی محمد صدیق کو جام شہادت پلا دیا گیا۔ قصور اور فیروز پور کے مسلمان کافی تعداد میں غازی کی نعش حاصل کرنے کے لیے جیل کے دروازے تک پہنچ چکے تھے جہاں پولیس کا کافی انتظام تھا۔ --- بجے کے قریب جیل والوں نے شہید کی نعش ان کے وارثوں کے سپرد کی۔ مسلمانانِ فیروز پور نے یہ خواہش ظاہر کی کہ شہید کا جنازہ فیروز پور میں پڑھا جائے لیکن قلت وقت کی وجہ سے مسلمانانِ قصور نے معذرت کی اور پھولوں سے سजी ہوئی ایک لاری میں ان کی مبارک نعش کو قصور لے آئے اور جنازہ عید گاہ کے قریب اسلامیہ سکول کے ہال کمرے میں رکھا گیا۔ جہاں ایک بجے سے تین گھنٹے تک پردہ نشین مستورات شہید کا چہرہ مبارک دیکھنے کے لیے آتی رہیں۔

شہید محمد صدیق کی نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے قصور، فیروز پور، کھیم کرن، پٹی، امرت سر، لاہور اور قصور کے نواحی دیہات سے بہت سے مسلمان وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ ٹھیک ایک بجے شہید کا جنازہ اٹھایا گیا اور ایک جلوس کی صورت میں نصف میل کا فاصلہ تین گھنٹے میں طے کر کے نماز جنازہ پریڈ گراؤنڈ میں ادا کی گئی جس میں پچاس ہزار سے زائد مجمع نے شرکت کی۔ مستورات کی بھی ایک بیشتر تعداد نے نماز میں حصہ لیا۔ اس کے بعد آپ کا جنازہ۔ جس کو کندھا دینے کے لیے لمبے لمبے بانس باندھے ہوئے تھے، قبرستان پہنچایا گیا اور چھ بجے سپرد خاک کیا گیا۔

پانچ مارچ کی شام سے ہی قصور کے عوام الناس نے قریباً قریباً اپنا کاروبار بند کر دیا تھا اور چھ مارچ کو وہاں مکمل ہڑتال تھی۔ دکانوں کے علاوہ سکول اور کارخانے بھی بند تھے چونکہ جملہ مجسٹریٹ صاحبان شہر کے انتظام میں مصروف تھے۔ اس لیے عدالتیں بھی سونی پڑی تھیں۔ پولیس بہت بڑی تعداد میں مصروف انتظام تھی اور شہر کے ہر اہم مقام پر پہرہ متعین تھا۔ فوجی

رسالے کے سوار بھی مختلف ناکوں پر موجود تھے۔ پولیس افسر اور فوجی افسر کنٹرول کر رہے تھے لیکن سوائے انتظام کے جنازے کے انتظام یا جلوس میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی گئی۔ مسلمانوں کا اجتماع نہایت پُرامن تھا، ان کی طرف سے کسی قسم کی ایسی حرکت نہیں کی گئی جس سے کسی قسم کے نقص امن کا اندیشہ ہو لیکن معلوم ہوا ہے کہ چند شرارت پسند ہندوؤں کی طرف اس قسم کی شرارت کی گئی تھی جس سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا کر کے امن عامہ میں خلل پیدا کیا جائے۔

اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس امر کی تکمیل کے لیے گوروکل کانگری سے کچھ ہندو لڑکے بلائے گئے جن میں سے ایک لڑکا کلہاری سے مسلح حضرت بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر کئی دنوں سے پکٹنگ کرتا رہا کہ وہاں کوئی ہندو زیارت یا کسی دوسری غرض سے نہ جانے پائے۔ چنانچہ آج جب ہزاروں مسلمان جنازہ کے ساتھ تھے اس مبینہ ہندو لڑکے نے شہر کے ایک حصہ میں ایک آٹھ دس سالہ مسلمان لڑکے پر حملہ کیا لیکن وار خالی گیا اور لڑکا بھاگ نکلا۔ فوجی سوار نے اس واقعہ کو دیکھا اور حملہ آور کو روک لیا۔ لڑکے کے شور و غل پر پولیس بھی وہاں پہنچ گئی اور ہندو نوجوان کو گرفتار کر لیا گیا جس کے پاس سے بوقت تلاشی ایک کلہاڑی، ایک چھرا اور ایک لمبا چاقو برآمد ہوا۔ (انقلاب مورخہ ۸ مارچ ۱۹۳۵ء)



نیر اسلام ۱۶ مارچ ۱۹۳۵ء

## غازی محمد صدیق کو جام شہادت پلا دیا گیا

نماز جنازہ چار بجے پڑھی گئی اور پانچ بجے تدفین عمل میں آئی  
قریباً ایک لاکھ مسلمان آپ کی زیارت سے سعادت اندوز ہوئے  
بہ جرم عشق تو ام کشتہ اندو غوغا نیست

قصور۔ ۶ مارچ: آج ساڑھے دس بجے قبل دوپہر غازی محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ عیدگاہ میں پہنچا۔ امرت سر اور تمام گردونواح کے شہروں اور قصبوں سے ہزار ہا زن و مرد شمع

رسالت کے اس پروانہ بے تاب کی زیارت کے لیے جمع تھے۔ مشتاقِ زیارت عورتوں ہی کی تعداد ۲۰،۲۵ ہزار سے کم نہ تھی۔ ساڑھے بارہ بجے عید گاہ سے جنازہ اٹھا کر پریڈ کے میدان کی طرف روانہ ہوئے، جہاں نماز جنازہ پڑھنے کا انتظام تھا۔ ہجوم اس قدر تھا کہ ایک قدم بھی چلنا مشکل تھا۔ اس لیے عید گاہ اور پریڈ کا درمیانی فاصلہ جو تین فرلانگ کے قریب ہوگا، چار گھنٹہ میں طے ہوا اور جنازہ چار بجے پریڈ میں پڑھایا گیا۔ مولانا سید عبدالحق صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔

بزمِ چشتیہ کے رضا کار، ڈاکٹر عبدالغنی لاہوری، حاجی میاں محمد صادق (باغبان پوری) و انجمن امامیہ کے رضا کار انتظام کر رہے تھے۔ پولیس کے سپاہیوں کے علاوہ انگریزی فوج کا ایک دستہ بھی موجود تھا۔ تصویر اتارنے والوں میں سے یورپین لیڈیاں (لیڈیز) بھی تھے۔ میونسپل کمیٹی قصور کی طرف سے جنازہ گاہ پر پانی پلانے کا انتظام خاص طور پر کیا گیا تھا۔ بہشتی مشکیں اٹھائے راستوں پر کھڑے تھے اور ہر پیاسے کو سیراب کر رہے تھے۔ ساڑھے پانچ بجے غازی صاحب کو پرانے قبرستان میں جو تحصیل کے پاس ہے۔ دفن کر دیا گیا۔ چارپائی پر غازی صاحب کا چہرہ کھلا ہی رکھا گیا تھا تا کہ مشتاقانِ زیارت کو زیارت سے بہرہ اندوز ہونے میں دقت نہ ہو۔ مجموعی طور پر ایک لاکھ سے زیادہ افراد جمع تھے۔ باوجود اس کے کوئی گڑبڑ کسی موقع پر نہیں ہوئی جس سے مسلمانوں کی اس تنظیمی اہلیت پر ہر شخص انگشت بہ دندان تھا۔ پولیس کا انتظام قابلِ تعریف تھا۔



(ماہنامہ) انوار الصوفیہ ماہ مئی ۱۹۳۵ء

## حالات زندگی غازی محمد صدیق شہید قصوری

عالی جناب حضرت مولانا شیر نواب خان صاحب حنفی نقش بندی قصوری مبلغ اسلام نے مولانا غازی محمد صدیق صاحب شہید کے مختصر حالات زندگی بہ تقریب عرس چہلم مورخہ ۱۶/۱۱/۱۹۳۵ء کو موثر لہجے میں بیان فرمائے جو بحسنہ درج ذیل کیے جاتے ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ . وَ لَا تَقُولُوا لِمَنْ یَقْتُلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ  
اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَ لٰكِن لَّا تَشْعُرُوْنَ . (البقرہ: ۱۵۴)

غازی محمد صدیق صاحب خواجہ برادری ذات بر کے غیر معروف ممبر تھے۔ آبائی سکونت قصور اور کاروبار فیروز پور تھا۔ آپ کے والد بزرگ وار کا اسم گرامی شیخ کرم الہی اور پیشہ سوداگر چرم تھا۔ غازی صاحب ممدوح عید الاضحیٰ کی دسویں تاریخ دن کے گیارہ بجے ٹھیک قربانی کے وقت پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم انگریزی مڈل تک تھی۔ مڈل پاس کرنے کے بعد وظیفہ آگیا لیکن والد صاحب مرحوم کے انتقال کی وجہ سے دنیوی تعلیم ترک کرنا پڑی۔ غازی صاحب کے ہم جماعت ہندو، سکھ، مسلم طلبا سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کا بچپن سے اعلیٰ چال چلن تھا۔ صوم و صلوة میں پورے پورے پابند تھے۔ تاریخ وصال ۲۹ ذیقعد ۱۳۵۳ھ مطابق ۶ مارچ ۱۹۳۵ء تک آپ کی عمر ۲۱ سال ہوئی۔ یوم وصال چہار شنبہ ٹھیک سات بجے صبح ڈسٹرکٹ جیل فیروز پور میں آپ نے تختہ دار پر جام شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابتدائی عمر میں آپ فیروز پور کی نماز کمیٹی کے سرگرم ممبر رہ کر تبلیغی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ سات پارے قرآن مجید گرفتاری سے پہلے حفظ کیے اور دس پارے سات ماہ میں جیل کی اندھیری کوٹھڑی میں رہ کر یاد کیے۔ آپ حنفی المذہب اور صوفی المشرک نوجوان تھے اور مولانا شیخ محمد صاحب فیروز پوری کے صادق مرید تھے۔

## باعث شہادت

مستمی پالال ساہوکار مدوٹیہ نے نیا بازار قصور میں علانیہ طور پر نماز کی نقلیں اتاریں اور اس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر ناواجب حملہ کر کے توہین آمیز کلمات منہ سے نکالے۔ مستمی پیر محمد عطار جو جالندھر کا رہنے والا کچھ عرصہ سے قصور میں مقیم تھا اور جس کی نماز پر پالال نے جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ اس نے عدالت فوجداری قصور میں پالال کے خلاف زیر دفعہ ۲۹۸ تعزیرات ہند استغاثہ دائر کیا۔ مقامی حکام میں سے خان بہادر سردار محمد شہباز خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ جاگیردار و صدر بلدیہ قصور کے یہ مقدمہ تفویض ہوا۔ ملزم نے درخواست انتقال مقدمہ دے دی۔ پھر اس عدالت سے یہ مقدمہ منتقل ہو کر خان بہادر شیخ محمد شاہ نواز خان صاحب سب ڈویژنل افسر قصور (جو آج کل ریاست بہاول پور میں مشیر مال کے عہدے پر ممتاز ہیں اور پسرور ضلع سیال کوٹ کے رہنے والے سکے زئی خاندان کے ممبر ہیں) نے مقدمہ اپنے پاس رکھ لیا۔ عدالت نے فریقین میں مصالحت کی بے حد کوشش کی لیکن کوئی بات طے نہ ہو سکی۔ آخر ملزم کی بار بار درخواستوں پر یہ مقدمہ مسٹر ڈزنی صاحب مجسٹریٹ درجہ اول لاہور کی عدالت میں منتقل ہو گیا۔ کافی عرصہ تک لاہور میں مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی، اتنے میں مسٹر ڈزنی صاحب بدل گئے اور ان کی جگہ مسٹر ٹیل صاحب مجسٹریٹ جو مذہباً عیسائی ہیں۔ تعینات ہو گئے۔ عدالت نے پالال کو مجرم قرار دے کر چھ ماہ قید بامشقت اور ڈیڑھ سو روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔ ملزم نے سشن کورٹ لاہور میں اپیل دائر کی جو مسٹر بھنڈاری صاحب سشن جج کے سپرد ہوئی، جنہوں نے ملزم کو بر ضمانت رہا کر دیا اور طویل تاریخ دے کر بحث سن لی اور بغیر حکم سنائے پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ اتنے میں غازی محمد صدیق صاحب شہید کو فیروز پور میں خواب میں ایک نہایت خوب صورت ریش کھدر پوش بزرگ نظر آئے، ان کے پیچھے ساتھ ساتھ پالال مذکور کو ہاتھ باندھے ہوئے دکھائی دیا۔ بزرگ نے غازی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ شخص شاتم رسول ہے اس کی سزا قتل ہے جو تمہارے سپرد کی گئی ہے۔ اس خواب کو غازی صاحب نے خواب خیال کر کے کچھ پرواہ نہ کی۔ چند دن بعد وہی بزرگ پھر نظر آئے اور فرمایا کہ محمد صدیق تم پورے پورے صدیق بنو اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقش قدم پر چل کر عاشق رسول اللہ صلی



اللہ علیہ وسلم ہونے کا پورا پورا ثبوت دو۔ یہ خواب بھی فیروز پور میں ہی آئی۔ اس کے بعد غازی صاحب کو یقین واثق ہو گیا کہ مجھ کو اس خدمت پر مامور کر دیا گیا ہے چنانچہ دکان کا مال فروخت کر دیا اور اپنی والدہ ماجدہ جو دو نابلغات ہمشیرگان و محمد شفیع بہ عمر بارہ تیرہ سالہ کو لے کر قصور کوٹ رکن الدین خاں میں پرورش کر رہی تھی۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اپنے حقیقی ماموں میاں خوشی محمد سے زین سازی کا کام سیکھیں گے۔ والدہ نے اتفاق کیا اور حسب خواہش اپنے آبائی مسکن میں رہائش پذیر ہوئے۔ اپنے طور پر پالامل مذکور کو دیکھنے کی جستجو میں لگے رہے۔ چنانچہ حالات سن کر غازی صاحب کو پورا یقین ہو گیا کہ فیروز پور میں دو دفعہ خواب کا اشارہ صحیح و درست ہے۔ والدہ صاحبہ سے اس طریقہ سے اجازت طلب کرتے رہے کہ وہ دینی خدمت کے لیے جان و مال کی قربانی کی منظوری دیں۔ والدہ صاحبہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری جان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر نچھاور ہو جائے تو تم جیسا اور مجھ جیسا خوش نصیب کون ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرماتی ہیں کہ تمہارے خور و سالہ بہن بھائی اور میں خود بے کس بیوہ ہوں، اس سلسلہ کو کسی عروج پر پہنچا کر کوئی خدمت سرانجام دے دو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ والدہ صاحبہ کو ہر چند یہ یقین دلاتے رہے کہ کنبہ کی فکر مالک کردگار رازق مطلق کو ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جس سعادت کی مجھے تمنا ہے اس سے محروم رہ جاؤں۔ آخر والدہ نے اتفاق کر لیا اور فرمایا کہ بیٹا کل قیامت کو مجھے جواب دہ نہ ہونا پڑے اس لیے میں اپنے تمام معاملات خدا تعالیٰ کے سپرد کرتی ہوں اور تمہیں خدا کے حوالہ کرتی ہوں۔ غازی صاحب تہجد گزار بزرگ تھے اور اوردو وظائف درود شریف، نعت خوانی آپ کا دستور العمل تھا، نماز باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔ خوب صورت خوش لباس اور خوش الحان نوجوان تھے۔ تیسری دفعہ آپ کو آخری خواب میں قصور کے اندر یہ منظر دکھائی دیا کہ آپ فیروز پور شہر سے چھاؤنی کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں جب ریلوے پل پر پہنچے تو وہی ضعیف العمر بزرگ نظر آئے اور فرمایا کہ تمہاری قربانی منظور ہو گئی۔ آؤ تمہیں دربار نبوی میں لے چلوں، یہ سنتے ہی غازی صاحب بھولے نہ سمائے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ درختوں میں ایک ایسی مشعل منور ہے جو آج تک کسی آنکھ نے نہ دیکھی تھی۔ یہ تنویر دیکھتے ہی غازی صاحب سر کے بل کو دپڑے اور یہ چاہا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم میں نیت لزوم پر گر پڑے لیکن حضور علیہ السلام نے ترحم خسروانہ فرما کر خاص عنایات

کا مصداق بنایا۔ اس خواب کی بیداری غازی صاحب کی سرفروشی کی صحیح تعبیر تھی چنانچہ اس سے اگلے دن نماز مغرب کے قریب پالائل مقتول کو حضرت بلھے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر دیکھا اور فرمایا کہ ظالم سردار دو جہان کی توہین کرتا ہے اور حضور کے غلاموں کے مزارات پر آکر بے ادبی کا باعث ہوتا ہے۔ آپ کے جواب میں پالائل مذکور نے بے ادبی کے الفاظ دوہرائے جیسا کہ سشن کورٹ میں ایک مجاور کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ الغرض پالائل کو رنجی بہنی سے غازی صاحب نے مضروب کیا اور وہ آحاطہ دربار میں ہلاک ہو گیا۔ اگر غازی صاحب فرار ہونا چاہتے تو ان کے لیے یہ ایسا نادر موقع تھا کہ کسی تفتیش کنندہ کی توجہ بھی اس طرف مبذول نہ ہو سکتی تھی اور تا قیام قیامت سراغِ رسائی نہ ہوتی مگر واہ رے شجاعت تیرے کیا ہی کہنے۔ اسی وقت نماز مغرب ادا کی اور عباد علی کانشیبل کے آنے پر فوراً کہا کہ میں قاتل ہوں، میں نے شاتم رسول کو قتل کیا ہے۔ اگر اس کے اٹھانے کے لیے کوئی اور آدمی نہیں تو لاؤ میں چوتھا شخص حاضر ہوں۔ اسے اٹھا کر تھانہ میں لے چلو۔ بہر حال غازی صاحب تھانہ میں بمعہ مقتول لائے گئے۔ آپ نے جرم کا فوراً اقبال کیا۔ ہنود نے ہر چند واویلا کیا کہ کوئی سازش ہے اس کی سراغِ رسائی کی جائے۔ بیدار مغز حکام نے پوری پوری تفتیش کی لیکن کوئی دوسرا شخص سازش کا شریک نہ پایا گیا۔ پروانہ شمع رسالت کا چالان زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند مرتب ہو کر بہ عدالت خان صاحب چوہدری غلام مصطفیٰ صاحب سب ڈویژنل افسر قصور سپرد ہوا۔ شہادت استغاثہ قلم بند ہوتی رہی اور غازی صاحب نے اپنی سابقہ جرات و جسارت کو کام میں لا کر مزید اقبال کیا۔ قصور کی تاریخ میں یہ تاریخیں اپنی زندگی کا ثبوت دیں گی کہ سماعت مقدمہ کے لیے ہزار ہا مخلوق بے قرار ہوتی تھی۔ مسٹر دیس ایڈیشنل سپرنٹنڈنٹ پولیس جیل سے آہستہ آہستہ بہ سواری موٹر لاتے اور اسی شان سے واپس لے جاتے۔ پھولوں کی بارش ہوتی اور فلک شگاف نعرہ ہائے تکبیر گونج پھیلا کر رہتے۔

غازی صاحب مدوح کا مقدمہ سشن سپرد ہو گیا اور سماعت سنٹرل جیل لاہور میں ہوئی۔ سرکار کی طرف سے خان صاحب قلندر علی خاں اور غازی صاحب کی طرف سے میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹریٹ لاء سابق صدر بلدیہ لاہور، مسٹر خالد لطیف گابا بیرسٹریٹ لاء ممبر لیجسلیٹو اسمبلی پیش ہوئے۔ وکلاء صفائی کے ہمراہ مولوی محمد داؤد صاحب وکیل قصور جو ابتدائی عدالت

سے پیروکار تھے۔ بہ طور معاون شامل رہے۔ مقدمے کی پیروی شیخ غلام محی الدین صاحب میونسپل کمشنر قصور، شیخ حاجی عبدالقادر صاحب میونسپل کمشنر قصور، مولانا شیر نواب خان صاحب مبلغ اسلام شروع سے آخر تک کرتے رہے۔ عدالت سیشن میں شجاع جواں مرد نے ارشاد فرمایا کہ:

”اگر کسی شخص کی ذات پر حملہ ہو تو وقفہ ہو جانے سے غم و غصہ کم ہو جاتا ہے لیکن حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جو زندہ نبی ہیں۔ ان کی ذات والا صفات پر کوئی شخص حملہ کرے تو حضور کے غلام اس صدمے کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر یہ شخص جس نے توہین کی ہے بیس سال کے بعد بھی مجھے ملتا تو میں اسے ضرور قتل کر دیتا۔“

عدالت کے سوال پر غازی صاحب نے جواب دیا کہ میں کوئی صفائی نہیں پیش کرنی چاہتا۔ چنانچہ سشن کورٹ میں غازی صاحب کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ غازی صاحب نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور اپنی والدہ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کیا۔ والدہ ماجدہ نے سینے سے لگایا اور پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

”بیٹا!!! ایک بیٹا نہیں بیسیوں تم جیسے بچے میرے پاس موجود ہوں تو سردار دو

جہاں علیہ السلام کے قدموں پر قربان کر دوں۔“

بالآخر یہ مقدمہ ہائی کورٹ میں گیا۔ چیف جسٹس صاحب نے غازی صاحب کی صداقت کی تعریف کرتے ہوئے اپیل نامنظور کی۔ رحم کی درخواست و رٹا نے پیش کی جو نامنظور ہوئی۔ یہاں اس امر کا اظہار کرنا ضروری ہے کہ مقدمے کی پیروی اور درخواست ہائے اپیل وغیرہ غازی صاحب مدوح کی خواہش کے خلاف پیش کی جاتی رہی۔ وہ تاخیر مقدمہ کے حامی نہ تھے لیکن والدہ صاحب کے حکم سے انکار بھی نہ کر سکتے تھے۔ آخر وہی ہوا جو منظورِ خدا تھا۔

### جیل کی ملاقاتوں کے مختصر حالات

غازی محمد صدیق صاحب شہید پابند شریعت اور مسائل سے نہ صرف واقف کار بل کہ پورے پورے عامل تھے۔ غازی صاحب نے والدہ صاحبہ کی خدمت میں عرض کی کہ کاروبار ختم کرنے کی عجلت میں نقصان ہو گیا اور سودا گران چرم کا تقریباً ڈیڑھ ہزار غازی صاحب کے ذمہ واجب الادا ہے، اس لیے والدہ صاحبہ سے استدعا کی کہ وہ اعلیٰ حضرت مولانا حاجی حافظ پیر سید

جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری کی خدمت میں حاضر ہوں اور بعد سلام پیغام عرض کریں کہ حضور والا قرضہ کی ادائیگی کا انتظام فرمادیں۔ آپ کی والدہ صاحبہ حضور ممدوح کے سلسلہ میں داخل ہیں۔ مولانا شیر نواب خاں کو ہمراہ لے کر بہ وقت روانگی حج مبارک حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سلام و پیغام عرض کیا۔ حضور قبلہ عالم ممدوح الصدر نے قرض خواہان کے نام اور سکونت دریافت کیے جو زیادہ تر جالندھر و فیروز پور کے تھے اور اکثر سوداگرانِ چرم آپ کے عقیدت مند تھے۔ مولانا شیر نواب خاں صاحب کو حضور پر نور نے حکم دیا کہ وہ شاہ صاحب کی طرف سے خط لکھیں کہ:

”اے قرض خواہان حضرات! آپ اگر عاشق رسول کے قرضہ کو معاف فرمائیں تو یہ فقیر جو دربار نبوی میں روضہ اقدس پر حاضر ہو رہا ہے۔ تمہارے لیے دعا کرے گا اور یہ عرض کرے گا کہ اے آقا! تیرے عاشق زار غازی محمد صدیق قصوری نے اپنے عشق و محبت کا پورا پورا ثبوت دیا ہے اور ان قرض خواہوں نے محض حضور کے قدموں پر نچھاور ہونے کے اعزاز میں رقم یافتی بخش دی ہے لہذا تمام رقوم واجب الادا بخش دیں اور اپنی تحریر بہ وساطت مولانا صاحب غازی صاحب ممدوح کی خدمت میں بھیج دیں۔“

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حضور شاہ صاحب قبلہ عالم نے بوقت عزم سفر حجاز ارشاد فرمایا تھا کہ سب قرض خواہ اپنے قرضے معاف کر دیں گے اور اگر کوئی رقم باقی رہ گئی تو فقیر مراجعت وطن پر ادا کر دے گا۔

ایک دفعہ والدہ صاحبہ نے بہ وقت ملاقات خوراک کی نسبت دریافت فرمایا، غازی صاحب نے مسکرا کر جواباً عرض کیا کہ دال ساگ۔ والدہ صاحبہ مضطرب ہوئیں آپ نے اطمینان دلایا کہ جولڈت شیرینی اور قوت جیل کی روٹی کے ذریعے میرے ہر حصہ کو پہنچتی ہے وہ مرغن غذاؤں کے ذریعے کبھی نہ پہنچتی تھی۔

جیل کی ملاقاتوں کا دستور العمل

والدہ صاحبہ یا کوئی عزیز غازی صاحب کی ملاقات کے لیے جیل میں حاضر ہوتے تو سلام مسنون عرض کرنے کے بعد ہر ملاقاتی سے جو پہلی بات ہوتی وہ تلاوت قرآن مجید تھی۔ بعد

فراغت ضروری امور کا جواب ارشاد فرماتے اور ہر دفعہ جام شہادت نوش کرنے کی تڑپ کا اظہار کرتے۔ ایک دفعہ والدہ صاحبہ کو کسی قدر بے قرار دیکھ کر تسلی دی کہ اے والدہ بزرگ وار! آپ کو خیال آتا ہوگا کہ اگر میں شادی شدہ ہو کر اپنی اولاد چھوڑ جاتا تو میرے والد صاحب کا نام روشن رہتا لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ آج میں نعمت عظمیٰ کی تمنا ہے وہ ہرگز نصیب نہ ہو سکتی۔ محترمہ والدہ میری موت پر ہزار زندگیاں قربان ہوں، شاید اس ضرورت کو میرا چھوٹا بھائی زندہ رہا تو پورا کر دے گا۔ آپ سب مطمئن رہیں میں اپنے آباؤ اجداد اور پس ماندگان کے لیے ہمیشہ دعائیں کرتا ہوں۔

ایک ملاقات میں فرمایا کہ میری جان سے پیارے رسول کی غلام اماں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فرزند دلہند حضرت شیر خدا کے جگر گوشہ صابروں کے سردار امام حسین علیہ السلام چاہتے تو آفواج اشقیاء کو نگاہ غضب سے تباہ و برباد کر دیتے، چوں کہ خاندان نبوت نے صبر و استقلال کا ثبوت دینا تھا اس لیے بددعا نہ کی۔ اگر آپ اور میری ہمشیرگان و برادر خورد اپنے پیشواؤں کے نقش قدم پر چل کر صبر و استقلال رکھیں گے تو اُمید رکھیں کہ ہمارے پیشوا قیامت کو اپنے سایہ عاطفت میں جگہ دیں۔ خدائے تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں یہ امر تھا کہ شاتم رسول پر برق گرا کر یا اور کسی عذاب کے ذریعے اسے برباد کر دیتا ہے لیکن مجھے جیسے عاصی کو یہ سعادت کہاں نصیب ہو گئی تھی۔

ہمارے کہاں نصیب کہ ایسے نصیب ہوں

بعض دفعہ مودبانہ پیرائے میں پسند و نصح فرماتے کہ میری چند روزہ جدائی میں جب کبھی آپ کی طبیعت زیادہ بے قرار ہو تو تلاوت قرآن مجید اور کثرت نوافل اپنا دستور العمل بنا لینا بے قراری دفع ہو جائے گی۔

ایک دفعہ والدہ صاحبہ نرم بستر لے کر بہ غرض ملاقات جیل میں گئیں، غازی صاحب نے بستر واپس کر دیا اور عرض کی کہ جو آسائش مجھے جیل کے کبل میں بہم پہنچ رہی ہے کسی نرم بستر میں کب نصیب ہو سکتی۔ جیل کی ملاقاتوں میں میاں خوشی محمد حقیقی ماموں، والدہ ماجدہ، ہمشیرگان، احباب حاجی عبدالقادر، مولانا شیر نواب صاحب اور شیخ محمد حیات خلف الرشید مولانا محمد جمال الدین صاحب مرحوم حاضر ہوا کرتے تھے، ہر ملاقاتی نتائج کے ملاقات اور ملفوظات معروض تحریر

میں لانا چاہیں تو ایک ضخیم کتاب مرقوم ہو سکتی ہے۔

### فیروز پور جیل میں آخری ملاقاتیں

یوم شہادت سے دو دن پیشتر مولانا شیر نواب خان معیت مولانا شیخ محمد فیروز پوری مولانا شبلی نعمانی مدرس دینیات اسلامیہ ہائی سکول فیروز پور روڈ، حافظ غلام محمد فیروز پوری، شیخ حاجی محمد میونسپل کمشنر فیروز پور صاحبان سلام مسنون کے بعد حفظ شدہ رکوع قرآن مجید تلاوت فرمایا اور جیل کی اندھیری کوٹھڑی میں لباس جیل میں ملبوس پاؤں میں ایڑیاں مودب بہ صورت تشہد رُوبہ قبلہ عجب انداز سے جلوہ افروز تھے۔ مخاطب ہو کر اپنے پیرومرشد سے معافی مانگی اور انھوں نے مرید صادق سے اسی طرح ایک ایک حاضر شدہ دوست سے مراسم معافی طے ہوئے۔ مولانا شیر نواب خاں کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں ہر مسلمان اور ہر معاون و مددگار کا بے حد مشکور ہوں جنھوں نے میری ہر طرح سے اعانت فرمائی ہے اور خاص کر آپ پر بہت خوش ہوں کہ آپ نے مجھے حقوق العباد یعنی قرضہ سے نجات دلانے میں جدوجہد کی ہے۔ حضور قبلہ عالم علی پوری جب مدینہ طیبہ سے واپس تشریف لائیں تو میرا دست بستہ سلام عرض کر دینا اور میری طرف سے آپ کا شکر یہ ادا کرنا۔ نیز ان حضرات کو میری طرف سے پیغام عرض کر دینا جنھوں نے مجھے قرضہ سے رہائی بخشی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں بہ صدق دل دعائیں کرتا ہوں۔ اس رقت آمیز گفتگو سے متاثر ہو کر مولانا اشک ریز ہوئے تو غازی صاحب نے مولانا صاحب کو فرمایا کہ بات اچھی نہیں۔ خدا کی امانت خوش اُسلوبی سے اس کے حوالے کرنی چاہیے اور یہ سب برکات آپ حضرات کے فیوض کا نتیجہ ہیں۔

بعد ازاں آپ نے مولانا شیر نواب خاں صاحب سے دریافت فرمایا کہ یوم شہادت کے لیے کیا انتظامات درپیش ہیں۔ مولانا صاحب نے تفصیلاً عرض کیا کہ آپ کو غسل دینے کی میری خواہش ہے۔ جو ابا ارشاد فرمایا کہ غسل کی ضرورت تو نہ تھی لیکن آپ کو اجازت ہے۔ اس کے بعد کا پروگرام عرض کیا گیا کہ فیروز پور سے بہ سواری موٹر قصور مسجد عید گاہ میں لے جائیں گے وہاں مستورات زیارت کریں گی۔ پھر تکمیل جنازہ کی سنت ادا کرتے ہوئے پریڈ میں نماز جنازہ ادا ہو گی۔ اس کے بعد بڑے قبرستان نزد دربار حضرت میراں شاہ و دولت خاں گنجی مزار مبارک کے امانت سپرد ہوگی۔ اس واقعہ کو مسرت و انبساط کے ساتھ سنتے رہے اور فرمایا کہ مولانا صاحب یہ

منازل تو تبھی طے ہو سکیں گی جب آپ کو میرا جسم مل جائے گا۔ جو اب عرض کیا گیا کہ اجازت ہو چکی ہے۔ اس کے بعد غازی صاحب نے غازی عبدالقیوم خاں کی نسبت دریافت فرمایا۔ عرض کیا گیا کہ ان کے لیے ۴ مارچ یوم شہادت مقرر ہے۔ اس پر غازی صاحب نے سرد آہ کھینچی اور فرمایا غازی عبدالقیوم خاں صاحب بڑے ہی خوش نصیب ہیں کہ وہ کارِ خیر تو دو دن بعد سرانجام دیتے ہیں اور حاضری دربار دو دن پہلے۔ معلوم ہوتا ہے کہ غازی صاحب کی آہ رنگ لے آئی اور غازی عبدالقیوم خان صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ بمعہ کئی شہداء کراچی دو ہفتے بعد دربارِ نبوی میں حاضر ہو گئے۔ اس گفتگو کے بعد وقت ملاقات ختم ہو گیا اور حسرت و آرمان لے کر ملاقاتی واپس آ گئے۔ رخصت ہوتے ہوئے غازی صاحب نے علماء کرام کو فرمایا کہ آپ حضرات کے مواعظ حسنه مجھے پسند تھے اب تو قیامت کے دن نصیب ہوں گے۔ والدہ ماجدہ اور خویش اقارب کی آخری ملاقات میں حافظ نور محمد صاحب پیش امام کوٹ رکن دین خان بھی شامل تھے۔ آپ نے تاکید فرمائی کہ صبح سات بجے سے آٹھ بجے تک سورہ یسین مبارک تلاوت فرماتے رہیں۔ والدہ صاحبہ اور دیگر اعزا کو تسکین دی اور نہایت خوش و خرم رہنے کی تاکید کی۔ صبر و استقلال و ثابت قدمی کے ضروری مسائل بیان فرما کر رخصت کیا۔

### مختصر واقعہ یوم شہادت

حکومت کی طرف سے کئی دن پہلے انتظامات ہو چکے تھے۔ قصوری حکام نے ذمہ دار حضرات و ورثاء سے باہمی مشاورت سے پروگرام بنایا۔ شیخ امیر علی صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور چوہدری محمد اصغر صاحب انسپکٹر پولیس نے نظام مرتب کر کے مسٹر ڈپٹی صاحب ایڈیشنل سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس پیش کیا، ادھر فیروز پور میں خان بہادر سردار عبدالغفور خاں صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ اور نواب مصمام الدین خان صاحب انسپکٹر حفاظتی تدابیر میں مصروف رہے چنانچہ اکثر مشتاقانِ زیارت اور حاجی عبدالقادر و مولانا شیر نواب خاں صاحب ایک دن پہلے ہی فیروز پور میں قیام پذیر ہوئے۔

مورخہ چھ مارچ ۱۹۳۵ء مطابق ۲۹ ذیقعدہ مبارک ۱۳۵۳ء ٹھیک سات بجے صبح فیروز پور ڈسٹرکٹ جیل میں غازی محمد صدیق شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تختہ دار پر جام شہادت نوش فرمایا۔ جیل کے دروازہ پر ہزار ہا مشتاقانِ زیارت کا جم غفیر بے صبری سے منتظر تھا کہ جسم شہید

حوالہ والدہ و ذمہ دار حضرات باخذ رسید کیا گیا۔ مسجد بستی تہاڑیاں میں مولانا شیر نواب خان صاحب نے غسل دیا۔ بہ وقت غسل جسم شہید نہایت نرم، معطر اور خوب صورت مانند حیات پایا گیا۔ تنگی وقت کے باعث فیروز پوری حضرات کو بے قرار چھوڑ کر جسم شہید قصور لایا گیا۔ موٹر لاری میں مولانا شیر نواب خاں، حاجی عبدالقادر اور ورثاء کو معیت کا فخر حاصل ہوا۔ قصور میں ہڑتال تھی۔ شہر بھر کے کئی ہزار مسلمان تین میل سر راہ استقبال کے لیے حاضر تھے۔ حساب مجوزہ پروگرام تین گھنٹے عید گاہ میں زیارت کرائی گئی اور پھر تین میل تک جنازہ دھوم دھام سے اٹھایا گیا۔ حضرت سید عبدالحق شاہ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور شام کے پانچ بجے جسم شہید حوالہ مرقد ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔





باب ششم

متفرق واقعات

## I۔ غازی مولوی عبدالمنان رحمۃ اللہ علیہ

انقلاب مورخہ ۸ اگست ۱۹۳۷ء

عبدالمنان کو ۷ رسال قید سخت کی سزا

کیمبل پور: ۱۵ اگست۔ آج مسٹر جی ڈی کھوسلہ سیشن جج نے نوجوان مسلمان مولوی عبدالمنان کے مقدمہ کا فیصلہ سنایا جس کے خلاف ایک ہندو خوانچہ فروش کو قتل کرنے کا الزام تھا۔ مقدمہ کا فیصلہ سننے کے لیے نواحی علاقے کے پٹھان اور علماء بہ تعداد کثیر احاطہ عدالت میں جمع تھے۔ ملزم نے جرم قتل کے الزام سے انکار کرتے ہوئے اپنے بیان کے دوران میں کہا تھا کہ مقتول نے اس کے سامنے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین آمیز کلمات استعمال کیے تھے جنہیں سن کر وہ سخت برا فروختہ ہوا۔ انتہائی اشتعال میں آ کر اس فعل کا مرتکب ہوا۔ شیخ عبدالحکیم وکیل صفائی نے اشتعال کے سلسلے میں گواہان استغاثہ پر دوبارہ جرح کی۔ سیشن جج نے ایسروں کی متفقہ رائے سے اتفاق کرتے ہوئے صفائی کے بیان کو صحیح تسلیم کر لیا اور ملزم کی نوجوانی کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے زیر دفعہ ۳۰۴ تعزیرات ہند سات (۷) سال قید سخت کی سزا دی۔ ایسروں میں غیر مسلم بھی تھے۔

فاضل سیشن جج نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے:

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک مسلمان اپنے پیغمبر کی شان میں اس طرح کے

نازیبا الفاظ سننا برداشت نہیں کر سکتا۔ استغاثہ کے گواہوں کے بیانات اور ملزم کے

اقبالی بیان سے واضح ہے کہ ملزم انتہائی اشتعال میں تھا۔“

باہر احاطہ عدالت میں جب مسلمانوں نے یہ فیصلہ سنا تو نعرہ ہائے تحسین بلند کیے اور

”کھوسلہ صاحب زندہ باد“ کے نعرے لگاتے ہوئے عدالت سے چلے گئے۔



انقلاب ۱۲ اگست ۱۹۳۷ء

مولوی عبدالمنان کو سات سال قید

مسٹر کھوسلہ سیشن جج کیمبل پور نے مولوی عبدالمنان کو جس نے ایک شاتم رسول ہندو کو قتل کر دیا تھا۔ سات سال قید با مشقت کی سزا دی ہے اور فیصلے میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دنیا مسلمان کے لیے اس قدر شدید اشتعال ہے کہ وہ اس پر صبر کر ہی نہیں سکتا اور چوں کہ عبدالمنان نے اس ہندو کو عین حالت اشتعال میں قتل کیا ہے، اس لیے موت کی سزا نہیں دی جاسکتی۔

خدا کا شکر ہے کہ آخر ایک حاکم عدالت کو توبہ کی توفیق ہوئی کہ وہ اس قسم کے حوادث کو ان کی صحیح روشنی میں دیکھ سکتا ہے۔ علم الدین شہید سے لے کر آج تک متعدد ایسے واقعات ہوئے اور ہر مقدمے میں وکلانے اشتعال شدید کا عذر پیش کیا لیکن عدالتوں نے اس عذر کو تسلیم نہ کیا اور ہر حالت میں ملزموں کو سزائے موت دے دی۔ حالاں کہ اگر کوئی شخص اپنی ماں یا بہن یا بیٹی یا بیوی کی ناموس پر کسی کو حملہ آور دیکھ کر اشتعال میں اسے قتل کر ڈالے تو عدالتیں اس کے اشتعال کو تجویز سزا کے وقت ضرور ملحوظ رکھتی ہیں۔ کاش انہیں احساس ہوتا کہ مسلمان کے نزدیک حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس دنیاوی رشتوں کی ناموس سے بدرجہا زیادہ عزیز و محبوب ہے اور وہ اس ناموس کبریٰ کے تحفظ کے لیے اپنی جان نہایت آسانی سے ہنسی خوشی قربان کر سکتا ہے۔

بہر حال مسٹر کھوسلہ مستحق مبارک باد ہیں کہ انہیں سب سے پہلے اس حقیقت کے صحیح احساس کی توفیق آرزائی ہوئی۔ اگر اس فیصلے کے متعلق عدالت عالیہ میں اپیل ہوئی اور یقیناً ہوگی تو ان شاء اللہ یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے منسوخ ہو جائے گا۔



## II۔ غازی غلام محمد بٹ شہید

۲۷ مئی ۱۹۳۷ء کا واقعہ ہے کہ مسلمانانِ جہلم کا ایک جلوس بہ سلسلہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم مشین محلہ روڈ (جہلم) سے ہوتا ہوا بازار کلاں جہلم کی طرف جذب و کیف میں یہ نغمہ گنگناتا جا رہا تھا:

تیری سواری یا نبی عرش بریں تک گئی اے  
دیکھ کے جلوہ طور دا موسیٰ نوں ہوش نہ رہی اے

جلوس کے عقب سے ایک دیہاتی گدھا سوار کو دیکھ کر سنت سنگھ اور شام سنگھ (مقیم جہلم) نے شان رسالت میں گستاخی کرتے ہوئے اس گدھا سوار کو تاج دار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا کہ ”یہ نبی کی سواری جا رہی ہے۔“ غازی غلام محمد نے اپنے نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی اور گستاخی برداشت نہ کی اور ۲۱ مئی ۱۹۳۷ء کو موقع ملتے ہی سنت سنگھ کو اس کی کپڑے کی دکان (واقعہ جہلم) موت کے گھاٹ اتار دیا۔ انگریزوں کا دور تھا، آپ پر مقدمہ چلا، عدالت میں آپ نے برملا اعتراف قتل کیا اور بڑی بے باکی اور دلیری سے اس کے اسباب بھی بیان کیے۔ آپ کو عدالتی حکم کے مطابق سزائے موت دی گئی۔

آپ کا نام ”غلام محمد“ عرف ”گام“ ہے اور والد کا نام ”غریب علی“ ہے۔ مزار مبارک پر نصب کتبہ کے مطابق آپ کی تاریخ شہادت ۲ دسمبر ۱۹۳۷ء بہ مطابق ۲۷ رمضان ۱۳۵۶ھ بروز جمعرات ہے۔ مزار کے لیے راجہ صاحب آف ڈھوک عبداللہ اعظم صاحب نے ڈپٹی کمشنر ہاؤس کے نزدیک بلال ٹاؤن برب سڑک اپنی ساری زمین وقف کر دی۔

مولانا قاری غلام محی الدین دیالوی کی روایت کے مطابق سزائے موت کے فیصلہ کے بعد غازی غلام محمد نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ میں ابھی تک طریقت کے سلسلوں میں کسی شیخ طریقت کے ہاتھ پر بیعت نہ کر سکا، یہ کمی پوری کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی خواہش کے باعث موہڑہ شریف کے خواجہ محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز خواجہ سید مصطفیٰ صبغۃ اللہ شاہ ایرانی رحمۃ اللہ علیہ حکومت کی اجازت سے جیل خانہ کے اندر غازی غلام محمد کے پاس آئے اور انہیں سلسلہ

عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں داخل کیا۔

(برقی مکتوب (وائس ایپ) از مفتی علیم الدین نقشبندی بنام ثاقب رضا قادری مورخہ ۱۹ جون ۲۰۱۶ء)



الفقیہ ۷ جون ۱۹۳۷ء

### جہلم میں شاتم رسول کا قتل

جہلم، ۲۱ مئی: آج ایک سکھ بزاز کے قتل ہو جانے کی وجہ سے شہر میں سخت ہیجان و اضطراب پھیل گیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک ہفتہ پیشتر مقتول سکھ نے سردار دو جہاں فخر کون و مکان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے تھے، اس پر ملزم کو غصہ آ گیا۔ اس نے اُس کی دکان پر جا کر اس کا کام تمام کر دیا، ملزم نے اقبال کر لیا ہے کہ میں نے اشتعال میں آ کر ہلاک کیا ہے۔



انقلاب یکم اگست ۱۹۳۷ء

### غلام محمد کو سزائے موت کا حکم۔ شاتم رسول کو قتل کرنے کا الزام

جہلم: ۳۰ جولائی۔ ایک اطلاع منظر ہے کہ مسٹر نالٹا سیشن جج نے آج ایک ۲۴ سالہ نوجوان غلام محمد کو ایک سکھ مسٹی سنت سنگھ اپل پارچہ فروش کو قتل کرنے کے الزام میں سزائے موت کا حکم سنایا ہے۔

واقعات یوں بیان کیے جاتے ہیں کہ ۳۰ مئی کو ملزم نے مقتول کی دکان میں جا کر کپڑا خریدنے کے بہانے سے اسے چاقو سے ہلاک کر دیا تھا۔ قتل کی وجہ یہ تھی کہ مقتول سنت سنگھ نے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف توہین آمیز الفاظ استعمال کیے تھے۔ احاطہ عدالت کے ارد گرد پولیس کا زبردست انتظام کیا گیا تھا جہاں ہجوم کی کثرت کی وجہ سے تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔



### III۔ غازی عبداللہ قصوری

[ہفت روزہ اخبار الفقیہ کی درج ذیل رپورٹ میں غازی عبداللہ قصوری کا مکمل تعارف، گستاخ رسول کو قتل کرنے کا واقعہ سے شہادت تک کا بیان مفصل آ گیا ہے لہذا الگ تعارف کی ضرورت نہ رہی۔]

الفقیہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۷ء

#### ضلع شیخوپورہ میں چنچل سنگھ سابق نورا (مسلمان) کا قتل

وہ مرتد ہونے کے بعد توہین رسول کرتا تھا

۴ جنوری ۱۹۳۷ء کو جب میں شیخوپورہ آیا تو ایک سکھ سہمی چنچل سنگھ سابق نورا (مسلمان) کے قتل کے حادثہ کی اطلاع ملی۔ میں اسی وقت انجمن اہل سنت و جماعت کے ایک ذمہ دار رکن کے پاس واقعہ کے اصلی حالات معلوم کرنے کے لیے گیا چنانچہ جو ان کی زبانی حالات معلوم ہوئے وہ از حد دل چسپ ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں:

ضلع شیخوپورہ علاقہ خانقاہ ڈوگراں چک نمبر ۳۴ میں ایک مسلمان نامی نورا (نور محمد) بمع اپنی مغویہ عورت کے مرتد ہو کر سکھ ہو گیا۔ سکھ ہونے کے بعد وہ ہر وقت توہین رسول کرتا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بزدل بتاتا کہ آپ نعوذ باللہ اس قدر بزدل تھے کہ مکہ سے بھاگ گئے اور مدینہ میں چلے گئے۔ آس پاس کے گاؤں کے مسلمانوں کے علاوہ اس کے اپنے گاؤں کے مسلمان مرتد اور مرتدہ کے اس اشتعال انگیز رویہ سے سخت تنگ آ چکے تھے لیکن ان حالات کو نہایت صبر و سکون سے برداشت کرتے۔ چنانچہ اندریں حالات ایک شخص مولوی عبداللہ سکھ پوٹے تحصیل قصور ضلع لاہور اپنے گھر سے چھ جنوری ۱۹۳۷ء کو چلا اور ۲۷ جنوری ۱۹۳۷ء کو موضع ڈہا با سنگھ جو ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ میں آیا اور رات کو موضع کے گوردوارے میں رہا۔ صبح کو چک نمبر ۲۴ جہاں مرتد رہتا تھا گیا اور اس کا پتہ دریافت کیا۔ اسے معلوم ہوا کہ وہ اور اس کی مرتدہ

بیوی دونوں کھیت میں گئے ہوئے ہیں چناں چہ مولوی صاحب بھی اسی طرف چل پڑے جہاں وہ کام کر رہا تھا اس کے پاس جا کر پہلے آپ نے اس کا نام دریافت کیا پھر دریافت کیا کہ تو ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاکم بدہن بزدل وغیرہ کہتا تھا، اُس نے اقرار کیا۔ اُس کے اقرار پر مولوی صاحب نے اسے لکارا کہ دیکھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں کا ایک ادنیٰ خادم آج تجھ کو اس توہین کا مزہ چکھانے کے لیے آیا ہے، آمیراؤ اور سنبھال!!! مولوی صاحب نے ایک تیز چھری جو آپ نے اپنی پانچ چھنٹ لمبی لٹھی کے ساتھ باندھی ہوئی تھی اس کی ران میں ایسی گھونپی کہ وہ درد سے لاچار ہو گیا اور جھک کر اپنی ران سے چھری نکالنے لگا۔ مولوی صاحب نے کرپان سے جو اس کی کمر سے لٹک رہی تھی میان سے نکال کر اس کی گردن کو کاٹ ڈالا۔

ادھر اس کی مرتدہ بیوی اپنے خاوند کا یہ حال دیکھ رہی تھی وہ یہ دیکھ کر بھاگی اور ساتھ کے کھیت میں اس کے رشتہ دار مسلمان کام کر رہے تھے۔ انھیں امداد کے لیے چیخ اٹھی لیکن مولوی صاحب نے دوڑ کر اس کو چونڈے سے پکڑ لیا اور گھسیٹ کر اس کے خاوند کی لاش پر پھینک کر کرپان سے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔

مرتد اور مرتدہ کے قتل کرنے کے بعد مولوی صاحب نے گاؤں کے مسلمانوں اور سکھوں کو کہا کہ جا کر تھانہ میں رپورٹ کر دیں۔ میں لاشوں کی حفاظت کر رہا ہوں، ایسا نہ ہو کہ کوئی بے گناہ انسان پولیس کے عتاب میں آجائے۔ چناں چہ اطلاع ہونے پر پولیس جب آئی تو مولوی صاحب مسجد میں تھے۔ پولیس کو مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ بغیر ہتھکڑی کے مسجد سے نہیں نکلوں گا چناں چہ پولیس نے مولوی صاحب کو ہتھکڑی لگا کر مسجد سے نکال کر ہتھکڑی کھول دی کیوں کہ وہ قاعدہ کے مطابق بغیر بیان یا شہادت لیے اس کو ہتھکڑی لگا نہیں سکتی۔ اس لیے مسجد میں مولوی صاحب کی ضد پر پولیس نے ایسا کیا۔ ۲ فروری ۱۹۳۷ء کو مولوی صاحب کی دوسری پیشی تھی۔ استغاثہ کے گواہوں کے بیانات ہوئے، ملزم سشن سپرد کر دیا گیا ہے، آئندہ پیشی معلوم نہیں کب ہوگی۔ مولوی صاحب نے سشن میں اپنے بیانات دینے کا اقرار کیا ہے۔ جس دن پیشی تھی عدالت کے باہر مسلمانوں کی کثرت تھی۔ ”اللہ اکبر“ کے دلکش نعرے ہر بار بلند ہوتے رہے۔ مسلمان اس مقدمہ کو خاص مذہبی دل چسپی کے عنوان سے دیکھتے ہیں۔ شیخوپورہ کے مسلمان وکلاء نے بھی اپنی خدمات اس مقدمے کے لیے [پیش کی ہیں جن

میں [خصوصاً شیخ کرامت صاحب، ملک محمد انور صاحب، شیخ غلام محمد صاحب قابل ذکر ہیں۔  
(اخبار نیر اسلام)



انقلاب، ۱۶ جولائی ۱۹۳۷ء

عبداللہ کو سنٹرل جیل لاہور میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا

جیل سے باہر مقامی مسلمانوں کا اجتماع اور مظاہرہ

لاہور ۱۴ جولائی - آج لاہور سنٹرل جیل میں عبداللہ نامی ایک نوجوان مسلمان کو پھانسی پر لٹا دیا گیا۔ اسے عدالت سشن سے اس الزام میں سزائے موت کا حکم سنایا گیا تھا کہ اس نے ضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں میں ایک سکھ کو قتل کر دیا تھا۔ ہائی کورٹ میں اپیل کیا گیا جو مسترد کر دیا گیا۔ آج عدالت کے فیصلہ کے مطابق نوجوان کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ مقامی مسلمانوں کو اس بات کا علم ہو گیا تھا، اس لیے جیل کے باہر چند مسلمان جمع ہو گئے اور ”عبداللہ زندہ باد“ کے نعرے لگاتے رہے۔ پولیس افسر پولیس کی کثیر التعداد جمعیت کے ساتھ انتظامات میں مصروف تھے۔ پھانسی کے بعد لاش کو پولیس متوفی کے گاؤں لے گئی اور تجہیز و تکفین کے بعد واپس آئی۔





## IV۔ غازی مرید حسین شہید رحمۃ اللہ علیہ

غازی مرید حسین کاسن ولادت ۱۹۱۴ء/۱۹۱۵ء ہے، آپ کے والد بزرگ وار کا نام چودھری عبداللہ خاں تھا جو بھلہ (چکوال) کے نبردار اور باوقار بزرگ تھے۔ گاؤں میں ان کی اچھی خاصی زمین تھی۔ ان کے کردار حسن تھا اور گفتار میں سلیقہ، ایک روشن ضمیر مرد مومن سے نسبت روحانی کے سبب چودھری صاحب کا دل درد و سوز کی کیفیتوں سے لبریز رہتا، آنکھ بالعموم نم رہتی اور زبان یا والہی میں مصروف، خدا تعالیٰ نے ہر نعمت عطا کر رکھی تھی اور مرید حسین ان تمام دل چسپیوں کا مرکز اور باعث رونق تھا۔ مگر قسمت کے کھیل نرالے ہیں، شہید موصوف کی عمر پانچ برس بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ۱۹۱۹ء کے آغاز میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا جب یہ معصوم زندگی کی پانچ بہاریں دیکھ چکا تو آپ کی والدہ صاحبہ نے اپنے لاڈلے اور اکلوتے بیٹے کو قرآن حکیم اور دوسری اسلامی کتب کی تدریس کے لیے سید محمد شاہ صاحب کے ہاں بھیج دیا۔ یہ بزرگ جامع مسجد بھلہ کے خطیب و امام مسجد تھے، دوسری طرف عام تعلیم کے حصول کی خاطر اپنے گاؤں کے پرائمری سکول میں داخل کروا دیے گئے۔ دس سال کی عمر میں ابتدائی تعلیم مکمل کر چکنے پر انہیں قریبی قصبہ کریالہ کے اینگلو سنسکرت مڈل سکول میں بٹھا دیا گیا۔ آپ شروع سے ہی بلا کے ذہین اور محنتی تھے، مڈل کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ اس کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول چکوال میں (جو اب ڈگری کالج بن چکا ہے) زیر تعلیم رہے۔ آپ کی عمر پندرہ برس سے چند ماہ اوپر ہو چکی تھی۔ دو سال کی مدت پوری کرنے کے بعد میٹرک کے امتحان منعقدہ ۱۹۳۰ء میں شامل ہوئے۔ ۱۹۳۱ء کے آغاز میں نتیجہ میں سامنے آیا۔ آپ نے نہ صرف فرسٹ ڈویژن حاصل کی بل کہ پوری جماعت میں اول رہے اور ضلع میں نمایاں پوزیشن حاصل کی۔ گوا علی تعلیم کا شوق اور وسائل رکھتے تھے لیکن بعض ناگزیر گھریلو ذمہ داریوں اور گاؤں کی نبرداری کے بوجھ سے مجبوراً سلسلہ تعلیم منقطع کرنا پڑا۔

تحفظ ناموس رسالت کے اس زندہ جاوید کردار نے جب اخبار میں ڈاکٹر رام گوپال کی

گستاخی کی خبر پڑھی تو انہیں اپنی رگوں میں خون کے بجائے بجلیاں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس خبر نے سب اہل ایمان کے کلیجے چھلنی کیے۔ یہ ایک ایسی تیز آگ تھی جس نے ہر مسلمان کے جذبات کو آتش کدہ بنا دیا۔ رام گوپال ایک انتہا پسند، کمینہ فطرت ہندو تھا۔ راج پال مردود اور نتھورام سندھی کو وہ اپنا قومی ہیرو خیال کرتا، اس لیے کم بخت نے انہی کا راستہ منتخب کیا اور پھر بالآخر اپنے پیش روؤں کی طرح جہنم رسید ہو گیا۔ ڈاکٹر مذکور سر چھوٹو رام کا قریبی رشتہ دار تھا جب اس کو مسلمانوں کے غم و غصہ کی خبر ملی تو اس نے خطرہ موت کے پیش نظر اپنا تبادلہ جلد ہی پلول سے نارنوند میں کروا لیا۔ یہ ضلع حصار میں واقع ہے۔ تبدیلی کے احکام پر عمل درآمد ہو گیا مگر یہ تمام کارروائی اس قدر صیغہ راز میں رکھی گئی کہ محکمے کے بعض اہم افراد سے بھی خفیہ تھی۔ تعیناتی کا نیا مقام بھی بہت کم لوگوں کو معلوم تھا۔

غازی مرید حسین شہید کے جذبات رام گوپال کے خلاف نہایت شدید تھے کہ سوتے میں اچانک ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے، ادھر ادھر بہ غور دیکھا، فضاؤں میں خوشبو رچ بس گئی تھی جانے دل کے کانوں سے آپ نے کیا سنا کہ ہونٹوں پر مسکراہٹ کی کرنیں فروزاں ہو گئیں۔ شاید احساس کی آنکھ نے جلوہ جاناں دیکھ لیا تھا کہ امیدوں کے چراغ جل اٹھے، ساری رات آنکھ نہ لگی۔ وقت تھا کہ کٹنے کا نام نہ لیتا تھا۔ یہ شب فراق تھی نہ ساعت وصال، اب کے قلب و نظر میں ٹھن گئی، دل کو آنکھ سے چشمک کہ اسے لذت دیدار حاصل ہوئی۔ آنکھوں کو یہ اضطراب کہ دل سے یادوں کے سلسلے وابستہ ہیں۔ رات جیسے بھی کٹی، کٹ گئی آدھی رات بیت چکی تھی۔ آپ کے ہاتھ میں قلم تھا اور کاغذ کے پرزے پر کچھ لکھ رہے تھے، بالآخر کاغذ کا پرزہ تہ کر کے جیب میں ڈالا اور مطمئن ہو کر لیٹ رہے۔ ایک اور شب حضرت قبلہ غازی صاحب نے اپنی رفیقہ حیات کو بتایا:

”مجھے اس امر کا حکم دیا گیا ہے کہ شاتم رسول کا کام تمام کر دوں۔ سرکار مدینہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی زیارت نصیب ہو چکی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے مجھے اس بے غیرت ملیچھ کا حلیہ وغیرہ قلم بند کروایا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے بہ خوشی اس کی اجازت دے دیں اور نہ صرف مسکرا کر خدا حافظ کہیں بل کہ میری کامیابی کے لیے بھی دعا کریں۔“

غازی مرید حسین شہید جون ۱۹۳۶ء کے آخری ہفتے گھر سے اس عظیم مشن کے لیے روانہ

ہوئے۔ چاچڑ شریف حاجی صاحب ترنگزئی کے آزاد علاقہ کوئٹہ، مقبرہ داتا گنج بخش علی ہجویری، میانی قبرستان لاہور (یہاں آپ نے اسلامیہ کالج لاہور کے ہاسٹل میں اپنے قریبی دوست کے کمرے میں قیام فرمایا) اور پھر دہلی تک..... ظاہر ایوں لگتا ہے کہ شمع رسالت کا عتیور پروانہ شاید مختلف علاقوں کے فاصلے بلا مقصد ہی ناپتار ہا جب کہ ایسا ہرگز نہیں۔ درحقیقت یہ کامیاب منصوبہ بندی کا ایک حصہ تھا جس کی تفصیل اس جگہ بیان میں نہیں آسکتی۔ ملت اسلامیہ کے شاہین نے شکار پر جھپٹنے کے لیے پرتولے اور ۱۷ اگست ۱۹۳۷ء کو دہلی سے محو پرواز ہوا۔ حصار دہلی سے ۱۰۳ میل کی مسافت پر ہے اور نارنونداس سے آگے قریباً تیس کوس ہوگا۔ غازی صاحب دہلی سے ٹرین پر سوار ہوئے اور ہانسی سٹیشن پر اترے۔ انہیں صرف تین چار میل آگے جانا تھا۔ آپ نہر کی پٹری پر پیدل چل پڑے۔ سورج ڈوب رہا تھا۔ بہر حال آپ نے یہ رات باہر درختوں کے ایک جھنڈ میں گزاری۔ ۱۸ اگست ۱۹۳۷ء کو آپ اس محتاط طریقے سے ہسپتال کے قریب پہنچے کہ کوئی بھی شک نہ کر سکا۔ اپنی چھوٹی سی نوٹ بک نکال کر ایک محفوظ جگہ کھڑے ہو گئے اور آنے جانے والوں کو بہ غور دیکھتے رہے۔ بالآخر ایک بٹے کٹے آدمی پر نظر ٹک گئی۔ یہ وہی بدنام زمانہ گستاخ ڈاکٹر تھا جس نے نبی پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسم مبارک کی توہین کی تھی۔ شہباز عشق اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کو پہلی نظر ہی میں پہچان گیا۔ آپ نے دیکھا کہ چند اشخاص گیس ہانک رہے ہیں جب کہ تھوڑی دیر گزرنے پر رام گوپال اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ قریب بیٹھے کچھ افراد شطرنج کھیل اور دیکھ رہے تھے۔ شیردل مجاہد موقع کی تلاش میں رہا۔ ڈاکٹر مذکور مطالعہ کرتے ہوئے چار پائی پر دراز ہو گیا۔ اس نے اپنا مکروہ چہرہ اخبار سے ڈھانپ رکھا تھا، بے جان مہروں کا کھیل ختم ہو چکا تو باتوں میں مگن نوجوان بھی ہولے ہولے لکھنے لگے۔ غازی صاحب آپے سے باہر ہو چکے تھے۔ اب مزید انتظار ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ وہ اس فتنے کو جلد از جلد ابدی نیند سلا دینا چاہتے تھے۔ اب اس آوارہ کتے کی ہلاکت یقینی تھی۔ شمع رسالت کا پروانہ اس کے سر پر کھڑا تھا تاہم آپ نے دینی غیرت اور جواں مردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُسے پاؤں کی ٹھوکر ماری اور لکارا:

”اوگدھے کے مؤذی بیٹے! اٹھ اور اپنا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ۔ آج

تجھے موت کے گھاٹ اتارنے کو رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا غلام آپہنچا ہے۔“

وہ پھڑک کر اٹھا اور دہشت میں نیچے گر رہا تھا کہ آپ نے زور سے نعرہ تکبیر لگا کر چاقو اس کے سینے میں اتار دیا..... کتا مرچکا تھا۔ تھانے میں ابتدائی رپورٹ کے بعد کیس کا باقاعدہ اندراج ڈاکٹر رام گوپال کی بیوہ کی طرف سے ہوا۔ انتظامیہ کے اعلیٰ افسروں نے جائے واردات کا معائنہ کیا۔ مقتول کی نعش پولیس نے خاص اپنی نگرانی میں ہسپتال پہنچائی۔ سول سرجن نے مردے کا پوسٹ مارٹم کیا اور رپورٹ میں لکھا:

”حملہ اتنا شدید اور زخم اس قدر گہرا تھا کہ تمام آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔ اس گھاؤ سے مضروب کا بیچ رہنا ناممکن تھا جسم کی اندرونی ساخت اور ظاہری حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتول پر حملہ آور کی دہشت کی وجہ سے سکتہ طاری ہو گیا۔ چون کہ اس سے خون خشک ہو چکا تھا اس لیے تن مردہ پر لہو کا کوئی دھبہ یا داغ نہ ہے۔ یہ زخم کسی تیز دھار آلہ قتل کا لگا ہوا ہے۔ اگر چاقو کا پورا پھل سینے میں پیوست ہو جائے تو بھی ایسا زخم لگ سکتا ہے۔ لباس پر خون کے نشانات موجود نہیں تاہم بنیان پر ایک کٹ واضح ہے۔ آکہ قتل اسی کو پھاڑ کر سینے میں داخل ہوا۔“

قبلہ غازی صاحب کو گرفتار کر کے جامہ تلاشی لی گئی۔ آپ کی جیب سے ایک نوٹ بک برآمد ہوئی جس پر ڈاکٹر مقتول کا پورا حلیہ درج تھا۔ اس کے بارے میں خاصی پوچھ گچھ کی گئی۔ آپ نے بتایا:

”جس عظیم ذات نے مجھے اس امر کی اطلاع فرمائی ہے اور مردود ڈاکٹر کی شناخت کروائی، اُن کے حضور تم تو کیا تمہارے خیال کا گزر بھی نہیں ہو سکتا۔ مقتول میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی غائبانہ شان میں ہتک کا مرتکب ہوا تھا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کرم ہوا، میری قسمت جاگ اٹھی۔ ایک رات نور مجسم رحمت ہر عالم نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ خواب میں مجھے اس کی مکروہ صورت دکھائی گئی۔ میں نے اسے اچھی طرح پہچان لیا۔ اسی وقت اٹھا اور حلیے کو جامہ الفاظ پہنایا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے بہ مشکل اس کے گریبان تک پہنچا اور ”اللہ اکبر“ کہہ کر گستاخ کا کام تمام کر چکا ہوں۔ یہ میرا دینی فریضہ تھا۔ آگے

آپ کا کام ہے جس طرح جی چاہے، قانونی تقاضوں کو پورا کریں۔“  
تھانے میں دوران تفتیش آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے رام گوپال کو کیوں قتل کیا ہے؟ انہوں نے بے ساختہ قہقہہ لگایا، استفسار کیا گیا: ہنس کیوں رہے ہو؟ آپ نے قدرے جذباتی ہو کر فرمایا: کیا روؤں؟ میں تو ایک مدت سے اس کے پیچھے تھا، اب میرے ہنسنے اور ہندوؤں کے رونے کا موسم ہے۔ مقام شکر ہے کہ میری مراد پوری ہوئی۔  
مقدمہ سیشن سپرد ہوا۔ جج نے چند روز کی کارروائی کے بعد فیصلہ صادر کیا اور نوٹ میں

لکھا:

”ملزم نے نہایت ذمہ داری کے ساتھ اپنے فعل کو تسلیم کیا ہے نیز بیانات اور گواہوں پر جرح سے بھی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ ملزم ہی حقیقی قاتل ہے۔ قتل مذہبی جنون میں کیا گیا۔ استغاثہ مبنی بر حقائق ہے اس لیے عدالت کے نزدیک مجرم سزائے موت کا مستحق ہے۔“

کہتے ہیں جس روز حضرت غازی مرید حسین کو سزائے موت سنائی گئی، آپ بہت مسرور اور مطمئن نظر آ رہے تھے، انہیں جس قدر مسرت ہوئی، لو احقین اتنے ہی رنجیدہ تھے۔ ایک کوسایہ رحمت میں چھپ جانے کی خوشی۔ دوسروں کو جدائی کا بھیانک تصور!!!  
آپ جام شہادت نوش کرنے کے لیے تڑپ رہے تھے۔ رشتہ داران کو عرش سے فرش کی سمت کھینچنا چاہتے تھے۔ آپ ہار مانتے تھے نہ وہ شکست..... دونوں طرف ٹھن گئی۔ انہوں نے اپیل کا فیصلہ کیا اور یہ منزل پر پہنچنے کی دعائیں مانگنے لگے۔

قصہ مختصر غازی صاحب کے حسب منشا ہائی کورٹ سے بھی اپیل خارج ہو گئی۔ بنا بریں اس بارے میں بھی کوشش شروع ہو چکی تھی کہ اگر بچاؤ کی کوئی صورت پیدا نہ ہو تو آپ کو کسی نزدیکی جیل (یعنی کیمبل پور)، میاں والی یا جہلم میں پھانسی دی جائے۔

شمع رسالت کا جاں نثار جہلم کے قید خانے میں منتقل ہو چکا تھا۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۷ء کو ان کے جملہ رشتہ دار بہ غرض ملاقات آئے، اس کے بعد زائرین کی آمد و رفت کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایک بار غازی کی والدہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا:

”مجھے غم یہ ہے کہ میرے اکلوتے بیٹے کے گلے میں رسہ ڈالا جائے گا، آہ

! گھر میں کس کے دم سے رونق ہوگی۔ مجھے افسوس ہے میرا فقط ایک بیٹا تھا اور وہ بھی چند روز میں پچھڑنے والا ہے۔“

شہید موصوف نے زیر لب مسکراتے ہوئے جواب دیا:

”امی! اگر بیٹا ایک ہو تو زیادہ پیارا ہوتا ہے نا۔ اور سب سے پیاری شے ہی اللہ کی راہ میں قربان کرنی چاہیے۔ اس لیے آپ کو اور بھی خوش ہونا چاہیے کہ دین اسلام اور حرمت رسول (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) پر اپنے اکلوتے اور پیارے بیٹے کو قربان کر رہی ہیں۔ بھلا آپ سے بڑھ کر اور کون خوش قسمت ہوگا۔“

غازی صاحب کا صبر و استقلال مثالی تھا بلکہ یوں کہیے کہ آپ شہادت کے لیے مضطرب تھے اور ہر شب دعا فرماتے کہ طلوع سحر سے قبل ہی خواجہ بطحا و طیبہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی چوکھٹ تک رسائی ہو۔ کیوں نہیں، آپ اس قافلہ کے سرخیل ہیں جنہیں کوچہ حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اٹھ کر سوائے جنت جانا بھی گوارا نہیں ہوتا۔ بلاشبہ یہ مقام بلند بہت کم لوگوں کے حصہ میں آیا ہے۔

محبت و اخلاص کے باب میں ایک اور شہید ناز کی قربانیوں کا اضافہ ہونے والا تھا۔ وفا کی شاخ پر حسین رنگ گلاب کھلنے میں تھوڑی دیر باقی تھی جب غازی مرید حسین شہید کے بلیک وارنٹ جاری ہوئے تو گویا کالی گھٹاؤں کا موسم اُٹھ آیا۔ رُخ حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یادوں کا اسیر قید خانہ دنیا سے رہا ہونے والا ہے۔ یہ خبر اس قدر مسرت بخش اور راحت انگیز تھی کہ روز بروز عند لیب طیبہ کی رنگت نکھرتی چلی گئی۔ آپ کا چہرہ اتنا پُر رونق اور ہشاش بشاش نظر آتا جیسے کہ چاندنی کا غازہ مل دیا ہو۔ آپ کی خمار آلودہ آنکھوں میں ایک میخانہ تیرتا رہتا..... ڈسٹرکٹ جیل جہلم میں بادۂ عرب کے مشتاق کا عرصہ قیام ۲۴ ستمبر کی ایک سہانی صبح سمٹ گیا..... کہتے ہیں آخری ملاقات میں آپ کی والدہ محترمہ سے جدائی کا یہ منظر برداشت نہ ہو سکا۔ ممتا کی دل دہلا دینے والی صداؤں سے کرب ناک کیفیت پیدا ہو گئی۔ والدہ محترمہ کو یوں زار و قطار روتے دیکھ کر آپ نے عرض کیا: ”ماں، میں چاہتا تو عدالت سے بہ آسانی بچ سکتا تھا مگر یہ خوب صورت راستہ میں نے خود اختیار کیا ہے جس وجہ سے آپ پریشان ہو رہی ہیں۔ میں تو یہاں تک بڑی مشکلوں سے پہنچا ہوں۔ خدارامت رویئے، میری خوشی اسی میں ہے کہ آپ مجھے مسکراتے ہوئے

چھوڑ جائیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب بارگاہِ نبوی (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) میں پہنچوں تو میرے لباس پر آنسوؤں کا کوئی نشان نہ ہو۔ آپ کے ہونٹوں پر تبسم کی ہلکی سی لکیر سے میرا قافلہ شوق جھوم جھوم اٹھے گا اور میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ کو بیٹے کی قربانی کے سبب خاتونِ جنت حضرت بی بی فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک قدموں میں جگمگ جائے گی۔

شہید عشق رسول (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)..... غازی مرید حسین کی آرزوؤں کا چمن پورے جو بن پر تھا۔ آپ کو واصلِ بحق کرنے کے لیے ۸ رجب المرجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۳۷ء بروز جمعہ مقرر ہوئی۔ تختہ دار پر لٹکانے کے تمام مراحل مکمل ہو چکے تھے۔ رات بھر جیل میں قرآن حکیم کی تلاوت، درود شریف کا ورد اور کلمہ طیبہ کا ذکر ہوتا رہا۔ مسلمان قیدیوں نے فرط عقیدت سے تمام رات جاگ کر گزاری۔ غازی صاحب نے شب کا ایک حصہ شکرانے کے نوافل میں گزار دیا، کچھ وقت ام الکتاب کی تلاوت فرمائی اور درود و سلام کے ورد میں مشغول ہو گئے..... چاندنی رات کا غلاف، چہرے سے برستا ہوا نور، پیشانی کی طلعت، نگاہوں کا جلال، اُمیدوں کا چمن، فراق کی لذت، دیوانہ عشق کا کیف، نظروں کا خمار، سرمدی نغمے کا ترنم، بھیگی پلکوں کی برسات، ایمان کی تپش، لب ہائے گہر ریز کی جنبش اور تصورِ جاناں کا نشہ..... بطل حریت، مجاہد ملت سربہ کف، دست بدعا شوق شہادت میں سرشار نظر آ رہا تھا۔ طیبہ کی تجلیوں کو آنکھوں میں برسائے ان کے ہونٹوں پر نعت رسول مقبول (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) مچل رہی تھی.....

الغرض سپرنٹنڈنٹ جیل اور چند وارڈن آپ کی کوٹھڑی کے قریب آ کر رُکے اور کہا: پھانسی کا وقت قریب ہوا چاہتا ہے۔ داستانِ محبت کی تکمیل کے لیے ہمارے ساتھ سوئے دار چلیے۔ آپ کے ہونٹوں پر تبسم کی ایک واضح جھلک تھی، فرمایا: شکر الحمد للہ..... چلئے! میں حاضر ہوں..... جانثار خیر الانام (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نے باہر نکلتے ہی نعرہٴ تکبیر بلند کیا۔ تمام قیدیوں نے ہم آواز ہو کر جواب دیا اور ”اللہ اکبر“ کے الفاظ سے فضا گونج اٹھی۔ حضرت قبلہ غازی صاحب عالم شوق میں مچلتے، نعرہٴ تکبیر لگاتے، تیز تیز ڈگ بھرتے، اکڑتے، سنورتے، سنبھلتے، سینہ تانے اور نعت پڑھتے پھانسی گھر کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

اب آپ نذرانہ جاں لیے آنکھوں میں عقیدت کے پھول سجائے مقتل میں پورے قد

سے کھڑے تھے، چہرے پر بشارت تھی۔ پیشانی نورِ سعادت سے یوں چمک رہی تھی جیسے یکا  
یک اُفتق پر کوئی روشن ستارہ نمودار ہو جائے۔ لڑکھڑاہٹ، گھبراہٹ نام کو نہ تھی، جیلر اور مجسٹریٹ  
گھڑیوں پر نظر لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے مدینہ شریف کی طرف منہ کر کے تین بار بہ آواز بلند  
کلمہ شریف کا ذکر کیا اور پھر درود شریف کے ملکوتی وظیفہ میں بخت گئے۔ تھوڑی دیر گزرنے پر سر  
جھکا دیا اور بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں عرض کرنے لگے:

”میرے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم)! غلام حاضر ہے۔ بندہ اپنی حقیر جان کا  
تحفہ آپ کے قدموں پر نچھاور کرنا چاہتا ہے۔ قبول فرمائیے، یا رسول اللہ..... انظر  
حالتنا یا رسول اللہ..... صلی اللہ علیہ وسلم

فجر کی اذان کے ساتھ ہی جلا دے اشارہ پا کر تختہ کھینچ دیا..... حضور رسول اکرم صلی اللہ  
علیہ والہ وسلم اپنے غلام صادق کے استقبال کو تشریف لائے تھے۔ بے تاب رُوحِ قفسِ عنصری  
سے پرواز کر کے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مبارک کف پا سے لپٹ گئی۔

الصلوة والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)..... غازی مرید حسین  
شہید نے نہایت سکون کے ساتھ جامِ شہادت نوش فرمایا۔ تختہ دار پر آپ کے جسم مبارک کو تڑپنے  
پھڑکنے کی بالکل زحمت نہ اٹھانا پڑی۔ بس ایک ہی لحظہ میں اللہ کے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا  
یہ ۲۲ سالہ دیوانہ فرزانہ واصلِ بحق ہو گیا۔

نماز جمعہ کے بعد قریباً چار بجے آپ کو بھلہ شریف کے نزدیک ”غازی محل“ میں سپرد  
خاک کر دیا گیا۔ لحد میں صندوق سے جو اضافی جگہ بچ رہی تھی اس میں عقیدت مندوں نے  
پھول پھینکے اور چند لمحات کے بعد آپ پتیوں کے ڈھیر میں دب گئے۔ حورانِ خلد، کشورِ حسن کے  
احاطے میں اشارہ ابرو سے کہہ رہی تھیں: ”شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رحمت کا تقاضا  
تھا کہ آپ کے پسینہ مبارک کے چند قطرے شہید کے کفن کی چادر پر ٹپک گئے ہیں۔ اب ان کی  
خواب گاہ صبحِ محشر تک مہکتی رہے گی۔“

(ماہ نامہ نعت، لاہور۔ شہیدان ناموس رسالت نمبر (حصہ سوم) مارچ ۱۹۹۱ء، تحریر: رائے محمد کمال)





انقلاب ۳ اگست ۱۹۳۲ء

شفاخانہ حیوانات پلول کے ڈاکٹر کی حیوانیت

ہسپتال کے گدھے کا نام ”احمد“ رکھ دیا

آج دفتر جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام انبالہ شہر میں نہایت معتبر ذرائع سے ذیل کی دل خراش

اور ناقابل برداشت خبر پہنچی ہے:

”قصبہ پلول میں ایک شفاخانہ حیوانات ہے اور اس میں نسل کشی کے واسطے

ایک گھوڑا اور ایک گدھا رکھا ہوا ہے۔ ہسپتال کا انچارج ایک دریدہ ذہن ہندو برہمن

ڈاکٹر ہے۔ اس ڈاکٹر نے وٹرنری سپرنٹنڈنٹ کے ایما سے گدھے کا نام ”احمد“ رکھا ہوا

ہے۔ اور وہ گدھا اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ ڈاکٹر اور سپرنٹنڈنٹ کی اس ناپاک

حرکت سے مسلمانوں کے جذبات سخت مجروح ہو رہے ہیں اور ایک عام ہیجان پھیل

رہا ہے۔ ڈاکٹر مذکور سے دریافت کیا گیا تو اس نے بتایا کہ گدھے کا نام سپرنٹنڈنٹ

نے تجویز کر کے بھیجا ہے اور سپرنٹنڈنٹ سکھ ہے۔“

یہ ہے اقتباس اس چٹھی کا جو ہمارے دفتر میں پہنچی ہے۔ ہم وٹرنری محکمہ کے حکام اعلیٰ سے

خصوصاً اور پنجاب گورنمنٹ سے عموماً درخواست کرتے ہیں کہ وہ فوری حکمانہ تحقیقات کر کے ایسے

ناہنجار لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی کریں تاکہ مسلمانوں کے مجروح قلوب کو تسکین ہو ورنہ

اس کے بدنتائج کی تمام تر ذمہ داری حکام پر عائد ہوگی۔

شیخ عبدالحکیم گجراتی

منصرم دفتر جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام۔ انبالہ شہر



انقلاب ۱۶ اگست ۱۹۳۳ء

جماعت احمدیہ لدھیانہ کی ضروری قراردادیں

آج ۱۰ اگست ۱۹۳۳ء کو بعد از نماز جمعہ جماعت احمدیہ لدھیانہ کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں من درجہ ذیل قراردادیں بالاتفاق منظور ہوئیں:

۱۔ شیخ مبارک احمد صاحب، مولوی فاضل (مرزائی) نے اخبارات پیش کیے کہ پول ضلع گوڑگانوہ میں ایک سرکاری ویٹرنری ڈاکٹر نے ایک نسل کشی کے گدھے کا نام ”احمد“ رکھا ہوا ہے جس کو سن کر جماعت احمدیہ لدھیانہ سخت نفرت و حقارت کا اظہار کرتی ہے اور گورنمنٹ سے پُر زور درخواست کرتی ہے کہ وہ ایسے شخص کے خلاف جس نے سرکاری ملازمت میں رہ کر ایسے خطرناک فعل کا ارتکاب کیا ہے جس کے باعث جمہور مسلمانان ہند کے دلوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ جانے کا سخت اندیشہ ہے۔ اس فعل شنیعہ سے ہمارے رسول پاک صلعم کی کھلی ہوئی توہین ہے جن کے نام نامی پر ہر مسلمان اپنا تن من دھن قربان کرنا سعادتِ دارین خیال کرتا ہے۔ حکومت سے پُر زور مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اس کو فوراً برطرف کر کے عبرت ناک سزا کا مستوجب ٹھہرائے ورنہ مسلمانوں کے اندر خطرناک طور پر ہیجان پیدا ہو جائے گا۔ اُمید ہے کہ حکومت اپنے تدبیر کا فوری ثبوت دے گی جو رعایا نے ایک عظیم طبقہ کے تشکر و امتنان کا باعث ہوگا۔



انقلاب ۲۴ اگست ۱۹۳۲ء

## پلول کے احمق وٹرنری افسر

قارئین کو یاد ہو گا کہ وٹرنری اسٹنٹ اور سپرنٹنڈنٹ حلقہ نے پول کے شفاخانہ حیوانات میں ایک گدھے کا نام ”احمد“ رکھ کر تمام مسلمانان ہند کے قلوب کو مجروح کر دیا تھا اور ہر طرف سے اس ناپاک حرکت کے خلاف احتجاج کیا گیا تھا جب شیخ محمد عمر صاحب صدر اوقاف کمیٹی پول نے ڈائریکٹر وٹرنری سروس پنجاب کی توجہ اس اشتعال انگیز واقعہ کی طرف مبذول کرائی تو صاحب موصوف نے اپنے محکمے کے ایک فرد کی اس بیہودگی پر بے حد افسوس کا اظہار کیا اور یقین دلایا کہ ایسی لغویت آئندہ نہ ہوگی اور مسلمانوں کو چاہیے کہ میرے اظہار افسوس کے بعد اب اس معاملے کو ختم کر دیں۔ اگرچہ ڈائریکٹر کے اس مکتوب کے بعد بھی مسلمانوں کا یہ مطالبہ باقی تھا کہ قصور واروں کو سزا دی جائے لیکن بہر حال مسلمان اس اظہار افسوس پر مطمئن تھے لیکن اس کے پانچ سات روز بعد ڈائریکٹر صاحب کا ایک اور مکتوب شیخ محمد عمر کے نام موصول ہوا جس میں عجیب و غریب توجیہ کی گئی تھی کہ وٹرنری اسٹنٹ اور سپرنٹنڈنٹ کے خلاف محض ایک غلط فہمی کی بنا پر اشتعال پیدا ہو گیا، اصل میں گدھے کا نام ”احمد“ نہیں بل کہ ”احمق“ رکھا گیا تھا۔

جس شخص نے ڈائریکٹر صاحب کو یہ تاویل سمجھائی ہے وہ درحقیقت خود پر لے درجے کا احمق ہے اور اس تاویل سے مسلمانوں کے زخمی قلوب پر نمک چھڑکا گیا ہے۔ ہمیں پرائیویٹ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ گدھے کا نام ”احمد“ ہی رکھا گیا تھا اور اس تاویل سے اشخاص متعلقہ نے ڈائریکٹر صاحب کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے تاکہ قصور وار عہدہ دار محکمانہ سزا سے محفوظ رہیں۔ ہم اس تاویل کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں اور ہمارا یہ مطالبہ بدستور ہے کہ جس شخص نے یہ ناپاک حرکت کی ہے اس کو قرار واقعی سزا دے کر مسلمانوں کے مشتعل جذبات کا ٹھنڈا کیا جائے۔



انقلاب ۳۱ اگست ۱۹۳۴ء

### پلول کے وٹرنری ہسپتال کا واقعہ

پلول کے وٹرنری ہسپتال میں ایک گدھے کا نام ”احمد“ رکھنے پر مسلمانوں میں جو ہیجان و اضطراب پیدا ہوا۔ اس سے حکومت اچھی طرح باخبر ہے۔ سب سے پہلے حکام بالانے اس شرم ناک شرارت پر اظہارِ افسوس کیا لیکن اس کے بعد یہ لکھا کہ گدھے کا نام ”احمد“ نہیں بل کہ ”احمت“ رکھا گیا تھا۔ یہ عذر نہایت نامعقول اور صاف طور پر غلط اور بے بنیاد تھا اور مسلمانوں نے محسوس کیا کہ اس عذر کے پیش کرنے سے ان کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کے بعد بالکل خاموشی ہو گئی۔ ہم صاف الفاظ میں انسپکٹر جنرل وٹرنری ڈیپارٹمنٹ کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے جذبات اس معاملے میں اب تک برا بیچتے ہیں اور جب تک سپرنٹنڈنٹ کو جو اس شرارت کا اصلی ذمہ دار ہے۔ قرار واقعی سزا نہ دی جائے گی۔ مسلمان مطمئن نہ ہوں گے۔ ہم حکومت کو نہایت مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اس معاملے کو معمولی نہ سمجھے۔ مسلمان اپنے آقا و مولا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عزت پر جانیں قربان کر دینا معمولی بات سمجھتے ہیں۔ مبادا کوئی ناگوار واقعہ پیش آجائے اس لیے تدبیر کا تقاضا یہی ہے کہ اس شرارت کے ذمہ دار کو سزا سے بچانے کی کوشش نہ کی جائے۔



انقلاب ۹ ستمبر ۱۹۳۴ء

### پلول کے شفاخانہ حیوانات کے سپرنٹنڈنٹ پر حملہ کی کوشش

ایک مسلمان نوجوان کو چار ماہ قید کی سزا

دہلی، ۷ ستمبر؛ چکوال کا مسلم طالب علم جس نے اس سال ہی امتحان انٹرنس پاس کیا ہے۔ جامع مسجد کے نزدیک مشتبہ حالت میں چکر لگاتا ہوا پایا گیا، ایک پولیس کے سپاہی نے اس سے چند سوالات کیے جس کے جواب میں اس نے صاف الفاظ میں بتلا دیا کہ وہ چکوال کا رہنے والا ہے اور وہ پلول کے اس سکھ وٹرنری سپرنٹنڈنٹ کو قتل کرنے کے لیے آیا تھا جس نے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرتے ہوئے اصطبل کے گدھے کا نام ”احمد“ رکھ دیا۔ نوجوان کے ہاتھ

میں ایک لاٹھی تھی، پولیس کے سپاہی نے جب اس کو بہ غور دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ گپتی ہے۔ سپاہی مذکور اس کو گرفتار کر کے تھانے میں لے گیا۔ وہاں بھی نوجوان نے یہی بیان دیا۔ مجسٹریٹ کی عدالت میں نوجوان نے مزید بتلایا کہ وہ سکھ اسٹنٹ سرجن کو قتل کرنے کے لیے آیا تھا اور اس مقصد کے لیے اس نے اتنا طویل سفر طے کیا، مگر جس وقت وہ پول میں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اسٹنٹ سرجن کہیں تبدیل ہو گیا ہے، علاوہ اس کے اسے یہ خیال بھی آیا کہ اس کے والدین ضعیف ہیں اگر قتل کے جرم میں اسے موت کی سزا مل گئی تو ضعیفی کے عالم میں ان کی دست گیری کون کرے گا۔ ملزم نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اپنا ارادہ تبدیل کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ تعلیم اسلام کے مطابق جہاں رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کرنے والا واجب القتل ہے اسی طرح والدین کی اطاعت بھی اولاد پر فرض ہے مگر آخر الذکر امر اولاد کے لیے اول الذکر ہے۔ مقدم ہے۔ نوجوان نے کہا کہ ان حالات کے ماتحت اس نے سکھ ڈاکٹر کے قتل کا ارادہ ترک کر دیا۔

مجسٹریٹ نے سماعت مقدمہ کے بعد نوجوان کو چار ماہ کی سزائے قید کا حکم دے دیا۔



نیر اسلام ۱۶ ستمبر ۱۹۳۴ء

## شفا خانہ حیوانات پول کے گستاخ ڈاکٹر کو قتل کرنے کا قصد!

چکوال ضلع جہلم کے ایک بست سالہ مسلم لڑکے کو چار ماہ قید بامشقت دہلی، ۷ ستمبر؛ سردار سنت سنگھ کی عدالت سے آج چکوال ضلع جہلم کے ایک بست سالہ مسلم نوجوان کو جس کا نام محمد یوسف ہے اور جو پول کے شفا خانہ حیوانات کے ڈاکٹر کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اپنے قبضہ میں بلا لائسنس اسلحہ رکھنے کے جرم کی پاداش میں زیر دفعہ ۱۹ (الف) قانون اسلحہ چار ماہ قید بامشقت کی سزا کا حکم سنایا گیا۔

محمد یوسف نے حسب ذیل بیان دیا:

”میں نے ”زمیندار“ اور ”انقلاب“ میں پول کے ڈاکٹر کی گستاخی کی تفصیل

پڑھی جس نے ایک گدھے کا نام آقا و مولا حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ”احمد“ رکھ کر اسلامیان عالم کے جذبات کو مجروح کیا تھا اور میں نے تہیہ کر لیا کہ میں اسے قتل کر کے چین لوں گا لیکن مجھے اپنے بوڑھے باپ کا خیال آ گیا جو معذور ہے جس کے لیے میں ہر روز ایک میل کے فاصلہ سے دودھ لاتا ہوں۔ میرے جذبات اس قدر مشتعل ہو چکے تھے کہ میں ایک دن پول روانہ ہو گیا اور میں نے قصد کر لیا کہ خواہ مجھے قید کر دیا جائے یا پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ میں ضرور گستاخ ڈاکٹر کو کیفر کردار کو پہنچا کر رہوں گا۔

میں نے رات پول کی ایک مسجد میں گزاری اور رات کو یکا یک مجھے پھر اپنے والد کا خیال آیا اور میں قرآن کریم عائد کردہ اس فرض کو نہ بھول سکا جو والدین کی خدمت کے سلسلہ میں اولاد کے ذمہ لگا دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر کا بھی تبادلہ ہو چکا تھا، اس لیے میں دہلی لوٹ آیا۔“

مجسٹریٹ نے محمد یوسف کو چار ماہ قید کی سزا دی اور فیصلہ میں لکھا کہ اس کا ارادہ خوف ناک تھا اور جرم بھی سنگین ہے لیکن چونکہ اس کے سر پر مذہبی جنون سوار تھا۔ وہ نوجوان ہے اس نے حال ہی میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا ہے اور اس کے والدین بوڑھے ہیں اس لیے اسے صرف چار ماہ قید با مشقت کی سزا کافی ہے۔



انقلاب ۱۵ ستمبر ۱۹۳۴ء

گدھے کو ”احمد“ سے ”بہادر“ بنا دیا گیا

وہی ڈھاک کے تین پات۔ حکومت پنجاب کا اعلان

شمارہ ۱۳ ستمبر، حکومت پنجاب کی طرف سے من درجہ ذیل اعلان ہوا ہے:

چوں کہ بعض اخبارات میں ایک گدھے کے نام کے متعلق غلط اور اشتعال

انگیز اطلاعات شائع ہو رہی ہیں، لہذا پنجاب گورنمنٹ یہ اعلان کرتی ہے کہ شفا خانہ

حیوانات کے کسی حیوان کا نام ”احمد“ نہیں رکھا گیا اور نہ کبھی کسی نے یہ تجویز کیا کہ کسی

حیوان کو اس نام سے پکارا جائے۔ اس گدھے کا اصل نام ”اجمق“ تھا لیکن آئندہ غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے اب اس کا نام ”بہادر“ رکھ دیا گیا ہے۔



انقلاب ۹ نومبر ۱۹۳۲ء

زمیندار کا پریس ضبط کر لیا گیا

ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی جائے گی

مولانا اختر علی خان سے ٹیلی فون پر یہ معلوم کر کے بے حد صدمہ ہوا ہے کہ ۷ نومبر کو تیسرے پہر حکومت پنجاب کے حکم سے منصور سٹیم پریس جس میں ”زمیندار“ چھپتا تھا۔ ضبط کر لیا گیا یعنی پریس کی مشین اور سارا سامان پولیس نے اپنے قبضے میں لے لیا، غالباً اس ضبطی کی وجہ یہ ہے کہ جس مضمون کی بنا پر ”زمیندار“ اور اس کے پریس سے چار ہزار روپے کی ضمانت طلب کی گئی تھی وہی مضمون ”زمیندار“ میں طلب ضمانت کا حکم موصول ہونے کے بعد دوبارہ شائع کر دیا گیا تھا۔

”زمیندار“ نے ابھی طلب کردہ ضمانت داخل نہیں کی اور بہ حالات موجودہ اگر وہ ضمانت داخل بھی کی گئی تو سن درجہ بالا وجہ کی بنا پر اس کے بھی ضبط ہو جانے کا خطرہ ہے، اس لیے فی الحال مولانا ظفر علی خان یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ ضمانت داخل کی جائے یا فی الحال توقف کیا جائے۔ بہ ہر کیف ہمیں اپنے معاصر سے اس حادثہ میں دلی ہمدردی ہے، ہمارے نزدیک حکومت کو اس قدر شدید اور منقمانہ رویہ اختیار نہ کرنا چاہیے اور کوئی نہ کوئی ایسی سہولت ضرور پیدا کرنی چاہیے کہ ”زمیندار“ دوبارہ نکل سکے۔ معلوم ہوا ہے کہ مالکان زمیندار پریس کی ضبطی کے خلاف عدالت عالیہ میں اپیل دائر کرنے والے ہیں۔

بعد کی اطلاع

لاہور ۷ نومبر۔ آج شام کے ساڑھے آٹھ بجے مقامی پولیس نے مسٹر گار بٹ چیف سیکرٹری حکومت پنجاب کے دستخطوں سے جاری شدہ نوٹس کی مولانا ظفر علی خان سے تعمیل کراتے ہوئے منصور سٹیم پریس کو بحق سرکار ضبط کر لیا، مولانا ظفر علی خان صاحب نے شکر یہ کے ساتھ نوٹس کی تعمیل کی۔ منصور سٹیم پریس کی ضبطی زمیندار کے تبلیغ نمبر میں ایک شائع شدہ نظم پر جو غازی

عبدالقیوم کے متعلق مولانا محمد سعید عثمانی کے قلم سے لکھی گئی تھی اور دوسرے ”پول کا گدھا“ کے مضمون کو دوبارہ شائع کرنے پر ہوئی ہے۔ منصور سٹیم پریس کی دو مشینوں، انجن، چودہ پتھروں کو مع دیگر سامان متعلقہ کے ضبط کر لیا گیا جو بیس ہزار روپے کی مالیت کا بیان کیا جاتا ہے۔ سامان کی فرد بنانے کے بعد پریس کے دروازوں کو مقفل کر کے پولیس کا پہرہ متعین کر دیا گیا۔

اس سے پیشتر اخبار زمیندار سے تین ہزار اور منصور سٹیم پریس سے ایک ہزار روپیہ کی ضمانت طلب کی جا چکی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ مالکان زمیندار اخبار اور پریس کی ضمانت داخل کرنے کے بعد کسی دوسرے پریس میں زمیندار کی اشاعت کا انتظام کریں گے۔ (مسلم نیوز سروس)



انقلاب ۱۵ دسمبر ۱۹۳۲ء

### زمیندار کی ضمانت کی واپسی --- ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض قارئین استفسار کر رہے ہیں کہ حکومت نے زمیندار سے پہلے تین ہزار روپے بہ طور ضمانت لے لیے پھر واپس کر دیے۔ اس میں کیا راز ہے۔ ہم نے باخبر حلقوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جب زمیندار سے ایک مضمون ”پول کا گدھا“ کی بنا پر ضمانت طلب کی گئی تو حسب دستور دس دن کی میعاد داخل ضمانت کے لیے دی گئی لیکن زمیندار کے طابع و ناشر نے اس وقت ضمانت داخل کی جب دو تین دن میعاد سے اوپر گزر چکے تھے۔ ڈپٹی کمشنر نے حکومت سے توسیع میعاد کی نئی منظوری حاصل کیے بغیر وہ ضمانت قبول کر لی لیکن حکومت کا نقطہ نظر یہ تھا کہ میعاد پر دو تین زائد گزر جانے کی وجہ سے اس ضمانت میں قانونی نقص پیدا ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ ضمانت واپس ہو جانی چاہیے لیکن چون کہ حکومت زمیندار کو بلا ضمانت نہ چھوڑ سکتی تھی اس لیے ایک اور مضمون کی بنا پر تین ہزار روپے طلب کر لیے گئے اور پہلی ضمانت جو حکومت کے نزدیک خلاف قانون قرار پا چکی تھی۔ واپس کر دی گئی۔ چنانچہ مولانا ظفر علی خاں صاحب نے وہی تین ہزار روپیہ دوبارہ داخل کر دیا۔





ضمیمہ

غازیان ناموس رسالت کے متعلق لٹریچر کا تعارف

کتاب کا نام: غازی علم الدین شہید

مصنف: رائے محمد کمال

صفحات: ۲۱۶

ناشر: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

سن اشاعت: بار اول: ۱۹۸۳ء

بار دوم: ۱۹۸۵ء

یہ کتاب غازی علم الدین شہید کی پہلی جامع سوانح ہے۔ مولف کتاب نے مصادر و مراجع کی جستجو میں بہت محنت کی ہے۔ کتاب کے صفحہ ۷۱ پر ماخذ کی تفصیل دی گئی ہے جن میں روزنامہ انقلاب، روزنامہ سیاست، روزنامہ زمیندار، روزنامہ الجمعیۃ، اے آئی آر ۱۹۳۰ء لاہور، روزنامہ کوہستان، روزنامہ مشرق، ہفت روزہ چٹان، اور معاصر ہندو اخبار پرتاپ (جالندھر) وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ نیز لاہور ہائی کورٹ میں محفوظ غازی صاحب کے مقدمہ کی کارروائی سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ مصنف نے غازی مرحوم کے دوست احباب اور عزیز و اقارب سے بھی معلومات لے کر کتاب میں شامل کی ہیں۔



کتاب کا نام: سیرت غازی علم الدین شہید

مصنف: محمد حبیب القادری

صفحات: ۱۶۰

ناشر: اکبر بک سیلرز، لاہور

سن اشاعت: بار اول: ۱۹۸۳ء

اس کتاب میں غازی صاحب کے خاندانی احوال درج ہیں۔ نیز آپ کی ولادت سے شہادت تک کے سفر کا بیان ہے۔ کتاب کا مقدمہ جناب ابو واصف چشتی صاحب مرحوم نے لکھا ہے۔



کتاب کا نام: غازی علم الدین شہید (منظوم)

مصنف: سیف الحق ضیائی

صفحات: ۲۸۸

ناشر: کتابستان پبلشنگ کمپنی، اردو بازار، لاہور

سن اشاعت: بار اول: جون ۲۰۰۱ء

یہ کتاب منظومات پر مشتمل ہے۔ مرتب کتاب پیشہ کے اعتبار سے سپریم کورٹ آف پاکستان کے وکیل ہیں۔ کتاب کے آغاز میں غازی صاحب کی تصویر ہے۔ ڈاکٹر ظفر علی راجا، ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی (مدیر ماہ نامہ درویش، لاہور)، سید اظہر حسن ندیم (ڈی آئی جی پولیس)، مخدوم محمد سجاد قریشی (سابقہ گورنر پنجاب)، ڈاکٹر طاہر القادری، چوہدری محمد حنیف کھٹانہ (سابق صدر لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن، پاکستان) کے پیغامات درج ہیں۔ صفحہ ۶۰ اور ۶۱ پر ”غازی علم الدین شہید میڈل“ یافتگان برائے سال ۱۹۹۶ء اور ۱۹۹۷ء کی فہرست درج ہے جن میں حکیم محمد سعید (چیمبرمین ہمدرد دواخانہ، وقف پاکستان)، ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی، انجینئر سلیم اللہ خان، ڈاکٹر سید کاظم بخاری، پیر زادہ عطا محی الدین شاہد (ایڈیشنل سیشن جج)، ڈاکٹر خالد رانجھا، ڈاکٹر پروفیسر اجمل خان نیازی، محمد اسلم ناگی (جج بینکنگ کورٹ ٹریبونل)، چوہدری مشتاق احمد خالد (سابق سول جج، پنجاب)، چوہدری محمد یونس (سول جج، پنجاب) وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ میڈلز غازی علم الدین شہید میموریل سوسائٹی کی جانب سے دیے گئے۔

کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، حصہ اول اردو اور حصہ دوم میں پنجابی اور حصہ سوم میں فارسی منظومات اور قطعات ہیں۔ حصہ اول میں جن شعراء نے غازی صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

سید ہلال جعفری، ذوق دہلوی، محمد حنیف نازش قادری، ضیا محمد ضیا، حزیں کاشمیری، اصغر نثار قریشی، علیم ناصری، حافظ لدھیانوی، عزیز لدھیانوی، منیر نوابی، قمریزدانی، امداد صدیقی  
حصہ دوم (پنجابی) میں درج ذیل شعرا کا کلام شامل ہے:

استاد عشق لہر، محمد اقبال دیوانہ، استاد اللہ دتہ صابر، ساغر بیٹ، یوسف موج، لالہ محسن رفیع جواز، غفور شاہد، ارشد جبریل، حنیف رہبر، ہمایوں پرویز شاہد، محمد بشیر ناطق، اثر انصاری فیض پوری، نذر حسین جانی، غلام رسول حیدری، حاجی عبدالعزیز، امداد صدیقی۔

حصہ سوم (فارسی) میں ان شعراء کا کلام درج ہے:

سید ذوالفقار علی نسیم، خان صابر خلیل امرتسری، مولانا ابو ظفر نازش رضوی، پیر غلام دستگیر نامی، عبدالرحمن خان قنبر لدھیانوی۔



کتاب کا نام: غازی علم الدین شہید

مصنف: کامران اعظم سوہدروی

صفحات: ۲۲۰

ناشر: مشتاق بک کارنر، اردو بازار، لاہور

سن اشاعت: بار اول: ۲۰۱۲ء

اس کتاب کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں غازی صاحب کے سیرت و کردار کے علاوہ عدالتی ریکارڈ کو جدید کمپوزنگ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔



کتاب کا نام: غازی علم الدین شہید

مصنف: فرحان ذوالفقار

صفحات: ۳۲۰

ناشر: حمزہ بکس، اردو بازار، لاہور

سن اشاعت: بار اول: ۲۰۰۸ء

اس کتاب میں غازی صاحب کے احوال شہادت کے علاوہ عدالتی ریکارڈ کو عکسی اور جدید کمپوزنگ کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔



کتاب کا نام: غازی علم الدین شہید  
مصنف: ظفر اقبال نگینہ  
صفحات: دوسو (۲۰۰)  
ناشر: جنگ پبلشرز، لاہور  
سن اشاعت: بار اول: مئی ۱۹۸۸ء

یہ کتاب دستاویزی حیثیت کی حامل ہے۔ اس کتاب میں پہلی بار غازی صاحب مرحوم کے مقدمہ کے مکمل ریکارڈ کو عکسی صورت میں پیش کیا گیا نیز قارئین کی سہولت کے لیے کمپیوٹر کمپوزنگ کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ دستاویزات میں پولیس رپورٹ، کارروائی سیشن عدالت مع فیصلہ، عدالت عالیہ میں اپیل، مقدمہ کی کارروائی اور فیصلہ، بکنگھم کورٹ (پریوی کونسل) میں اپیل مع فیصلہ کی نقول دی گئی ہیں۔

کتاب کے سرورق پر غازی صاحب کی تصویر دی گئی ہے۔ فلیپ کور پر سردار سکندر حیات خان (سابق وزیر اعظم آزاد جموں و کشمیر) اور جسٹس مجید ملک (سپریم کورٹ آزاد کشمیر) کے تاثرات ہیں۔ اس کتاب کو جنگ نیوز گروپ کے مالک میر شکیل الرحمن نے اپنے اہتمام سے شائع کیا۔



کتاب کا نام: شہید ناموس رسالت غازی علم الدین شہید  
مصنف: خولہ متین  
صفحات: ۱۲۶  
ناشر: علم و عرفان پبلشرز، اردو بازار، لاہور  
سن اشاعت: ۲۰۰۷ء

اس کتاب کو محترمہ خولہ متین نے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب میں غازی صاحب مرحوم کے متعلق مختلف احباب فہم و دانش کے منظوم و منثور تاثرات و مقالات جمع کیے گئے ہیں۔



کتاب کا نام: غازی علم دین شہید

مصنف: راؤ جاوید اقبال

صفحات: ۴۰

ناشر:

شعبہ نشر و اشاعت لوہ کوٹ کلچرل اینڈ ہیئرٹج سوسائٹی،  
لاہور، آفس 1، فلور 9، امتیاز پلازہ بند روڈ، چوک یتیم خانہ، لاہور

سن اشاعت: بار اول: اگست ۲۰۰۸ء

یہ کتاب کلچر انفارمیشن اینڈ یوتھ انفیر، حکومت پنجاب کے خصوصی تعاون سے شائع ہوئی۔ کتاب کا انتساب ڈاکٹر تنویر الاسلام رانا (صوبائی وزیر ثقافت، پنجاب) کے نام ہے جب کہ اوریا مقبول جان (معروف کالم نگار و تجزیہ نگار) کی ملی، مذہبی، سماجی اور ثقافتی خدمات پر خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کی ترتیب و تالیف میں فاضل مولف نے قدیم اخبارات مثلاً روزنامہ پیسہ، انقلاب، زمیندار وغیرہ سے استفادہ کیا ہے۔ کتاب کے شروع میں غازی علم دین شہید کا شجرہ نسب اور اخیر میں آپ کے مزار مبارک کی مکمل تفصیلات مع تعارف دیگر مدفونین دیا گیا ہے۔ اخیر کتاب میں اس دوکان کی تصویر بھی دی گئی ہے جس میں غازی علم دین نے راج پال ملعون کو واصل جہنم کیا تھا۔



کتاب کا نام: نیا قصہ شہادت - غازی علم الدین شہید

مصنف: درج نہیں

صفحات: ۶

ناشر: ایجوکیشنل پریس، جالندھر شہر

سن اشاعت: دسمبر ۱۹۲۹ء

غازی موصوف کی بارگاہ میں پہلا منظوم خراج عقیدت ہے۔



کتاب کا نام: نیا قصہ - غازی علم الدین صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ  
مصنف: منشی ظفر حسین صاحب ظفر ابن ایچ اے صاحب مرحوم  
کوٹ خواجہ سعید، لاہور  
حسب فرمائش: منشی گل احمد تاجر کتب و مالک صابریہ بک ڈپولاہور نو لکھا بازار  
صفحات: ۸  
ناشر: صابریہ بک ڈپولاہور نو لکھا بازار لاہور  
سن اشاعت: نومبر ۱۹۲۹ء بار دوم  
اس رسالہ کے آخر میں غازی علم الدین شہید کے بچپن سے جوانی اور پھر شہادت کے احوال پر مشتمل ایک کتاب ”سوانح عمری غازی علم الدین شہید“ کا اشتہار بھی درج ہے۔



کتاب کا نام: نواں قصہ غازی مرید حسین شہید علیہ الرحمۃ  
مصنف: درج نہیں  
صفحات: ۱۶  
ناشر: طالب حسین رشک، متصل مسجد احمدیہ چکوال  
ملنے کا پتہ: شیخ عبدالغفور اینڈ سنز، جنرل مرچنٹ چکوال ضلع جہلم  
مطبع: اتحاد پریس، لاہور

سال اشاعت درج نہیں۔ البتہ ایک طویل نظم کے آخر میں تاریخ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۷ء درج ہے، یوں یہ غازی مرید حسین شہید کے متعلق سب سے اول رسالہ معلوم ہوتا ہے۔ راقم کو اس رسالہ کا عکس محترم جناب حسن نواز شاہ (نڑالی - گوجران) نے عنایت کیا۔ اس میں غازی صاحب کی شہادت پر مختلف شعراء کی کہی گئی نظمیں شامل کی گئی ہیں جن میں محمد غالب اشک صحرائی (سیکرٹری بزم ادب، چکوال)، ذکاء اللہ بسمل، ابوالفضل مولانا محمد کرم الدین دبیر (رئیس اعظم ہمیں تحصیل چکوال) اور مولانا محمد عبدالرحمن درود (سکنہ سوال، قصبہ ڈھڈیاں تحصیل چکوال) شامل ہیں۔ رسالہ کے آخر میں ناشر کی جانب سے پنجابی اشعار پر مشتمل ”سوانح عمری غازی مرید

حسین“ کا اشتہار دیا گیا ہے جس کے مصنف / شاعر مولانا محمد عبدالرحمن دردمسوالی ہیں۔



کتاب کا نام: قصہ غازی مرید حسین عاشق خیر الوری علیہ الرحمۃ  
مصنف: قاضی جلال حسین (ضلع سرگودھا کے قصبہ کوٹ مومن کے رہائشی)  
صفحات: --  
ناشر:

کتاب مطبوع اور پنجابی نظم میں ہے۔



کتاب کا نام: عشق رسول کے ایمان افروز واقعات  
مصنف: مولانا عماد الدین محمود

۱۶۰

صفحات: ۱۶۰  
ناشر: ادارہ تالیفات ختم نبوة، اردو بازار، لاہور

سن اشاعت: بار چہارم: ۲۰ مارچ ۲۰۰۹ء

اس کتاب کا آغاز سلطان نور الدین زنگی کے واقعہ سے کیا گیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا سلطان کے خواب میں آکر دو آدمیوں کی نسبت اشارہ کر کے بے چینی کا اظہار کرنا، سلطان کا تفتیش کرنا اور روضہ رسول کے بارے نصاریٰ کی خطرناک سازش کو ناکام بنانا وغیرہ تفصیل سے درج ہے۔ اس واقعہ کے بعد غازی علم الدین شہید، غازی عبدالقیوم شہید، غازی میاں محمد شہید، غازی عبداللہ شہید، غازی عامر عبدالرحمن چیمہ شہید کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں۔

کتاب کے سرورق کے مطابق اس میں سلطان نور الدین زنگی سے لے کر غازی علم الدین شہید تک کے واقعات عشق رسول کو جمع کیا گیا ہے۔ جب کہ فاضل مصنف نے سلطان نور الدین زنگی کے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد غازی علم الدین شہید کا واقعہ بیان کیا ہے اور درمیانی عرصہ کے واقعات کی کھوج میں کوشش صرف نہیں کی۔ لہذا یہ عبارت ”سلطان نور الدین زنگی سے لے کر غازی علم الدین شہید تک“ کی بجائے ”غازی علم الدین شہید سے غازی عامر



عبدالرحمن چیمہ شہید تک“ ہوتی تو زیادہ جامعیت کا اظہار ہوتا۔



کتاب کا نام: غازی علم دین سے غازی عامر چیمہ تک

مصنف: محمد مقصود احمد شہید

صفحات: ۱۲۰

ناشر: مکتبہ عرفان، ۳۷ حق سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

سن اشاعت: بار دوم: ذی الحجۃ الحرام ۱۴۲۹ھ

یہ کتاب غازیان ناموس رسالت - غازی علم الدین شہید، غازی عبدالرشید شہید، غازی میاں محمد شہید، غازی عبداللہ شہید، غازی مرید حسین، غازی صدیق شہید، غازی عبدالرحمن، غازی امیر احمد شہید، غازی عبداللہ شہید، غازی غلام محمد شہید اور غازی عامر چیمہ شہید کے مختصر تذکرہ پر مشتمل ہے۔

مولف نے مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند منظور حسین کو بھی غازیان ناموس رسالت کی فہرست میں شامل کر لیا ہے جو کہ درست نہیں۔ رائے محمد کمال نے اس بابت اپنے مقالہ ”تحفظ ناموس رسالت کی چند گم شدہ کڑیاں - شخصیات و واقعات“ (مشمولہ ماہ نامہ نعت، لاہور - شہیدان ناموس رسالت نمبر بابت اپریل ۱۹۹۱ء) میں اس کی تردید کی ہے اور قاضی منظور حسین کے بھائی قاضی مظہر الدین کے خط کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ قاضی منظور حسین نے ذاتی رنجش اور خاندانی جائیداد کے قضیہ کے سبب ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ مزید لکھتے ہیں:

”اسے میری غیر ذمہ داری کہیے کہ خواہ مخواہ ایک شخص کو شہیدان ناموس

رسالت کی صف میں لاکھڑا کیا اور ریکارڈ میں سخت غلطی واقع ہو گئی۔ اب میں اس

معاملہ کو اپنی خطا گردانتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ قاضی مولانا منظور حسین صاحب

غازی علم الدین شہید و غازی مرید حسین شہید کے قافلے میں شامل نہیں۔“

لہذا مولف مذکور کو چاہیے کہ کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کر لیں۔

کتاب کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اس کے اخیر میں عہد رسالت سے دور حاضر تک

گستاخان رسول کا نام اور ان کو انجام تک پہنچانے والے غیر مسلمانوں کے نام اور سن وقوعہ پر

مشتمل ایک فہرست دی گئی ہے۔



کتاب کا نام: غازی میاں محمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

مصنف: رائے محمد کمال

صفحات: ۱۵۲

ناشر: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

سن اشاعت: بار اول: اگست ۱۹۸۶ء

کتاب کے آغاز میں غازی میاں محمد شہید اور ان کے والد گرامی، برداران اور رفقاء کی تصاویر دی گئی ہیں۔ تصنیف و تحقیق کے مراحل سے فاضل مولف کس طرح گزرے، اس کا ذکر انہوں نے اپنے پیش لفظ میں کیا ہے۔ کتاب کے اخیر میں ولسن اینڈ کمپنی (سولٹرز، پریوی کونسل اپیل ایجنٹس) کے دو خطوط کا عکس بھی دیا گیا ہے۔ غازی صاحب موصوف کے حالات زندگی و واقعہ شہادت کے تعلق سے یہ اولین کتاب ہے۔



کتاب کا نام: ناموس رسالت کے سات شہید

مصنف: رائے محمد کمال

صفحات: ۴۴۸

ناشر: جہانگیر بک ڈپو، اردو بازار، لاہور

سن اشاعت: ۲۰۰۶ء

اس کتاب میں غازی عبدالرشید شہید، غازی علم الدین شہید، غازی عبدالقیوم شہید، غازی محمد صدیق شہید، غازی مرید حسین شہید، غازی میاں محمد شہید اور غازی محمد عبداللہ شہید کے حالات اور جرات و دلیری کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ رائے محمد کمال نے غازیان ناموس رسالت کے احوال کا کھوج لگانے اور اصل مصادر و ماخذ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت کی ہے۔ اور بلاشبہ غازیان ناموس رسالت کے حوالہ سے آپ کا نام اتھارٹی مانا جاتا ہے۔



کتاب کا نام: شہیدان ناموس رسالت

مصنف: محمد متین خالد

صفحات: ۳۹۰

ناشر: فاتح پبلشرز، یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

سن اشاعت: سن ندارد

اس کتاب میں فاضل مولف نے شہیدان ناموس رسالت کے متعلق مختلف جراید و رسائل میں شائع ہونے والے مقالات کو یک جا کر دیا ہے۔ غازی علم الدین شہید، غازی عبدالقیوم شہید، غازی مرید حسین شہید، غازی میاں محمد شہید، غازی عبدالرشید شہید، غازی عبداللہ شہید، غازی محمد صدیق شہید، غازی امیر احمد شہید، غازی عبدالمنان شہید، غازی احمد دین شہید، غازی زاہد حسین کے متعلق متعدد مقالات شامل کیے گئے ہیں۔ دیگر مقالات میں تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء، توہین رسالت کی سزا۔ عہد رسالت میں، توہین رسالت کا اصل قانون، بسنت اور توہین رسالت، شہادت سرکار کی کوششیں اور مسلمان حکمران، رسول اللہ کے دشمنوں کی نفسیاتی تحلیل، شاتمان رسول کا عبرت ناک انجام وغیرہ شامل ہیں۔

مقالہ نگاران میں حاجی نواب الدین گوٹروی، راجا رشید محمود، صاحب زادہ سید خورشید گیلانی، پروفیسر ڈاکٹر سید سلطان شاہ، ڈاکٹر ام خولہ، محمد اسماعیل قریشی (ایڈووکیٹ)، ڈاکٹر محمود احمد غازی، پروفیسر محمد اکرم رضا، ڈاکٹر اختر چیمہ، ظفر اقبال نگینہ، ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔



کتاب کا نام: غازی و شہید مرید حسین

مصنف: محمد کعب شریف

صفحات: ۱۷۶

ناشر: محمد صادق، ساکن سدوال (تخصیل و ضلع چکوال)

سن اشاعت: بار سوم: ۲۰۰۳ء

یہ کتاب شہید ناموس رسالت غازی مرید حسین کے خاندانی حالات و تعارف، رام گوپال کی گستاخانہ جسارت اور قتل سے لے پوئیس و عدالتی کارروائی کی تفصیلات، غازی موصوف کا وصیت نامہ، واقعہ شہادت اور تجہیز و تکفین کی روداد پر مشتمل ہے۔ جدید ایڈیشن میں اردو و پنجابی مناقب شامل کی گئی ہیں۔



کتاب کا نام: سوانح حیات پروانہ شمع رسالت غازی مرید حسین شہید  
مصنف: رائے محمد کمال  
صفحات: ۱۲۳  
ناشر: شہیدان ناموس رسالت پبلی کیشنز، چاہ میراں، لاہور  
سن اشاعت: اکتوبر ۱۹۹۹ء



کتاب کا نام: تحریک مسجد شہید گنج کے گم نام مجاہد۔ غازی محمد اسحاق شہید  
مصنف: جلال الدین ڈیروی  
صفحات: ۸۰  
ناشر: مدرسہ تعلیم القرآن دربار غازی محمد اسحاق شہید، سلامت پورہ، لاہور  
سن اشاعت: جون ۲۰۰۵ء

تحریک مسجد شہید گنج، لاہور کے ایک گم نام مجاہد غازی محمد اسحاق شہید کے حالات پر یہ پہلا رسالہ ہے۔ غازی اسحاق شہید عالمی شہرت یافتہ قاری غلام رسول کے برادر اکبر تھے۔ اس رسالہ میں غازی صاحب کے خطوط کا عکس اور مزار کی تصویر بھی شامل ہے۔



کتاب کا نام: ممتاز قادری کیس میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے  
مصنف: علامہ محمد خلیل الرحمن قادری  
ناشر: نایب ناظم اعلیٰ ملی مجلس شرعی، پاکستان

ممبر مرکزی رویت ہلال کمیٹی، پاکستان

۲۴

صفحات:

ملی مجلس شرعی، لاہور۔ پاکستان

ناشر:

بار دوم: ۲۰۱۶ء

سن اشاعت:

اس مختصر رسالہ میں غازی ممتاز حسین قادری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سپریم کورٹ

آف پاکستان کے غیر شرعی فیصلہ کا قرآن و سنت کی روشنی میں تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔



غازی ملک ممتاز حسین قادری کا اقدام۔ اسلام، ایمان اور قانون

کتاب کا نام:

کی روشنی میں

علامہ محمد خلیل الرحمن قادری

مصنف:

نائب ناظم اعلیٰ ملی مجلس شرعی، پاکستان

ممبر مرکزی رویت ہلال کمیٹی، پاکستان

۲۴

صفحات:

اسلامک میڈیا، لاہور۔ پاکستان

ناشر:



غازی یا قاتل

کتاب کا نام:

ڈاکٹر عمیر محمود صدیقی

مصنف:

۲۸۸

صفحات:

زاویہ پبلشرز، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

ناشر:

بار اول: ۲۰۱۲ء

سن اشاعت:

یہ کتاب دراصل فاضل مولف کے چار تحقیقی رسائل کا مجموعہ ہے جن کو اب چار ابواب کی

صورت میں جمع کر دیا گیا ہے۔ چاروں ابواب کے نام بالترتیب یہ ہیں:

باب اول: هل یقتل المسلم بالمرتد (کیا مسلمان کو مرتد کے بدلے قتل کیا جائے

گا؟

باب دوم: کیا مرتد کے قتل کیے جانے پر اس کی تعزیت اور تاسف کا اظہار کرنا جائز ہے؟  
 باب سوم: جاوید احمد غامدی کا نظریہ ارتداد اور اس کا تحقیقی جائزہ  
 باب چہارم: توہین رسالت کی سزا قرآن و سنت اور بائبل کی روشنی میں  
 یہ تمام رسائل فاضل مولف نے غازی ممتاز حسین قادری علیہ الرحمۃ کی حمایت میں تحریر کیے اور قرآن و سنت اور فقہاء کرام کے اقوال کی روشنی میں ثابت کیا کہ ملک ممتاز حسین قادری کو ”غازی“ کہنا درست ہے اور سلمان تاثیر اپنے اقوال و افعال کے اعتبار سے مرتد ہے۔ کتاب ہذا پر علامہ سید ریاض حسین شاہ، مفتی محمد خان قادری، علامہ خلیل الرحمن قادری اور علامہ سید عظمت شاہ گیلانی کی تقاریظ ہیں۔



مقدمہ شہید ناموس رسالت غازی ملک محمد ممتاز حسین قادری

(حکومتی وعدا لقی قتل اور میڈیا کی بے حسی کی بدترین مثال)

مصنف: صادق علی زاہد

صفحات: ۳۲

ناشر: ختم نبوت ریسرچ سنٹر، محلہ بال لیلانزکانہ صاحب

سن اشاعت: جولائی ۲۰۱۶ء

اس مختصر رسالہ میں آسیہ ملعونہ کی گستاخی سے لے کر ممتاز قادری کی شہادت کے واقعات کو

معتبر ماخذ کی روشنی میں اجمالی طور پر بیان کیا گیا ہے۔



ممتاز حسین قادری - شخصیت اور سفر آخرت

مصنف: مولانا شہزاد قادری ترابی

صفحات: ۱۳۶

ناشر: تحریک لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (پتہ درج نہیں)

سن اشاعت: ۲۰۱۶ء

قرآن و سنت کی روشنی میں گستاخ کی سزا اور غازی ممتاز حسین قادری کے اقدام پر سیر

حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ نیز تعزیرات پاکستان میں تحفظ ناموس رسالت سے متعلق شق ۲۹۵ سی کا تعارف، آسیہ ملعونہ کا معاملہ مفصل بیان کیا گیا ہے۔ غازی ممتاز قادری کے مقدمہ و شہادت کے متعلق اخباری تراشوں کے عکس بھی شامل کتاب ہیں۔



کتاب کا نام: کروں تیرے نام پہ جاں فدا

مرتب: محمد کاشف رضا

صفحات: ۳۶۸

ناشر: درج نہیں۔

سن اشاعت: مارچ ۲۰۱۶ء

یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ناموس رسالت و قانون ناموس رسالت کے متعلق علماء کرام و ماہرین قانون کے مقالات پر مشتمل ہے۔ دوسرا باب غازی ممتاز حسین قادری کے حالات پر مشتمل ہے، تیسرے باب میں غازی ممتاز قادری کی گرفتاری کے بعد کاٹی گئی ایف آئی آر اور یمن کے دارالافتاء سے جاری شدہ فتویٰ پر مشتمل ہے۔ چوتھے باب میں غازی ممتاز قادری کے بھائی ملک دل پذیر اعوان اور وکلاء کے انٹرویوز ہیں، پانچواں باب میڈیا کا کردار پر مشتمل ہے جس میں مختلف کالم نویسوں کے کالم شامل کیے گئے ہیں جب کہ آخری باب مناقب پر مشتمل ہے۔



کتاب کا نام: محافظ ناموس رسالت غازی ممتاز حسین قادری

مصنف: مفتی محمد حنیف قریشی

صفحات: ۵۶۲

ناشر: شباب اسلامی، راول پنڈی، پاکستان

سن اشاعت: جنوری ۲۰۱۲ء

یہ کتاب غازی ممتاز قادری کی حیات میں شائع ہونے والی اولین کتاب ہے، اس کتاب میں ممتاز قادری کے ابتدائی حالات، سلمان تاثیر کا قتل، ایف آئی آر، عدالت میں پیشی وغیرہ کا

حال مفصل بیان کیا گیا ہے، نیز اخبارات و رسائل کے عکوس کے علاوہ ممتاز کالم نگاروں کے متعدد کالموں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اخیر کتاب میں غازی ممتاز قادری کے چند خطوط کا عکس بھی دیا گیا ہے۔



کتاب کا نام: شہید ناموس رسالت عامر عبدالرحمن چیمہ علیہ الرحمۃ

مصنف: محمد متین خالد

صفحات: ۳۶۰

ناشر: علم و عرفان پبلشرز، اردو بازار، لاہور

سن اشاعت:

ستمبر ۲۰۰۵ء میں ڈنمارک کے ایک اخبار نے توہین آمیز خاکے شائع کیے تو عالم اسلام میں اضطرابی کیفیت پیدا ہو گئی۔ پوری دنیا میں مظاہرے ہوئے۔ جنوری ۲۰۰۶ء میں ۲۲ ممالک کے ۷۵ اخبارات و رسائل نے ان خاکوں کو دوبارہ شائع کیا۔

۲۸ سالہ پاکستانی نوجوان عامر چیمہ نے ۲۰ مارچ ۲۰۰۶ء کو خاکے شائع کرنے والے جرمن اخبار کے ایڈیٹر ہنرک بروڈر پر قاتلانہ حملہ کیا۔ جس کی پاداش میں برلن پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا اور جیل میں تشدد کرتے ہوئے ان کی شہ رگ کاٹ دی اور واقعہ کو خودکشی کا رنگ دینے کی ناکام کوشش کی۔ تاہم اس دوران عامر چیمہ غازیان ناموس رسالت کی صف میں خود کو شامل کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ غازی عامر چیمہ کی شہادت پر ملک کے معروف صحافیوں، علماء و دانشوروں نے اپنی تحریروں میں غازی موصوف کو خراج عقیدت پیش کیا۔ پیش نظر کتاب اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے اداروں، مقالات اور منظومات کا مجموعہ ہے جو کہ بلاشبہ ایک اہم دستاویزی حیثیت کی حامل ہے۔

کتاب کا نام: تذکار شہید ناموس رسالت ممتاز حسین قادری علیہ الرحمۃ

مصنف: سردار محمد اکرم بٹر

صفحات: ۳۰۴

ناشر: ادارہ نوید سحر، لاہور



سن اشاعت: فروری ۲۰۱۷ء



کتاب کا نام: غازی عبدالقیوم شہید - ذرۃ خاک سے مہر عالم تاب تک

مصنف: --

صفحات: ۱۴

بہ تعاون: الحق ویلفیئر ٹرسٹ، فیڈرل بی ایریا بلاک ۱۳، کراچی

ناشر: غازی عبدالقیوم شہید یادگاری کمیٹی، کراچی



جراندورسائل کے خصوصی شمارے:

ماہ نامہ درویش، لاہور - عاشقان پاک طینت نمبر

خصوصی شمارہ مئی ۱۹۹۴ء

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی

جلد: ۶، شماره: ۵، صفحات: ۹۶

مقام اشاعت: المصطفیٰ ہومیوکلینک، ۵۴ عبدالکریم روڈ، لاہور

اس خصوصی شمارہ میں غازی عبدالرشید شہید، غازی علم دین شہید، غازی عبدالقیوم شہید،

غازی میاں محمد شہید، غازی مرید حسین شہید، غازی محمد اسحاق، غازی عبداللہ، غازی احمد دین اور

غازی معراج دین شہید کے متعلق مقالات ہیں۔ مقالہ نگاران میں ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی، ملک

شیر محمد، فیاض احمد کاوش، سید خورشید احمد گیلانی، سردار علی صابری، سید وحید الدین، منیر نوابی، مفتی

محمد مختار، محمد اختر چیمہ، ظفر اقبال، محمد محسن اقبال اور ضیا جالوی کے نام شامل ہیں۔



ماہ نامہ نعت، لاہور - شہیدان ناموس رسالت نمبر ۲

مدیر اعلیٰ: راجا رشید محمود

مقام اشاعت: اظہر منزل، چوک گلی نمبر 10/5، نیو شالیماں کالونی، ملتان روڈ، لاہور - پاکستان

ماہ نامہ نعت، لاہور کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جنوری ۱۹۹۱ء سے مئی ۱۹۹۱ء تک لگاتار پانچ

خصوصی شمارے شہیدان ناموس رسالت کے متعلق جاری کیے۔ چھٹا خصوصی شمارہ جولائی / اگست ۱۹۹۹ء میں ”تحفظ ناموس رسالت“ کے عنوان سے جاری ہوا۔ ۲۰۰۶ء میں غازی عام عبدالرحمن چیمہ شہید ہوئے تو ساتواں خصوصی شمارہ ستمبر ۲۰۰۶ء میں ”شہیدان ناموس رسالت“ کے عنوان سے جاری کیا گیا جو کہ پہلے جاری کردہ تمام شماروں سے زیادہ ضخیم تھا۔ ان تمام شماروں کے مندرجات کی تفصیلات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

= شہیدان ناموس رسالت نمبر برائے ماہ جنوری ۱۹۹۱ء

اس شمارے میں معروف نعت گو شاعر راجا رشید محمود، پروفیسر اکرم رضا، پروفیسر ضیاء المصطفیٰ، نواب الدین گولڑوی اور علامہ سید احمد سعید کاظمی کے مقالات شامل ہیں۔ مقالات کے عنوانات بالترتیب یہ ہیں:

محبت کے تقاضے اور سرکار صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت، تحفظ ناموس رسالت۔ اہمیت اور تقاضے، گستاخ سرکار کو قتل کیا جائے گا، تو بہن رسالت کی سزا، گستاخ رسول کی سزا۔ منظومات میں حفیظ جالندھری، محمد حسین آسی، یونس حسرت، افضل کوٹلوی، نظیر لدھیانوی، حافظ لدھیانوی، نازش قادری، ضیا محمد ضیا، خالد بزوی، حزیں کاشمیری، اصغر نثار قریشی، مولانا ظفر علی خان، پروفیسر محمد اکرم رضا اور راجا رشید محمود کی نظمیں شامل ہیں۔ کل صفحات ۱۱۲ ہیں۔

= شہیدان ناموس رسالت نمبر برائے ماہ فروری ۱۹۹۱ء

ابھی دستیاب نہیں ہوا۔

= شہیدان ناموس رسالت نمبر برائے ماہ مارچ ۱۹۹۱ء

اس شمارے میں رائے محمد کمال، محمد کعب شریف، صابر علی چشتی، غلام نصیر الدین چشتی، چودھری محمد ایوب، ڈاکٹر لیاقت علی نیازی (سابق ڈپٹی کمشنر چکوال و ریٹائرڈ ڈائریکٹر لاہور میوزیم)، ملک منیر نوابی اور فضہ عابدہ نقوی کے مقالات شامل ہیں۔

اس شمارے میں غازی مرید حسین شہید اور میاں محمد شہید کے متعلق مقالات اور منظومات ہیں۔ غازی میاں محمد شہید کا آخری خط جو کہ انہوں نے اپنے بھائی ملک نور محمد کے نام لکھا تھا۔ بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس شمارے کے کل صفحات بھی ۱۱۲ ہیں۔

= شہیدان ناموس رسالت نمبر برائے ماہ اپریل ۱۹۹۱ء

اس خصوصی شمارے میں غازی عبدالقیوم شہید، غازی عبدالرشید شہید، غازی محمد صدیق شہید، غازی محمد عبداللہ شہید اور غازی امیر احمد شہید کے متعلق مقالات اور منظومات شامل ہیں۔ ”سوگوار مسلمانوں پر فائرنگ“ کے عنوان سے راجا رشید محمود نے غازی عبدالقیوم شہید کے جنازے پر انگریز فوج کی فائرنگ کے اسباب اور اس کے نتیجے میں ہونے والی شہادتوں کے درست حقائق بیان کیے ہیں۔ ”تحفظ ناموس رسالت کی چند گم شدہ کڑیاں“ کے عنوان سے رائے محمد کمال نے چند گم نام شہیدان ناموس رسالت کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اس شمارے کے صفحات بھی ۱۱۲ ہیں۔

= شہیدان ناموس رسالت نمبر برائے ماہ مئی ۱۹۹۱ء

اس شمارے میں گورنمنٹ کالج یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے انچارج پروفیسر سید محمد سلطان شاہ، ڈاکٹر شہناز کوثر، راجا رشید محمود، اظہر محمود، رائے محمد کمال، نسرین اختر کے مقالات شامل ہیں۔ حصہ منظومات میں محشر بدایونی، فیض الرسول فیضان، ہلال جعفری، راجا رشید محمود، آغاز برنی کا کلام شامل ہے۔ اس شمارے کے صفحات بھی ۱۱۲ ہیں۔

= تحفظ ناموس رسالت نمبر برائے ماہ جولائی/ اگست ۱۹۹۹ء

اس شمارے کے مرتب و مصنف رائے محمد کمال ہیں اور اس شمارے میں گستاخ رسول کی شرعی سزا بارے قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کے طرز عمل سے دلائل پیش کیے گئے ہیں نیز مسلمان رشتہ داری کی بھرپور مذمت کی گئی ہے۔ اس شمارے کے کل صفحات ۲۰۰ ہیں۔

= شہیدان ناموس رسالت نمبر برائے ماہ ستمبر ۲۰۰۶ء

اس خصوصی شمارے کا دوسرا نام ”غازی عامر عبدالرحمن چیمہ شہید نمبر“ ہے اور اس کے مرتب افضل احمد انور ہیں۔ اس شمارے میں ڈنمارک سے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت، مسلمانوں کے رد عمل اور ملعون کارٹونسٹ پر حملہ اور غازی عامر چیمہ شہید کی گرفتاری سے شہادت، میت کی پاکستان آمد اور تجہیز و تکفین و تدفین اور چہلم کے حالات کا مفصل بیان ہے۔ منظومات میں راجا رشید محمود، ضیا محمد ضیا، ارشد فارانی، سید عارف محمود مہجور رضوی، محمد

ابراہیم عاجز، ضیاء نیر، پروفیسر محمد حسین آسی، عبدالقیوم طارق سلطان پوری، حکیم سر وسہارن پوری کا کلام شامل ہے۔ یہ شمارہ ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔



ماہ نامہ العاقب، لاہور کا خصوصی شمارہ۔ غازی ملک ممتاز حسین قادری

مدیر: محمد وحید نور

صفحات: ۲۴۰

ناشر: فدایان ختم نبوت، جامع مسجد رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم، مدینہ کالونی نزد گرینڈ بیٹری سٹاپ

متصل شیل پٹرول پمپ، چوک یتیم خانہ لاہور

سن اشاعت: جنوری / مارچ ۲۰۱۷ء

یہ خصوصی شمارہ غازی ممتاز قادری کے متعلق تقریباً ۴۶ مقالات و منظومات پر مشتمل ہے۔ ایک مقالہ غازی احمد شیر خان نیازی کے متعلق ہے نیز رسالہ کے آخر میں راقم کا مقالہ ”ردِ قادیانیت میں پیسہ اخبار کا حصہ“ بھی شامل کیا گیا ہے۔ غازی ممتاز قادری کے متعلق مدیر رسالہ وحید نور، معروف صحافی انصار عباسی، چوہدری رفیق احمد باجوہ (ایڈووکیٹ)، پروفیسر بابر حسین بابر، محمد نوید شاہین (ایڈووکیٹ)، پروفیسر متین الرحمن، پروفیسر ظہیر احمد ظہیر اور پیر سید عرفان شاہ مشہدی کے مقالات شامل ہیں۔ غازی ممتاز قادری کے والد کے تاثرات نیز غازی صاحب کے وکلاء کے انٹرویوز بھی شامل اشاعت ہیں۔

رسالہ کے ہر صفحہ کے نیچے بارڈر میں امام مالک کا مشہور قول ”ما بقاء الامۃ بعد شتم نبیہا“ مع اردو ترجمہ ”کیا گستاخ رسول سے انتقام لیے بغیر مسلم امہ کو زندہ رہنے کا حق ہے؟“ درج کیا گیا ہے۔



انٹرنیشنل ماہ نامہ پاکستانی، کراچی۔ شان رسالت نمبر

ایڈیٹر: وسیم الدین

صفحات: ۵۰

تاریخ اشاعت: اپریل، مئی ۲۰۰۶ء

۲۰۰۶ء میں جب مختلف یورپی ممالک کے اخبارات نے توہین آمیز خاکے شائع کیے تو دنیا بھر کے مسلمان سراپا احتجاج ہو گئے۔ اسی دوران غازی عامر چیمہ شہید کا کردار بھی سامنے آیا جنہوں نے ملعون اخبار کے ایڈیٹر پر حملہ کیا اور غیرت دینی کا بھرپور اظہار کیا۔ ماہ نامہ پاکستانی کا یہ شمارہ اسی پس منظر میں جاری ہوا۔ اس خاص شمارہ کا موضوع اگرچہ شان رسالت ہی ہے لیکن اس میں غازیان ناموس رسالت کے متعلق مضامین بھی شامل ہیں چنانچہ اس خاص شمارہ کے صفحہ نمبر ۵ پر ”بیسویں صدی کا پہلا شہید غازی عامر چیمہ شہید“ کے عنوان سے محترمہ سعدیہ وسیم کا مضمون ہے۔ (مضمون کا عنوان ”اکیسویں صدی کا پہلا شہید“ ہونا چاہیے تھا) نیز رسالہ کے صفحہ نمبر ۳۰ پر برطانوی دور حکومت کے ہندوستان میں عاشقان رسول کے ہاتھوں توہین رسالت کرنے والوں کے ”عبرت ناک انجام کی داستانیں“ کے عنوان سے ایک طویل مضمون ہے جسے رسالہ کا باب نمبر ۱۳ بھی قرار دیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں غازی خدا بخش، غازی عبدالعزیز، غازی علم الدین شہید، غازی عبدالقیوم شہید، غازی مرید حسین شہید، غازی میاں محمد شہید، غازی عبدالرشید شہید، غازی محمد صدیق شہید، غازی زاہد حسین اور غازی عبداللہ شہید کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

اس خاص شمارہ کے دیگر اہم مقالات کے عنوان درج ذیل ہیں:

گزارش احوال واقعی - چند حقائق چند تجاویز، ہم شرم سار ہیں (اداریہ)، یہودی سکھ عیسائی ہندو بدھ مت کے ممتاز دانش وروں کا رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت (از: بلقیس شیخ)، مغرب اور اسلام (از: پروفیسر خیال آفاق)، توہین رسالت اور ہمارا شعور (از: شاہنواز فاروقی)، عظمت اسلام موومنٹ کے امیر میجر جنرل ظہیر الاسلام عباسی سے نمائندہ ماہ نامہ پاکستانی کی ملاقات کا احوال، نئی کربلا (از: شاہنواز فاروقی)، مسلمانوں میں فرقے - یہودیوں کی گھناؤنی سازشوں کے پیداوار (از: دانیال وسیم)، تاریخ کا ایک ورق - صلیبی جنگوں سے تہذیبی تصادم تک (ترجمہ از: طاہر منصور فاروقی)، عالم کفر کا واحد ہدف - مسلمان (از: رضی الدین سید)، اے کاش کوئی ایک تو ایسا ہوتا! (از: خالد عمران)، ایک بھولا ہوا سبق (از: مولانا عبدالغفور)، توہین رسالت کے ممکنہ مقاصد (از: عطاء محمد جنجوعہ)، توہین رسالت کے خلاف عوامی احتجاج (از: محمد علی سید)، اہل مغرب کی ناکام سازش (از: محمد اسماعیل ریحان)، کیا ہم جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے اہل

ہیں (از: پروفیسر خیال آفاقی)، توہین رسالت کا بدترین سانحہ۔ مسلم حکمرانوں کی مجرمانہ خاموشی (از: شاہنواز فاروقی)، دشمن کی نت نئی سازشیں اور ہماری ذمہ داریاں (از: حکیم سید محمود احمد)، توہین رسالت اور مسلم حکمرانوں کی بے چارگی (از: خواجہ رضی حیدر)، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا واجب القتل ہے (از: علامہ سید رضی جعفر نقوی)، رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر اور قرآن پاک کی گواہی (باب اول)، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا کارٹونوں کی اشاعت کے ذریعہ منصوبہ۔ سازش بے نقاب (باب دوم)، ملعون اخبارات کی فہرست جنہوں نے توہین رسالت پر مبنی کارٹون شائع کرنے کی جسارت کی (باب نمبر ۳)، توہین رسالت پر مبنی کارٹونوں کو شائع کرنے والے غیر ملکی اخبارات کے خلاف کارروائیاں (باب نمبر ۴)، عالمی مذہبی سیاسی راہنماؤں اور حکمرانوں کا احتجاج (باب نمبر ۵)، توہین رسالت پر مبنی کارٹون بنانے والے ۱۲ آرٹسٹوں کے قتل پر انعامات (باب نمبر ۶)، ایڈیٹر، وزیراعظم اور وزراء کے شرم ناک رویے (باب نمبر ۷)، ڈنمارک کی مصنوعات بائیکاٹ کرنے والے ممالک (باب نمبر ۸)، توہین انبیاء کرنے والوں کے ساتھ سلوک کے لیے اللہ کے احکامات۔ قرآن پاک کی روشنی میں (باب نمبر ۹)، ڈنمارک کی مصنوعات کے نام اور نشانات (باب نمبر ۱۰)، عہد رسالت میں توہین کرنے والوں کے ساتھ سپہ سالار اعظم کا سلوک (باب نمبر ۱۱)، جنگ یمامہ (باب نمبر ۱۲)، عبرت ناک انجام کی داستانیں (باب نمبر ۱۳)، انبیاء اور مذاہب کی توہین کے سدباب کے لیے امریکہ، برطانیہ، یورپی ممالک اور پاکستان کے قوانین کا جائزہ (باب نمبر ۱۴)، مستقبل میں مذاہب و انبیاء و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تضحیک کے سدباب کے لیے تجزیہ اور تجاویز (باب نمبر ۱۵)

شمارہ کے بیک کور پر شہدائے نشتر پارک کی تصاویر ہیں اور اس سانحہ پر سنی تحریک سے اظہار تعزیت کیا گیا ہے۔

اسی شمارے کا دوسرا ایڈیشن مارچ ۲۰۰۸ء میں شائع کیا گیا جس میں اوپر ذکر کردہ مضامین میں سے چند کا انتخاب کیا گیا۔ دوسرے ایڈیشن کے کل صفحات ۲۲ ہیں۔



روزنامہ امت، کراچی/راول پنڈی کی خاص اشاعتیں  
روزنامہ امت نے گزشتہ سال (۱۷/۱۶/۲۰۱۶ء) غازیان ناموس رسالت پر خصوصی طور پر

تحقیق کروائی اور متعدد قسطوں میں غازیان ناموس رسالت کے متعلق تفصیلی مضامین شائع کیے۔ روزنامہ امت کے صحافی محترم جناب احمد خلیل جازم نے غازیان ناموس رسالت کے تعلق سے بہت تلاش و جستجو سے کام لیا اور نہایت اہم مضامین قلم بند کیے۔



الیکٹرونک میڈیا پر نشر ہونے والے پروگرامز کی تفصیل:

اس حصہ میں الیکٹرونک میڈیا پر نشر ہونے والے پروگراموں، فلموں، ڈراموں اور خصوصی رپورٹوں کا ذکر مقصود ہے۔ اس مختصر ریویو سے ان فلموں، ڈراموں کی کہانی یا فلمائے گئے کردار اور پیش کردہ واقعات کی تائید ہرگز خیال نہ کی جائے۔

فلم۔ غازی علم الدین شہید کے متعلق دو فلمیں بن چکی ہیں۔ ایک فلم بہت عرصہ قبل بنائی گئی تھی جب کہ سنہ ۲۰۰۲ء میں ادارہ گجر آرٹ پروڈکشنز نے غازی علم الدین شہید کے ورثاء محمد رفیق اور محمد رشید کی اجازت سے غازی علم الدین شہید پر ایک اور فلم تیار کی۔ اس فلم میں معروف اداکار معمر رانا نے غازی علم الدین کا کردار ادا کیا۔



ڈرامہ۔ غازی عبدالقیوم شہید

پاکستان ٹیلی ویژن

یہ ڈرامہ یوٹیوب پر دیکھا تھا لیکن اس کا لنک اب تلاش کے باوجود دستیاب نہ ہو سکا۔ لہذا تفصیلات پیش کرنے سے قاصر ہوں۔



ڈاکومنٹری فلم۔ غازی عبدالقیوم شہید

جیونیوز

رپورٹر: طارق ابوالحسن

سال: ۲۰۱۰ء

یوٹیوب لنک: [https://www.youtube.com/watch?v=Cb66\\_3ksta4](https://www.youtube.com/watch?v=Cb66_3ksta4)



لایو وڈ فرح -- خصوصی پروگرام غازی عامر چیمہ شہید

میزبان: فرح حسین

مہمان: پروفیسر نذیر چیمہ مع اہلیہ (غازی عامر چیمہ شہید کے والدین)

اے ٹی وی

اس پروگرام میں فرح حسین نے غازی عامر چیمہ شہید کے والدین کو نہایت عقیدت اور

ادب و احترام سے مدعو کیا اور ان سے غازی عامر چیمہ شہید کی زندگی کے متعلق سوالات کیے اور

غازی عامر چیمہ شہید سے بھرپور عقیدت کا اظہار کیا۔



غازی عامر چیمہ شہید کی بارہویں برسی پر خصوصی رپورٹ

چینل 24

سال: مئی ۲۰۱۸ء

یوٹیوب لنک: <https://www.youtube.com/watch?v=bipntUolpcg>



صبح نور پروگرام - غازی علم الدین شہید

۹۲ چینل

میزبان: جسٹس (ریٹائرڈ) نذیر احمد غازی

مہمان: مفتی فاروق القادری، رائے محمد کمال، ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

بتاریخ: ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۶ء





صبح نور پروگرام - غازی ممتاز قادری

۹۲ چینل

بتاریخ: یکم مارچ ۲۰۱۶ء

میزبان: جسٹس (ریٹائرڈ) نذیر احمد غازی

مہمان: ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر نوید اظہر، علامہ اعظم نوری

غازی ممتاز قادری کی شہادت کے روزیہ پروگرام نشر کیا گیا۔ پروگرام کے میزبان جسٹس

ریٹائرڈ نذیر احمد غازی صاحب نے پابندی کے باوجود بڑی جرات و دلیری سے غازی ممتاز

حسین قادری شہید کو خراج عقیدت پیش کیا اور حکومتی اقدام کی بھرپور مذمت کی۔

یہ پروگرام یوٹیوب پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔





دارالنعمان پبلیشرز  
DARUN NOMAN PUBLISHERS

# غائبان ناموں کی سسالت

تتمتی و تالیف  
محترمہ شہزادہ خاتون